اسلام کا معاشرتی نظام

تقی الدین النبہانی

حزب التحریر

چوتھا ایڈیشن: 1424ھ-2003م

عربی سے اردو ترجمہ: 2011م

بسم الله الرحمن الرحيم

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (1) وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا (2) وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا (3) وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا (4) وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا (5) وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا (6) [النساء : 1-6]

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے کے سامنے اپنے مطالبات رکھتے ہو، اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔ یتیموں کو ان کا مال دے دو، اور بری چیز کو اچھی چیز سے نہ بدلنا؛ اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھا نہ جانا؛ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے، تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمھیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو، دو دو، تین تین، یا چار چار سے، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یکساں برتاؤ نہ کر سکو گے، تو پھر ایک ہی پر بس کرو، یا اس عورت (لونڈی) پر جو تمہارے قبضے میں آئی ہو؛ اس میں انصاف سے تمہارے نہ ہٹنے کا زیادہ امکان ہے۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تمہیں چھوڑ دیں، تو اسے تم بے جھجک خوشگوار اور پاک سمجھ کر کھاؤ۔ اور اپنے مال جسے اللہ نے تمہارے لئے قیام کا ذریعہ بنایا ہے بد عقلوں کو نہ دو، ہاں انھیں اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو، اور انھیں بھلی بات کہو۔ اور یتیموں کو جانچتے رہو یہاں تک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں، تو پھر اگر تم دیکھو کہ ان میں سمجھ بوجھ آگئی ہے تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور اس ڈر سے کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں تم ان کے مال بے جا اڑا کر اور جلدی کر کے کھا نہ جاؤ۔ اور جو خوشحال ہو اسے تو اس سے بچنا ہی چاہئے، البتہ جو غریب ہو وہ مناسب طور پر کچھ کھا سکتا ہے۔ تو جب ان کے مال ان کے حوالہ کرنے لگو، تو ان کی موجودگی میں گواہ بنالو، رہا حساب لینا تو اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

[سورۃ النساء: 1 تا 6]

فہرستِ مضامین

افتتاحی آیات	3
فہرستِ مضامین	5
تمہید	7
مرد اور عورت	16
اسلامی نظریہ کا مرد اور عورت کے تعلق پر اثر	23
عورت اور مرد کے باہمی تعلق کی تنظیم	29
خانگی زندگی	38
اسلامی زندگی میں مردوں اور عورتوں کے درمیان علیحدگی کی فرضیت	45
عورت کی طرف دیکھنا	48
مسلم خواتین کے لئے اپنا چہرہ چھپانا فرض نہیں ہے	70
عورت اور مرد کا شرعاً مکلف ہونا	94
خواتین کی سرگرمیاں	107
اسلامی معاشرہ	122
شادی	139

وہ عورتیں جو محرّمات ہیں	163
تعدادِ ازواج	171
رسول اللہ ﷺ کی شادیاں	183
ازدواجی زندگی	196
عزل	208
طلاق	220
حسب نسب	233
لعان (الزام لگانا)	236
والد کی محافظت	241
اولاد کی کفالت	242
صلہ رحمی	238

تمہید

اکثر لوگ زندگی سے متعلق تمام معاملات کو مجموعی طور پر "معاشرتی نظام" سے تعبیر کر دیتے ہیں، یہ تعبیر درست نہیں ہے، درحقیقت زندگی سے متعلق تمام نظاموں کو "نظام ہائے حیات" کہا جانا زیادہ موزوں ہو گا، اور یہی اُن کی حقیقت ہے۔ کیونکہ نظام کسی مخصوص معاشرے میں رہنے والوں کے تعلقات کو منظم کرتے ہیں، خواہ وہ افراد آپس میں میل جول کریں یا نہ کریں۔ معاشرے میں لوگوں کا آپس میں ملنا اور جدا ہونا اہم نہیں بلکہ جو چیز اہم ہے وہ اُن کے باہمی تعلقات ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے تعلقات متعدد اور مختلف اقسام کے ہونے کی وجہ سے یہ نظام بھی متعدد اور مختلف الانواع ہوتے ہیں، یہ نظام اقتصاد، حکومت، سیاست، تعلیم، عدلیہ، معاشرتی معاملات اور گواہیوں سے متعلق احکامات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اِن تمام کو مجموعی طور پر معاشرتی نظام کہنے کی نہ کوئی وجہ موجود ہے اور نہ ہی یہ تعبیر اس پر صادق آتی ہے۔ مزید یہ کہ لفظ 'معاشرتی' ایک نظام کی تفصیل بیان کر رہا ہے، یعنی ایک ایسا نظام جو کسی معاشرے میں ان مسائل کا حل بتاتا ہو جو لوگوں کے ملنے جلنے سے پیدا ہوتے ہیں یا ان تعلقات کو منظم کرنے کا طریقہ بتاتا ہو جو لوگوں کے ملنے جلنے سے جنم لیتے ہیں۔ مرد کے مرد سے اور خواتین کے خواتین سے میل جول سے مسائل جنم نہیں لیتے اور نہ ہی اس سے ایسے تعلقات پیدا ہوتے ہیں جن کے لئے نظام کی ضرورت ہو، البتہ ان کے ایک ہی ملک میں آباد ہونے کی وجہ سے ان کے مصالح و مفادات کو منظم کرنے کیلئے نظام درکار ہوتا ہے، خواہ اُن کا آپس میں میل جول نہ ہی ہو۔ اس کے برخلاف مرد و عورت کے میل جول اور تعلقات سے ایسی صورتیں پیدا ہوتی ہیں جنہیں مخصوص نظام کے ذریعہ منظم کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اس تعلق کا تقاضا ہے کہ اسے نظامِ معاشرت سے تعبیر کیا جائے کیونکہ درحقیقت یہی نظام عورت اور مرد کے تعلق اور اس تعلق سے پیدا ہونے والے رشتوں

کو منظم کرتا ہے۔

چنانچہ نظامِ معاشرت کی حدود یہ ہوئیں کہ یہ نظام عورت و مرد کے تعلق، نیز اس سے پیدا ہونے والے رشتے کو منظم کرتا ہے، نہ کہ معاشرے میں مرد و عورت کے مفادات و مصالح کو، اور اس تمام کو بیان کرتا ہے جو مرد و عورت کے اس تعلق و رشتے سے جنم لیتا ہے۔ لہٰذا عورت اور مرد کے مابین تجارتی لین دین، معاشرے کے دیگر نظاموں کا موضوع ہے نہ کہ معاشرتی نظام کا، کیونکہ تجارت نظامِ اقتصاد کا جزو ہے۔ البتہ مرد اور خواتین کے درمیان خلوت (Seclusion/Privacy) کی ممانعت، کب عورت کو خود طلاق لینے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، یا عورت کو کب چھوٹے بچے کی پرورش کا حق ہوتا ہے، یہ تمام معاشرتی نظام کے موضوعات ہیں۔ چنانچہ نظام معاشرت کی تعریف یہ متعین ہوئی کہ یہ ایسا نظام ہے جو ایک عورت کے مرد سے تعلق اور ایک مرد کے عورت سے تعلق اور اس سے پیدا ہونے والے رشتے و تعلقات کو منظم کرتا ہے، نیز ان تمام تر معاملات کو بھی جو اس تعلق سے جنم لیتے ہیں۔

اسلام کے معاشرتی نظام کے متعلق مسلمانوں سمیت لوگوں کے فہم و تصوّر میں بے انتہا غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، اور یہ غلط فہمیاں فی الحقیقت اسلامی افکار اور احکامات سے اُن کی ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہوئی ہیں۔ ایک انتہا پر وہ لوگ ہیں جو عورت کو اُس کی مرضی سے مرد کے ساتھ خلوت میں موجود ہونے اور ایسے لباس میں گھر سے باہر نکلنے جس سے اُس کا ستر بھی نہ ڈھکتا ہو اس کا حق سمجھتے ہیں۔ جبکہ دوسری انتہا اُن لوگوں کی ہے جو عورت کے تجارت و زراعت کے حق سے انکار کرتے ہیں، اسے مرد سے ملنے سے مطلقاً روک دیتے ہیں اور اُن کی رائے میں چہرے اور ہاتھوں سمیت عورت کا پورا جسم ستر ہے۔ افراط و تفریط کی یہ متضاد انتہائیں ایک طرف تو اخلاقی پستی کا باعث ہیں تو دوسری طرف اس سے فکری جمود نے بھی جنم لیا، اور معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا، اسلامی گھرانے اور اہلِ خانہ اضطراب و عدم اطمینان کا شکار ہوئے، لڑائی جھگڑوں کی کثرت ہو گئی اور لوگوں کے درمیان فاصلے پیدا ہونے لگے۔ پھر یہ شعور بیدار ہوا کہ خاندانی اکائی کو بچایا جائے اور اُس کی خوشیوں کو یقینی بنایا جائے۔ اس خطرناک مسئلے کے حل کی تلاش تمام لوگوں کے ذہنوں پر حاوی ہو گئی۔ مختلف زاویوں سے کوششیں ہوئیں اور متعدد حل پیش ہوئے، کئی کتابیں تالیف ہوئیں جن میں معاشرتی حل تجویز کیے گئے تھے۔ شرعی عدالتوں کے قوانین اور انتخابی نظام میں ترامیم کی گئیں۔ کئی لوگوں نے اپنا نقطۂ نظر اپنے اہلِ خانہ میں اپنی زوجات، بیٹیوں اور بہنوں پر

تھوپنے کی کوشش کی۔ مدرسوں اور سکولوں کے طور طریقے بدلے اور لڑکے لڑکیوں کی تعلیم مخلوط کر دی گئی۔ حل تلاش کرنے کی کوششیں یہ رنگ لائیں۔ لیکن یہ کاوشیں نہ تو کوئی حل تلاش کر پائیں اور نہ ہی کوئی نظام وضع کیا جا سکا اور جس چیز کو اِنہوں نے 'اصلاح' سے تعبیر کیا وہ اسے نافذ کرنے کا کوئی طریقہ وضع نہ کر پائے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اکثر مسلمانوں کے ذہن عورت اور مرد کے تعلقات کی حقیقت سے بے خبر تھے نیز مسلمان اس بات کا ادراک کرنے سے بھی قاصر تھے کہ مرد اور عورت کے درمیان امت کی بھلائی کے لئے تعاون کی کیا کیفیت ہونی چاہئے۔ عورت اور مرد کے میل جول سے متعلق شرعی احکام اور اسلامی افکار سے مکمل طور پر بے بہرہ یہ مسلمان علاج کے طریقوں پر تو بحث و مباحثہ کرتے لیکن مسئلہ کی اصل حقیقت پر غور نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ اِن کی کوششوں سے تشویش اور ابہام دونوں میں اضافہ ہوتا گیا، امت میں دراڑیں پڑیں اور ایک امتیازی خصوصیت کی حیثیت سے امت کی اسلامی ہیئت کو خطرہ لاحق ہونے لگا۔ اور اسلامی گھرانوں سے اسلامی چھاپ زائل ہو جانے اور اسلامی افکار کی رہنمائی کی روشنی بجھنے اور اس کے احکام و آراء سے دوری کا خدشہ پیدا ہو گیا۔

اس فکری افراتفری اور صحیح فہم سے انحراف کا سبب مغربی تہذیب کا کمر توڑ حملہ تھا۔ یہ مغربی تہذیب ہمارے طرزِ فکر اور ذوق دونوں پر چھا گئی تھی اور اس نے زندگی کے بارے میں ہمارے مفاہیم و تصورات، معیار اور اعتقادات کو متاثر کیا، یہاں تک کہ ہماری وہ اقدار جو ہمارے اندر مضبوطی سے پیوست تھیں، جیسے ہماری اسلامی غیرت اور اسلامی مقدسات کی عظمت بھی اس تہذیبی حملے کی زد سے نہ بچ سکیں۔ اس طرح مغربی تہذیب کی یہ ضرب نہایت جامع ثابت ہوئی جس سے بشمول اس معاشرتی پہلو کے، زندگی کے تمام شعبے مجروح ہو گئے۔

جب یہ مغربی تہذیب عالمِ اسلام پر چھائی اور اس کے تمدّن کی شکلیں اور مادّی ترقی کے مظاہر ظاہر ہونے لگے تو بہت سے لوگوں کی آنکھیں اس چمک سے چندھیا گئیں۔ اِن لوگوں نے اس تمدّن کی تقلید شروع کر دی اور اس کی تہذیب کو اختیار کرنے کی کوشش کرنے لگے، کیونکہ یہ تمدن ترقی کی علامت تھا، اور یہ تمدن اس تہذیب کی طرف دعوت دینے والوں کی ہی ایجاد تھا۔ پس اِن لوگوں نے اس تہذیب کی نقل کرنے کی کوشش شروع کر دی اور اس سلسلے میں اس بات کا فرق نہ کیا کہ مغربی تہذیب کو اختیار کرنا اور تمدنی اشیاء کو حاصل کرنا دو مختلف امر ہیں۔ اور نہ ہی اِن لوگوں نے اس بات کا ادراک کیا کہ

تہذیب در حقیقت زندگی سے متعلق مفاہیم و تصورات کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ زندگی بسر کرنے کا متعین طریقہ ہوتا ہے جبکہ تمدّن اُن مادّی اشیاء کا مجموعہ ہوتا ہے یعنی وہ وسائل اور آلات و اشیاء جو زندگی کے معین طریقے اور معین نظریہ سے قطع نظر، زندگی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ مزید بر آں، لوگ اس بات سے بھی بے شعور رہے کہ مغربی تہذیب ایک مخصوص بنیاد پر کھڑی ہے، جو فی نفس اسلامی تہذیب سے متضاد ہے۔ مغربی تہذیب کا زندگی کے متعلق تصوّر اور انسانی سعادت یا خوشی، جسے انسان حاصل کرنا چاہتا ہے، اسلامی تہذیب سے متناقض ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ مسلم امت مغربی تہذیب کو اختیار نہیں کر سکتی اور یہ کہ امت مسلمہ کے کسی بھی ملک کے معاشرے کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ مغربی تہذیب کو اختیار بھی کرے اور وہ اس امت کا حصہ بھی بنا رہے یا اُسے اسلامی معاشرہ بھی کہا جاتا رہے۔

اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان اس کلیدی اختلاف کے شعور کا یہ فقدان ہی مغربی تہذیب کی نقالی کا سبب بنا۔ بہت سے ایسے مسلمان تھے جنھوں نے اِس تہذیب کو سمجھے بغیر ہی اس کی نقل شروع کر دی، اِن کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی کسی کتاب کو سمجھے بغیر محض اُس کے الفاظ و حروف کی نقل کرے، جبکہ بعض نے اِس تہذیب کے مفاہیم اور افکار کو اختیار کر لیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ اِن مفاہیم اور پیمانوں کو اختیار کرنے کے کیا مضمرات اور نتائج ہوں گے۔ اِن لوگوں نے مغربی تہذیب میں یہ دیکھا کہ اُس میں خواتین مَردوں کے شانہ بہ شانہ بغیر کسی امتیاز کے کھڑی ہیں، لیکن اِس کے نتائج پر اُن کی نظریں نہ گئیں۔ مغرب کی خواتین کو وہاں کی مادّی اشیاء سے آراستہ اور مغربی اشیاء کو عورتوں سے مزین دیکھا تو اُس کی تقلید شروع کر دی یا نقل کرنے کی کوشش کی، اور یہ نہ سوچا کہ یہ طرزِ عمل مغربی تہذیب، اور زندگی کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر اور زندگی کے متعلق اس تہذیب کے تصوّر سے تو میل کھاتا ہے لیکن اسلامی تہذیب، زندگی کے بارے میں اسلامی تہذیب کے نقطۂ نظر اور اسلامی تصوّرِ زندگی سے ٹکراتا ہے۔ نہ ہی ان حضرات نے اس کی پرواہ کی کہ ایسے مظاہر کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ جی ہاں! جب اُنھوں نے یہ سب دیکھا تو اُنھیں محسوس ہوا کہ عورت کے لئے معاشرے میں مرد کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہونا ضروری ہے خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں۔ اُنھیں لگا کہ مسلم خواتین کے لئے بھی ضروری ہے کہ مغربی تمدّن کے مظاہر اُن کے زیبِ تن ہوں اور مسلم خواتین مغربی تمدّن کی اشکال اختیار کریں خواہ اس سے کچھ بھی مشکلات پیدا ہوتی ہوں اور امور متاثر ہوتے ہوں۔ چنانچہ اِن حضرات نے مسلم عورتوں کے لئے شخصی آزادی اور اُسے اُس کی مرضی

کے مطابق عمل کرنے کے اختیار کا مطالبہ کیا۔ اور انہوں نے خواتین اور مردوں کی بلاضرورت میل جول اور خواتین کو غیر محرم مردوں کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے کی وکالت کی، یہاں تک کہ انہوں نے مطالبہ کیا کہ عورتوں کو حکمرانی کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ وہ تصور کرتے تھے کہ ایسا کرنا ترقی اور نشاۃِ ثانیہ ہے۔

جس شئے نے اس معاملہ کو اور پراگندہ کیا وہ یہ کہ ان مقلد نقالوں نے خود کو شخصی آزادی کا علمبردار سمجھ لیا یہاں تک کہ خواتین بلا کسی ضرورت کے محض تعلق کی خاطر اور اس اختلاط سے محظوظ ہونے کے لئے مردوں سے میل جول کرنے لگیں، جبکہ معاشرے میں ایسا کوئی عذر موجود نہ تھا جو اس اختلاط کا متقاضی ہوتا۔ مرد اور عورت کے درمیان ایسا اختلاط محض برائے اختلاط اور شخصی آزادی سے محظوظ ہونے کی غرض سے تھا۔ اس طرزِ فکر کو اختیار کرنے والے نقال اور مقلد گروہ کا قبیح اثر یہ ہوا کہ مرد اور عورت کا تعلق محض نر اور مادہ (Male & Female) کا تعلق بن کر رہ گیا اور اس گروہ کا برا اثر معاشرے کے دیگر طبقوں پر ہونے لگا۔ اس تعلق کا نتیجہ مرد و عورت کے درمیان تعاون پر منتج نہیں ہوا بلکہ اس سے اخلاقی پستی نے جنم لیا جہاں عورتیں اپنے شوہروں اور محرموں سے تجاوز کر کے دوسروں کے سامنے زینت کا دکھاوا کرنے لگیں۔ اس سے مسلمانوں کی سوچ میں کجی پیدا ہوئی، اُن کے ذوق میں بگاڑ آیا، اسلام کے احکامات پر اعتماد اٹھ گیا اور عمل و اقدار کے پیمانے منہدم ہو گئے۔ اب مغربی معاشرت پسندیدہ رول ماڈل بن گئی اور مغربی معاشرہ پیمانہ بن گیا تھا جہاں یہ حقیقت ملحوظ نہیں رہی کہ مغربی معاشرہ میں نر و مادہ (Male & Female) بغیر نکاح تعلق میں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا، نہ ہی یہ کوئی شرم کی بات تصور ہوتی ہے اور نہ ہی اسے اخلاقی پستی یا اخلاق کے لئے خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی نظر انداز ہو گئی کہ مسلم معاشرے کی اقدار اس سے یکسر مخالف اور متناقض ہیں کیونکہ مسلم معاشرے میں ایسے تعلق کو گناہِ کبیرہ تصوّر کیا جاتا ہے جس کے لیے شدید سزا مقرر کی گئی ہے، یعنی کوڑے مارنا یا سنگسار کیا جانا۔ مسلم معاشرے میں ایسے گناہ کے مرتکب کو معاشرے سے الگ ہو جانے والا، صحیح روش سے پھر جانے والا سمجھا جاتا ہے اور اسے دھتکارا جاتا ہے اور رسوائی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مسلم معاشرے میں آبرو کی حفاظت بحیثیتِ فرض تسلیم کی جاتی ہے اور اس میں کسی بحث و کلام کی گنجائش نہیں، اور جس کی حفاظت کے لئے جان و مال، کسی تردّد اور عذر کے بغیر، بخوشی قربان کیے جاتے ہیں۔

جی ہاں! مغرب کی نقالی اور تقلید کرنے والوں نے نہ تو دونوں معاشروں کے فرق کو ملحوظ رکھا اور نہ ہی اِن دونوں

نقطہ نظر کے درمیان واضع فرق اُن کے مدِ نظر رہا، مزید یہ کہ نہ اُنھیں اس بات کا کوئی خیال تھا کہ اسلامی طرزِ زندگی اُن پر کیا امور لازم کرتی ہے اور نہ ہی اُنھیں شرعی احکامات کے تقاضوں کا پاس تھا۔ اُنھیں تو پس نقالی اور تقلید کی اس دوڑ میں کسی بھی طرح شامل ہونا تھا تاکہ خواتین اُس ترقی تک پہنچ سکیں جو آبرو باختہ تھی اور جہاں اخلاقی طور پر قابلِ ملامت حرکتوں کی کھلی چھوٹ تھی۔ اس طرح یہ تقلید اور نقالی کرنے والے مسلم زندگی کے معاشرتی پہلو کو خواتین کی ترقی اور امت کی تجدید و ترقی کے نام پر برباد کرتے رہے۔ بہر حال ابتداء میں ایسے لوگوں کی تعداد قلیل تھی اور امت نے اِن کی دعوت کو قبول بھی نہیں کیا تھا، لیکن جب مسلم ممالک پر سرمایہ داریت کا نظام نافذ کر دیا گیا اور اُن پر استعماری کفار نے اپنے ایجنٹ حاکم بنا کر بٹھا دئے جو اپنے آقاؤں کے احکام بجالانے میں چست تھے، تب اس اقلیت کو اثر و رسوخ حاصل ہو گیا اور وہ زیادہ تر شہری آبادی اور دیہاتوں کے کچھ باشندوں کو اپنی راہ پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔ یوں مغربی تہذیب کی نقالی کا اثر اتنا ہو گیا کہ مسلم شہروں کے کئی حصوں سے اُن کی اسلامی شناخت زائل ہو گئی۔ کیا استنبول، کیا قاہرہ، کیا تیونس، کیا دمشق، کیا کراچی اور کیا بغداد، اور کیا القدس اور کیا بیروت، سب مغربی تہذیب کی نقل و تقلید کی اس وبا سے یکساں متاثر ہوئے۔

فطری امر تھا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ اِن افکار کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو، اور لازم تھا کہ مسلم ممالک سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایسے افکار و خیالات سے مقابلہ کرے۔ لہٰذا ایک جماعت، بلکہ مختلف جماعتیں قائم ہوئیں جنھوں نے معاشرے میں حسنات کو برقرار رکھنے اور مسلم عورتوں کو اس وبا سے محفوظ رکھنے کی فرضیت کی پکار لگائی، لیکن اِن جماعتوں کو اسلام کے مختلف نظاموں کا نہ تو فہم تھا اور نہ ہی شریعت کے احکام اُن کے سامنے واضح تھے، چنانچہ اُنھوں نے مفاد (مصلحت) کو جیسا اُن کے ذہنوں نے ادراک کیا، اسے بنیاد بنایا اور اُس کی بنیاد پر آراء و افکار کے پیمانے طے کر لئے۔ لہٰذا انہوں نے معاشرتی روایات کی حفاظت کی بات کی اور اخلاقی قدروں کو برقرار رکھنے کی دعوت دی لیکن اُنھوں نے اس حقیقت کو ملحوظ نہ رکھا کہ اصل بنیاد اسلامی عقیدہ ہے اور اصل پیمانہ شرعی احکامات ہیں۔ عورت کے حجاب کے مسئلے پر اندھا تعصب اس قدر ہو گیا کہ وہ عورت پر پابندیاں اور سختیاں کرنے لگے اور ان کے گھروں سے باہر نکلنے کو روکنے لگے اور عورتوں کے اپنی ضروریات کو پورا کرنے اور اپنے معاملات کو خود نمٹانے پر قدغن عائد کرنے لگے۔ فقہائے متاخرین نے خواتین کے لئے پانچ قسم کے عَورۃ (ستر) متعین کر دیے: نماز کی حالت کا ستر، مرد محرموں کی موجودگی کی حالت میں ستر، غیر محرم مردوں کی

موجودگی کا ستر، مسلم خواتین کی موجودگی کا ستر، اور غیر مسلم خواتین کی موجودگی کا ستر۔ اس تقسیم کے باوجود اُنھوں نے خواتین کے مکمل پردے کی وکالت کی جس سے نہ تو عورت کسی کو دیکھ سکتی تھی اور نہ ہی کوئی عورت کو دیکھ سکتا تھا۔ انہوں نے عورت کے لئے زندگی کے امور کی ممانعت کی بات کی۔ اُنھوں نے کہا کہ عورت سیاست، حکومت اور اقتصادی امور میں اپنی رائے نہیں رکھ سکتی لہٰذا وہ انتخابات میں شریک نہیں ہو سکتی۔ یہ جماعتیں خواتین اور زندگی کے میدان کی سرگرمیوں کے درمیان حائل ہو گئیں، حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کی بعض آیات، خواتین کو چھوڑ کر صرف مردوں کے لئے خاص ہیں۔ اُنھوں نے وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ کے بیعت کے لئے خواتین سے مصافحہ کرنے، خواتین کے ستر کے متعلق اور زندگی کے معاملات میں خواتین کے کردار کے بارے میں ہیں، کی ایسی تاویلیں کیں جو اُن کے موقف سے ہم آہنگ تھیں نہ کہ حکمِ شرعی کے تقاضے سے ہم آہنگ۔ اس طرح اُن کے ایسے موقف کے سبب عوام شریعت کے احکامات سے دور ہوتے گئے اور لوگوں میں اسلام کا معاشرتی نظام ایک معمہ سا بنتا گیا۔ نتیجتاً اب مسلمانوں کی آراء اُن افکار کا مقابلہ نہ کر سکتی تھیں جو اُن پر حملہ آور تھیں، نہ ہی وہ مغربی ریلے کا سامنا کر سکیں اور نہ ہی وہ مسلمانوں کے معاشرتی پہلو کو بلند کرنے میں کارگر ہو سکیں۔ اگرچہ امت میں ایسے علماء موجود تھے جو اپنے علم و معلومات کے لحاظ سے اولین مجتہدین اور فقہائے مذاہب کے ہم پلہ تھے، اور اگرچہ امت کے پاس وسیع فکری اور تشریعی (قانونی) خزانہ موجود تھا جو کسی بھی امت کے فکری و قانونی ذخیرے سے بڑھ کر ہے۔ اور اگرچہ مسلمانوں کے عوامی کتب خانوں اور ذاتی لائبریریوں میں جامع کتب اور قیمتی تصانیف کا ذخیرہ موجود تھا، لیکن یہ تمام کا تمام اُن نقالوں کو روک نہ سکا اور نہ ہی جمود کا شکار ان لوگوں کو خواتین کے متعلق صحیح اسلامی آراء پر مطمئن کر سکا جو مجتہدین نے صحیح استنباط سے اخذ کیں تھیں، کیونکہ یہ اس تصور سے ٹکراتی تھیں جو وہ عورتوں کی زندگی کے بارے میں بنا چکے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ دونوں جانب، یعنی مغربی نقال اور جمود کا شکار گروہ اور علماء اور تعلیم یافتہ افراد غور و فکر کے درجے سے بہت دور تھے۔ وہ نہ تو حقیقت کا ادراک کر پائے اور نہ ہی انہیں اللہ کے حکم کا فہم تھا، اور نہ ہی وہ اللہ کے حکم کو فکری سطح پر سمجھ پائے اور نہ ہی باریک بینی کے ساتھ حقیقت پر حکمِ شرعی کی ٹھیک ٹھیک تطبیق کر پائے۔ اس کے نتیجے میں مسلم ممالک میں معاشرہ دو موقفوں کے درمیان ڈولتا رہا، ایک طرف نقالوں کی مغربی تقلید اور دوسری طرف جمود۔ معاشرتی پہلو اضطراب کا شکار رہا یہاں تک کہ مسلم خواتین متذبذب اور پریشان حال ہو گئیں۔ مسلم خواتین دو متضاد اِنتہاؤں

کے درمیان لاچار کھڑی تھیں: ایک جانب وہ پریشان اور مضطرب خواتین تھیں جو مغربی تہذیب کو جانے بغیر اس کی نقل کر رہی تھیں، جنھیں اس بات کا ادراک ہی نہ تھا کہ مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے درمیان واضح تضاد ہے، تو دوسری طرف وہ جمود کا شکار مسلم خواتین تھیں جنھیں نہ تو اپنے موقف سے خود فائدہ تھا اور نہ ہی ان کی کوششیں کسی اور کے لئے نفع بخش تھیں۔ اس تمام تر صورتِ حال کا سبب اسلام کے امعاشرتی نظام کے فہم کا نہ ہونا اور اسلام کا فکری طور پر مطالعہ نہ کرنا تھا۔

لہٰذا یہ ناگزیر ہو گیا کہ اسلام کے اجتماعی نظام کا جامع طور پر مطالعہ کیا جائے، اور یہ مطالعہ گہرائی کے ساتھ ہو، تاکہ اصل مسئلے کی جڑ، یعنی مرد اور عورت کے میل اور اس سے پیدا ہونے والے تعلقات اور اس کی تفصیلات کو سمجھا جائے۔ جو چیز مطلوب ہے وہ یہی مرد اور عورت کے میل اور اس کے نتیجے میں وجود میں آنے والے رشتوں اور ان کی تفصیلات کا علاج ہے۔ یہ ضروری ہے کہ یہ حل عقل کی بنیاد پر نہیں بلکہ شریعت کی بنیاد پر ہو۔ جہاں تک عقل اور ذہن کا تعلق ہے تو اس کا کردار حل کو سمجھنے کی حد تک ہے اور یہ ادراک کرنا کہ ایسا حل مسلم خواتین اور مسلم مردوں کے لئے ہے جو ایک مخصوص طرزِ زندگی اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر لازم قرار دیا ہے۔ اُن پر یہ حتمی طور پر لازم ہے کہ وہ صرف اسی طرزِ زندگی کے پابند رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور سنتِ نبوی ﷺ کے ذریعہ حکم دیا ہے، خواہ یہ مغربی تہذیب سے ٹکراتا ہو یا خود اُن کے اپنے آباؤاجداد کے رسوم ورواج سے متضاد ہو۔

مرد اور عورت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا)"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور پھر ہم نے تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔"(سورۃ الحجرات:13)۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :(يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ)"اے انسان! آخر کس چیز نے تجھ کو تیرے ربّ کے بارے میں دھوکا میں ڈالا، جو بہت رحم کرنے والا ہے۔"(سورۃ الانفطار:6)۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ط مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ط مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ)"ہلاک ہو انسان، کس قدر ناشکرا ہے وہ۔ اللہ نے اسے کس چیز سے پیدا کیا؟ اللہ نے اسے منی کے ایک قطرے سے پیدا کیا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا۔"(سورہ عبس:17 تا19)۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو مخاطب فرمایا ہے اور اُس پر ذمہ داریاں عائد کیں ہیں اور انسان کو اس خطاب اور ذمہ داریوں کا موضوع بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے احکامات نازل کیے ہیں اور اللہ روزِ قیامت انسانوں کو دوبارہ اٹھائے گا اور اُن کا محاسبہ کرے گا اور جنت اور دوزخ کا فیصلہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بحیثیت انسان اِن ذمہ داریوں کا موضوع بنایا ہے، نہ کہ عورت یا مرد کو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یعنی مرد اور عورت کو ایک متعین فطرت پر پیدا فرمایا جو اِنھیں حیوانوں سے جدا اور ممتاز حیثیت دیتی ہے، لہٰذا عورت انسان ہے اور مرد بھی انسان ہے اور انسان ہونے کے حوالے سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس حوالے سے وہ ایک دوسرے پر کوئی امتیاز بھی نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو انسان ہونے کی حیثیت سے تیار کیا

کہ وہ میدانِ حیات میں داخل ہوں اور لازمی طور پر ایک ہی معاشرے میں رہیں۔ پھر نسل انسانی کی بقاء کا دار و مدار اِن دونوں کے ملاپ اور ہر معاشرے میں اِن کی موجودگی پر رکھا۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ اِن میں سے ایک کے بارے میں دوسرے سے فرق نقطۂ نظر رکھا جائے، کیونکہ دونوں انسان ہیں اور ان میں انسان ہونے کی تمام خصوصیات اور زندگی کے تمام لوازمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میں حیات بخش قوت رکھی جو زندگی کا سرچشمہ ہے اور دونوں میں وہی جسمانی حاجات ودیعت فرمائیں جیسے بھوک وپیاس کا لگنا اور قضاء حاجت ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میں جبلتِ بقاء (Survival Instinct) ودیعت فرمائی، دونوں میں جبلتِ نوع (Procreation Instinct)اور دونوں میں جبلتِ تدین(Worship Instinct)) رکھی۔ یہ وہی جسمانی حاجات اور جبلتیں ہیں جو دوسرے میں بھی موجود ہیں۔ پھر اللہ نے دونوں میں سوچ وفکر کی صلاحیت ودیعت فرمائی۔ چنانچہ جو عقل مرد میں ہے، وہی عورت میں بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل تخلیق کی ہے نہ کہ مرد کی عقل یا عورت کی عقل۔

ممکن ہے کہ ایک مرد، کسی مرد سے یا حیوان سے یا کسی اور طرح اپنی جبلتِ نوع (جنسی جبلت) کی تسکین کرلے، اور اسی طرح ممکن ہے کہ ایک عورت، کسی عورت سے یا حیوان سے یا کسی اور طرح اپنی جبلتِ نوع کی تسکین کرلے، لیکن اس طرح اُس مقصد وغایت کی تکمیل نہیں ہوسکتی جس کے لئے اس جبلت کو انسان میں رکھا گیا ہے، یعنی نسلِ انسانی کی بقاء۔ اس غایت و مقصد کی تکمیل بس ایک ہی راہ سے ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ اس جبلت کی تسکین عورت مرد سے اور مرد عورت سے کرے۔ لہٰذا جبلتی جنسیت یعنی(Instinctual Sexuality) کے حوالے سے ایک مرد کا عورت سے تعلق اور ایک عورت کا مرد سے تعلق عین قدرتی اور فطری رشتہ ہے جو کسی زاویے سے نہ تو شاذ ہے اور نہ اس میں کوئی انحراف ہے۔ بلکہ یہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے ہی اُس غایت و مقصد کی تکمیل ہوتی ہے جس کے لئے اس جبلت کو انسان میں رکھا گیا ہے، یعنی نسلِ انسانی کی بقاء۔ البتہ اس جبلت کو بے لگام چھوڑ دینا انسانیت اور انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے نقصان دہ اور مضر ہوگا۔ اس کے وجود کا مقصد نسلِ انسانی کی بقاء کے لئے اولاد کا پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا یہ لازمی ہے کہ انسان کا یعنی مرد اور عورت دونوں کا اس کے بارے نقطۂ نظر اُسی مقصد وغایت سے مربوط ہو جس غرض کے لئے یہ جبلت انسان میں رکھی گئی ہے، یعنی نسلِ انسانی کی بقاء۔ اس جبلت کی تسکین میں فطری اور ناگزیر لذّت موجود ہے خواہ انسان اس کی جانب متوجہ ہو یا نہ

ہو۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ لذت و شہوت کے تصوّر کو اس جبلت کی سیرابی سے جدا رکھنا چاہئے۔ یہ اس لئے غلط ہے کیونکہ یہ لذت تصوّراتی نہیں بلکہ یہ تو قدرتی اور فطری شئے ہے اور اسے جدا کیا جانا ناممکن ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ انسان کے لئے اس جبلت کے متعلق ایک مکمل فہم پیدا کیا جائے اور اس مقصد کے متعلق جس کے لئے اس جبلت کو انسان میں رکھا گیا ہے۔ تاکہ انسان کا اس امر کے متعلق مخصوص نقطۂ نظر قائم ہو جائے کہ اللہ نے اس جبلت کو انسان میں کیوں پیدا کیا ہے، تاکہ اس جبلت کو پورا کرنے کے متعلق اُس کا نقطۂ نظر مرد اور عورت کے باہم میل تک ہی محصور و محدود رہے اور مرد و عورت کے میل کے بارے میں مرد وزن کے جنسی رشتے کے حوالے سے بھی اُس کا نظریہ متعین ہو، نیز یہ نقطہ نظر اُس غایت و مقصد سے منسلک و مربوط ہو جس مقصد کے تحت یہ جبلت انسان میں رکھی ہے۔ اس متعین نقطۂ نظر کے ذریعے اس جبلت کی صحیح نہج پر تسکین اور اس مقصد کی تکمیل ہوتی ہے جس کے لئے یہ جبلت موجود ہے۔ جس معاشرے کا ایسا مخصوص نقطۂ نظر ہوتا ہے اطمنان حاصل کرتا ہے۔ کسی بھی انسانی معاشرے کا مرد اور عورت کے نر اور مادہ ہونے کی حیثیت سے میل کے بارے میں نقطۂ نظر محض لذتوں پر مرکوز رہنے کے بجائے تبدیل ہو کر اس جبلت کے مقصد و غایت پر مرکوز کرنا چاہئے جہاں یہ لذتیں مقصد نہیں بلکہ مقصد کی راہ میں حاصل ہونے والی ایک فطری اور قطعی شئے ہیں۔ ایسا نقطۂ نظر اس جبلت کو باقی بھی رکھتا ہے اور اسے اُس کی صحیح نہج پر اور اس کے مقصد پر گامزن بھی رکھتا ہے۔ ایسا نقطۂ نظر انسان کو باقی تمام افعال سرانجام دینے کا موقع فراہم کرتا ہے اور اس کے پاس ان تمام امور کو سرانجام دینے کی فراغت ہوتی ہے جو اس کے لئے سعادت کا باعث ہوں۔

لہٰذا انسان کے لئے ناگزیر ہے کہ اُس کے پاس جبلتِ نوع کی تسکین اور اس کے مقصد و مقصود کا فہم موجود ہو۔ انسانی معاشرے کے پاس ایسا نظام ہونا چاہئے جو انسان کے قلوب و اذہان سے جنسی اختلاط کی فکر کے تسلط کو زائل کر دے اور ایک نظام کے ذریعے مرد اور عورت کا باہمی تعاون ممکن بنے کیونکہ ایسے معاشرے میں جس میں مرد و عورت کے درمیان ایک دوسرے کے شریک ہونے، غم خواری اور باہمی رحمت کی حیثیت سے تعاون نہ ہو، اُس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں۔ لہٰذا یہ ناگزیر ہے کہ معاشرے کے نقطۂ نظر کو مکمل اور جامع طور پر تبدیل کرنے پر زور دیا جائے جس سے قلوب و اذہان سے جنسی تعلق کے تصور کا تسلّط زائل ہو سکے اور یہ تعلق محض لذت تک محدود نہ ہو جائے اگرچہ لذت کا حصول فطری اور ناگزیر

ہے۔ یہ نقطۂ نظر معاشرے کے مفاد کے حصول کو ہدف بناتا ہے، نہ کہ صرف مرد یا عورت کے مفاد کا حصول۔ یہ نقطۂ نظر اللہ کے تقوے کا محکوم ہو نہ کہ لذت و شہوتوں کا غلام، ایسا نقطۂ نظر جو انسان کو جنسی لذتوں سے محظوظ ہونے سے روک نہ دے بلکہ اِن سے لطف اندوز ہونے کو جائز رکھے کہ جس سے انسانی نسل کی بقاء کو یقینی بنایا جا سکے اور یہ انسان کے اعلیٰ نصب العین یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے موافق ہو۔

قرآن مجید میں ازدواج یعنی شادی کے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں یعنی وہ مقصد کہ جس کے لئے انسان میں جبلتِ نوع کو ودیعت کیا گیا ہے۔ اِن آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان میں جبلتِ نوع حقیقتاً شادی اور ازدواجیت ہی کے لئے ہے یعنی اس میں انسانی نسل کی بقا کی غایت مضمر ہے۔ بالفاظِ دیگر، یہ جبلت اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان میں شادی ہی کی غرض سے رکھی ہے۔ اِن آیات میں مختلف اسالیب سے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ مرد اور عورت کے تعلق کے بارے میں معاشرے کا نقطۂ نظر شادی پر مرکوز رہے نہ کہ محض جنسی تعلق پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **(يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً)**"اے انسانو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اِن دونوں سے پھیلائے بہت سے مرد اور عورتیں۔ (سورۃ النساء:01)۔"اور فرمایا:**(هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ)**"وہی تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اس نے اُٹھا لیا ہلکا سا بوجھ، پھر وہ اسے لئے پھری۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی جو ان کا رب ہے کہ اگر تو ہمیں اچھا اور سالم بچہ عطا فرمائے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے۔"(سورۃ الاعراف:189)اور فرمایا:**(وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً)**"اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں اور اُنھیں بیوی بچوں والا بنایا ہے۔"(سورۃ الرعد:38)اور فرمایا: **(وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً)** "اور اللہ ہی نے بنائی ہیں تمہارے لئے تمہاری جنس کی ہی بیویاں، پھر تمہیں تمہاری بیویوں میں سے عطا کئے بیٹے اور پوتے۔ " (سورۃ النحل:72) اور فرمایا:**(وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً)** "اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے پیدا کیں تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں تا کہ تم سکون حاصل کرو اُن کے پاس۔ اور اس

نے پیدا کر دی تمہارے درمیان محبت اور رحمت۔" (سورۃ الروم:21) اور فرمایا: (فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُم مِّنْ اَنفُسِكُمْ اَزْوَاجاً) "آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، اسی نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے۔" (سورۃ الشوریٰ:11) اور فرمایا: (وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ط مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَى) "اور یہ کہ وہ اللہ ہی ایک بوند سے، کہ جب وہ ٹپکائی جاتی ہے، نر اور مادہ جوڑے پیدا فرماتا ہے۔" (سورۃ النجم:45-46) اور فرمایا: (وَخَلَقْنَاكُمْ اَزْوَاجاً) "اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔" (سورۃ النبیاء:08)۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی تخلیق کو ازدواجی پہلو میں محصور و مقید فرمایا اور اس بات کو متعدد بار دہرایا تاکہ مرد اور عورت کے تعلق کے سلسلے میں نقطۂ نظر ازدواج اور شادی پر یعنی نسلِ انسانی کی بقاء پر مرکوز رہے۔

اسلامی نقطہ نظر کا مرد و عورت کے تعلق پر اثر

جب انسان کی جبلت بھڑکتی ہے تو تسکین چاہتی ہے اور جب تک یہ اُبھرے نہیں تو یہ اپنی تسکین یا اپنی تشفی کا مطالبہ بھی نہیں کرتی۔ جب یہ جبلت اُبھر کر اپنی تسکین چاہتی ہے تو انسان کو متحرک کرتی ہے کہ وہ اس جبلت کی تسکین کے لئے کوشش کرے۔ پھر جب اُس بھڑکی ہوئی جبلت کو سیر اب نہ کیا جائے، انسان بے چین رہتا ہے اور جوں ہی اس جبلت کو سیر اب کر دیا جائے، انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کی تشفی یا تسکین کے نہ ہونے سے موت واقع نہیں ہو جاتی اور نہ ہی کوئی جسمانی، عقلی یا نفسیاتی ضرر پہنچتا ہے۔ تسکین نہ ہونے کی صورت میں بس فکر مندی اور بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا جبلت کی تسکین جسمانی حاجت کی طرح کوئی حتمی یا لازمی چیز نہیں بلکہ اس کی تسکین تشفی اور راحت کے لئے ہے۔

دو امور ایسے ہیں جن سے جبلت میں اُبھار آتا ہے یا جبلت بھڑکتی ہے: ایک تو کسی مادّی حقیقت کا سامنے ہونا، اور دوسرے کوئی فکر اور اس فکر سے متعلق سوچ۔ اِن دونوں میں سے اگر کوئی بھی موجود نہ ہو تو جبلت نہیں بھڑکتی، اس کے معنی یہ ہوئے کہ جبلتیں جسمانی حاجت سے مختلف ہوتی ہیں، جبلت کسی اندرونی محرک (Internal Motivation) سے نہیں بھڑکتی بلکہ جبلت کے بھڑکنے کے لئے باہر سے تحریک لازمی ہے، یعنی مادّی حقیقت کا ہونا اور پھر اس سے متعلق سوچ کا ہونا۔ یہ اصول تمام جبلتوں پر صادق آتا ہے جیسے جبلتِ نوع، جبلتِ تدین وغیرہ۔

چونکہ جبلتِ نوع اس معنی میں دوسری جبلتوں کی طرح ہے کہ جب یہ اُبھرے تو تسکین چاہتی ہے، اور یہ تب تک نہیں بھڑکتی جب تک کوئی مادّی حقیقت یا اس سے متعلق فکر نہ ہو، لہٰذا انسان کے لئے جبلتِ نوع کو قابو میں رکھنا اس کے

اختیار میں ہوتا ہے۔ فی الحقیقت انسان اس جبلت کی تسکین کے لئے قدم بھی بڑھا سکتا ہے اور اس تسکین کی اس انداز سے حد بندی بھی کر سکتا ہے جو نسلِ انسانی کے بقاء کی جانب ہو۔ لہٰذا دوسری جنس کو دیکھنا یا جبلتِ نوع سے متعلق کسی اور مادّی حقیقت کا سامنے ہونا، اسی طرح جنسی قصّے کہانیاں پڑھنا یا جنسی سوچ کی باتیں سننا، یہ تمام چیزیں جبلتِ نوع کو اُبھارتی ہیں۔ اسی طرح اِن تمام چیزوں سے دور رہنا اس جبلت کو اُبھرنے سے روکتا ہے کیونکہ جبلت کے بھڑکنے کے لئے یا تو کسی مادّی حقیقت کا ہونا لازمی ہے یا اس سے متعلق فکر کا ہونا۔

لہٰذا جب معاشرے کا مرد اور عورت کے متعلق نقطۂ نظر نر اور مادہ کے آپسی تعلق (Male Female Relationship) پر مرکوز ہو گا یعنی جنسی تعلق پر جیسا کہ مغربی معاشرے کا حال ہے، تو یہ معاشرہ ایسی مادّی حقیقت کے ذرائع پیدا کرنے اور ایسے افکار اور سوچ کو اُبھارنے میں لگا رہے گا جو مرد و زن میں جبلتِ نوع کو بھڑکاتے ہوں تاکہ پھر انسان اس جبلت کی تشفی اور اس کی تسکین کے لئے کھڑا ہو اور اس بنیاد پر تعلق استوار کرے اور اپنی جبلت کو سیر اب کرے اور سکون حاصل کرے۔ اس کے برعکس جب معاشرے کا مرد اور عورت کے بارے میں تصوّر یہ ہو کہ اِس جبلت کو انسان کے اندر نسل کی بقاء کیلئے رکھا گیا ہے، تو ایسے معاشرے میں یہ کوشش ہو گی کہ اس جبلت کو بھڑکانے والی مادّی حقیقت اور اس سے متعلق افکار کو عوامی زندگی (پبلک لائف) سے دور رکھا جائے تاکہ یہ جبلت نہ بھڑکے اور اپنی تسکین کا تقاضا نہ کرے جو دستیاب نہیں ہے اور اس طرح اس جبلت سے پیدا ہونے والی بے چینی اور رنج سے محفوظ رہے۔ مزید یہ کہ اس جبلت کو اُبھارنے والی مادّی حقیقتوں کو نکاح کے رشتہ تک مقید کرنا ضروری ہے تاکہ انسانی نسل کی بقاء ہو سکے اور اس جبلت کی تسکین اور تشفی بھی ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی معاشرے کا مرد اور عورت کے متعلق نقطۂ نظر کس حد تک مرد اور عورت کے درمیان تعلق کو سمت دینے اور عوامی زندگی (پبلک لائف) اور معاشرے کی جہت کا تعین کرنے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مغربی معاشرہ جو کہ سرمایہ دارانہ مبداء کا حامل ہے اور مشرقی معاشرہ، دونوں کا مرد اور عورت کے بارے میں نقطۂ نظر جنسیت پر مبنی ہے نہ کہ انسانی نسل کی بقاء پر۔ لہٰذا اُن کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ معاشرے میں انسان کے سامنے اس جبلت کو بھڑکانے اور اُبھارنے والے وسائل اور جنسی افکار کو عیاں رکھا جائے تاکہ مرد اور عورت اس بھڑکی ہوئی جبلت کو سیر اب کرنے کی جستجو کرے۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس جبلت کا سیر اب نہ کرنا جبر کا موجب ہے جو جسمانی، عقلی اور نفسیاتی ضرر کا

باعث بنتا ہے۔ نتیجتاً مغربی اور سوشلسٹ معاشروں میں اور اُن کے قصّے کہانیوں اور شاعری وغیرہ میں جنسی افکار کی کثرت ہوتی ہے اور ان کے گھروں میں، بازاروں، راستوں، باغیچوں یا تالابوں وغیرہ پر مرد اور عورت کا غیر ضروری اختلاط (Mixing) کثرت سے ہوتا ہے کیونکہ وہ اس اختلاط کو نہایت لازمی خیال کرتے ہیں اور ایسے مواقع پیدا کرتے ہیں جہاں یہ اختلاط ممکن ہو، اور یہ اختلاط اُن کے طرزِ زندگی اور نظمِ زندگی کا لازمی جزو ہے۔

مغربی اور مشرقی معاشرے کے برعکس مسلمان جو اسلام کو تسلیم کرتے ہیں اور اسلام کے عقیدہ اور احکامات پر ایمان رکھتے ہیں، تو ان کا نقطہِ نظر مختلف ہے۔ یعنی اسلام مرد و عورت کے تعلقات کو انسانی نسل کی بقاء کی نظر سے دیکھتا ہے نہ کہ محض جنسی تعلق کی نظر سے، اگرچہ اسلام جنسی پہلو کو جبلتِ نوع کی تسکین کا لازمی جزو گردانتا ہے، لیکن جنسی پہلو اس سیرابی کا مرکزی نقطہ نہیں ہے۔ پس اسلام کے نزدیک معاشرے میں جنسی فکر اور سوچ کا ہونا نقصان اور ضرر کا سبب ہے اور جبلتِ نوع کو ابھارنے والی مادّی حقیقتوں کا سامنے ہونا ایسا امر ہے جو معاشرے کو بگاڑ یا فساد (Corruption) کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان خلوت سے منع کیا، عورت کو اپنا بناؤ سنگار غیر محرموں پر ظاہر کرنے سے منع کیا، مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی جانب جنسی شہوت کی نگاہ سے دیکھنے کی ممانعت کی، حیاتِ عامہ یعنی پبلک لائف میں مرد اور عورت کے درمیان میل جول کو متعین احکام کا پابند کیا اور مرد اور عورت کے درمیان جنسی تعلق کو صرف دو حالتوں تک مقید و محدود کیا: یعنی رشتۂ نکاح اور لونڈیوں تک۔

لہٰذا اسلام حیاتِ عامہ (پبلک لائف) میں کسی چیز سے اس جبلت کے بھڑک اٹھنے کو روکتا ہے اور جنسی تعلق کو مذکورہ دو حالتوں تک محدود رکھتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ نظام اس جبلت کو اُبھارنے اور بھڑکانے کے وسائل پیدا کرتے ہیں اور اس جبلت کو بے لگام کھلا چھوڑ دیتے ہیں، جبکہ اسلام کا مرد اور عورت کے میل جول کے بارے میں نقطۂ نظر انسانی نسل کے بقاء کے حوالہ سے ہے جبکہ سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ نظام مرد اور عورت اور اِن کے درمیان تعلق کو 'نر اور مادہ کے تعلق' کے طور پر یعنی جنسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس حوالے سے اِن دونوں نظریات کے موقف اور اسلام کے نقطۂ نظر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اِن مبادی کے موقف اور اسلام کے نقطۂ نظر کے تضاد کو سمجھ لینے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کا نقطہ نظر پاکیزہ اور اعلیٰ ہے جو انسان کے اطمینان اور اس کی نسل کے بقاء کا نقطۂ نظر ہے۔

سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ آئیڈیالوجی کے حامل افراد کا یہ دعویٰ ہے کہ اس جبلت کی تسکین نہ ہونے سے پیدا ہونے والی بے چینی جسمانی، عقلی و نفسیاتی امراض کا باعث بنتا ہے۔ یہ درست نہیں، بلکہ یہ محض اُن کا وہم ہے جو حقیقت کے مخالف ہے۔ یہ اس بناء پر ہے کہ جبلت اور جسمانی حاجت اپنی تسکین کے لازم ہونے کے حوالے سے دو مختلف چیزیں ہیں۔ جسمانی حاجات جیسے بھوک، پیاس اور قضاء حاجت وہ ہیں جن کا پورا کیا جانا قطعاً لازم ہے، اگر اِنھیں پورا نہ کیا جائے تو جسم کو ضرر پہنچتا ہے اور موت واقع ہو سکتی ہے جبکہ جبلتیں، جیسے جبلتِ نوع، جبلتِ تدین، تو اِن کا پورا نہ کیا جانا اُس طرح لازمی نہیں ہوتا، کہ اس کے پورا نہ ہونے سے جسم، عقل یا نفسیت کو ضرر پہنچے، البتہ اس سے فقط بے چینی اور اضطرابیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو اِن میں سے کچھ جبلتوں کو سیر اب کئے بغیر ساری عمر گزار دیتے ہیں اور اس کے باوجود اُنھیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔ پھر اِن آئیڈیالوجی کے حاملین کا یہ دعویٰ کہ جبلتوں کا پورا نہ کیا جانا جسمانی، عقلی اور نفسیاتی امراض کا سبب بنتا ہے، یوں بھی بے بنیاد ہے کہ ایسا نقصان ہر ایک انسان کو نہیں پہنچتا، بلکہ کچھ لوگوں کو ایسے امراض لاحق ہوتے ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ جبلت کو سیر اب نہ کرنے سے ان امراض کا ہونا اس جبلت کو سیر اب نہ کرنے کا لازمی اور قدرتی نتیجہ نہیں بلکہ ایسا دیگر وجوہات کی بناء پر ہے۔ کیونکہ اگر یہ امراض یا نقصان جبلت کو دبانے اور اسے سیر اب نہ کرنے کے نتیجے میں لازماً ہوتے تو ہر ایک شخص جو اپنی جبلت کو سیر اب نہ کرتا ہو اسے یہ لازماً لاحق ہوتے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اِن آئیڈیالوجیز کے حاملین بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ جسمانی اور نفسیاتی ضرر کسی جبلت کو دبانے کا فطری نتیجہ نہیں ہیں، لہٰذا جبلت کو دبانے کی بجائے بعض دوسرے محرکات ہیں جو ان امراض کا سبب ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ جسمانی حاجات اندرونی طور پر ہی اپنی سیر ابی کا تقاضا کرتی ہیں، اُنھیں کسی بیرونی محرک کے اثر انداز ہونے کی ضرورت نہیں، گو کہ اس حاجت کو پورا کرنے کی ضرورت کے احساس کے وقت اگر کوئی بیرونی محرک بھی موجود ہو تو وہ اس اندرونی حاجت کو مزید اُبھار سکتا ہے۔ اس کے بر خلاف جبلتوں کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی بیرونی محرک کے بغیر محض کسی اندرونی محرک کی بناء پر سیر ابی کا تقاضا نہیں کرتیں۔ جبلتوں کو ابھارنے والا کوئی اندرونی محرک نہیں ہوتا بلکہ یہ بیرونی مادّی حقیقت یا اُسی سے متعلق افکار اور ذہن کے ان افکار کے جبلت کے ساتھ تعلق بنانے پر

ابھرتی ہیں۔ یہ اصول تمام جبلتوں پر صادق آتا ہے، خواہ وہ جبلتِ بقاء ہو یا جبلتِ تدین وغیرہ۔ جب کسی شخص کے سامنے کوئی ایسی مادّی حقیقت موجود ہو جس سے کوئی بھی جبلت بھڑکے، تو وہ شخص ہیجان کا شکار ہو جاتا ہے اور پھر اس جبلت کی سیر ابی کا تقاضا سر اٹھاتا ہے۔ پھر جب وہ بیرونی محرک یعنی وہ وہ مادّی حقیقت جو سامنے موجود تھی، اگر اسے ہٹا دیا جائے، یا وہ شخص کسی اور اہم تر کام میں مشغول ہو جائے، تو پھر اُس جبلت کی سیر ابی کا تقاضا بھی زائل ہو جاتا ہے اور اُس شخص کا ہیجان رفع ہو جاتا ہے اور وہ شخص مطمئن ہو جاتا ہے۔ جسمانی حاجت کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے کہ اگر ایک بار کوئی جسمانی حاجت اُبھرے، تو اُس کی سیر ابی کا تقاضا اُس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک اُس حاجت کو سیر اب نہ کر دیا جائے۔ اس بحث سے صراحتاً واضح ہو جاتا ہے کہ جبلتِ نوع کو پورا نہ کرنے کی صورت میں کسی قسم کے جسمانی، عقلی یا نفسیاتی مرض کا قطعاً اندیشہ نہیں ہوتا، کیونکہ یہ ایک جبلت ہے نہ کہ جسمانی حاجت۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ فقط اتنا کہ جب کسی شخص کے سامنے اس جبلت کو بھڑکانے والی کوئی مادّی حقیقت ہو یا اس سے متعلق کوئی فکر ہو تو وہ شخص ہیجانی کیفیت میں آجاتا ہے اور اُس جبلت کی سیر ابی چاہتا ہے، اور اگر اس جبلت کی تشفی یا سیر ابی نہ کی جائے تو وہ شخص محض حسرت زدہ یا فکر مند ہو جاتا ہے۔ پھر اگر بار بار یہی ہو کہ جبلت بھڑکے اور اُس کی سیر ابی کا تقاضا پورا نہ کیا جائے تو یہ بے چینی دکھ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب اُن محرکات کو ہٹا دیا جائے جو جبلت کو ہوا دیتے اور اسے بھڑکاتے ہوں، یا وہ شخص کسی ایسے مشغلے میں لگ جائے جو زیادہ اہم ہو، تو پھر بے چینی بھی رفع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جبلتِ نوع جب ایک بار اُبھرے اور اُس کو دبا دیا جائے تو اس سے دکھ اور بے چینی ہوتی ہے لیکن اگر اس جبلت کو نہ اُبھارا جائے تو نہ دکھ ہوتا ہے اور نہ ہی بے چینی۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ اس جبلت کو اُبھارا نہ جائے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ اس جبلت کو اُبھارنے اور ہوا دینے والے خارجی محرکات کو ایسی حالت میں جبلت پر اثر انداز ہونے سے روکا جائے جہاں اس جبلت کی سیر ابی نہ ہو سکتی ہو۔

اس سے سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ نقطۂ نظر کی غلطی عیاں ہو جاتی ہے جو مرد اور عورت کے تعلق کے بارے میں معاشرے کی نظر کو اُن کے محض نر اور مادہ ہونے پر مرکوز کرتا ہے۔ جب اُن کے نقطۂ نظر کی غلطی عیاں ہو گئی تو نتیجتاً اُن کا پیش کردہ علاج اور حل کا غلطی پر ہونا بھی واضح ہو گیا کہ معاشرے میں اس جبلت کو اُبھارا جائے اور جس کے لئے اُن محرکات کو نمایاں کیا جائے جو اس جبلت کو بھڑکاتے ہوں جیسے مرد و عورت کا اختلاط، رقص و سرور، اور ایسے کھیل کود، لہو و لعب اور

قصّے کہانیاں وغیرہ۔ مذکورہ بحث سے اسلام کے نقطۂ نظر کی صحت اور سچائی بھی عیاں ہو جاتی ہے جو مرد اور عورت کے حوالہ سے معاشرے کا نقطۂ نظر اُس مقصد پر مرکوز رکھتا ہے جس غرض سے یہ جبلت انسان میں رکھی گئی یعنی انسانی نسل کی بقاء کے مقصد سے۔ جب اسلام کے نقطۂ نظر کی صحت ثابت ہو گئی، تو اس کا پیش کردہ علاج بھی صحیح ثابت ہوا یعنی اس جبلت کے محرکات اور اُن کی مادّی اشکال نیز ان سے متعلق فکر کو ہر ایسی حالت میں روکا جائے جہاں اس جبلت کی سیرابی شریعت کے دائرے میں ممکن نہ ہو۔ شریعت نے اس جبلت کی سیرابی کو صرف نکاح اور لونڈیوں میں محصور و محدود کر دیا ہے۔ لہٰذا اسلام ہی وہ واحد صحیح اور جامع حل پیش کرتا ہے جو اس جبلت سے معاشرے اور افراد میں پیدا ہونے والے فساد کا مکمل علاج ہے جس کے نتیجے میں معاشرے اور افراد میں خیر اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔

عورت اور مرد کے باہمی تعلق کی تنظیم

اس حقیقت کے باوجود کہ مرد اور عورت ایک دوسرے میں جبلتِ نوع کو اُبھارتے یا بھڑکاتے ہیں، اس کے معنی یہ نہیں کہ جب بھی مرد ایک عورت سے یا عورت ایک مرد سے ملے گی تو لازمی طور پر یہ جبلت بھڑک اُٹھے گی۔ اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ عورت اور مرد جب ایک دوسرے کے سامنے ہوں تو ایک دوسرے میں اس جبلت کو اُبھار سکتے ہیں اور یہ اُبھار اُنھیں جنسی تعلق تک پہنچا سکتا ہے۔ تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ عورت اور مرد ملیں لیکن اُن میں یہ جبلت نہ بھڑکے، جیسا کہ تجارت، مریض کے آپریشن یا تعلیم کے حلقوں کے دوران، اگرچہ یہاں اس جبلت کے بھڑکنے کا امکان بہر حال ہے۔ تاہم امکان کے موجود ہونے کے یہ معنی نہیں کہ جبلت لازمی بھڑکے گی۔ یہ جبلت اُس وقت بھڑکتی ہے جب وہ دونوں ایک دوسرے کو مرد اور زن ہونے کی حیثیت سے دیکھیں نہ کہ نسلِ انسانی کی بقاء کے زاویہ سے۔ لہٰذا اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ مرد اور عورت ایک دوسرے میں جبلتِ نوع کو بھڑکاتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہو گا کہ مرد اور عورت کو مکمل اور قطعی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ بالفاظِ دیگر، محض اُن میں ایک دوسرے سے اس جبلت کے بھڑکنے کے امکان اور خطرے کے سبب اُن کی عمومی زندگی (Public life) میں مکمل پردہ حائل کر دیا جائے اور دونوں میں سرے سے میل جول ہی نہ رہے۔ بلکہ چاہئے کہ عمومی زندگی (پبلک لائف) میں اُن کے درمیان میل جول اور تعاون ہو کیونکہ ایسا تعاون معاشرے اور عمومی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ اس تعاون کو ایک ایسے نظام کے ذریعے ہی منظم کیا جا سکتا ہے جو مرد اور عورت کے جنسی رشتوں اور تعلق کو منظم (regulate) کرے۔ یہ بھی لازمی ہے کہ ایسا نظام اِس نقطۂ نظر سے جنم لے کہ مرد اور عورت کا آپس کا تعلق نسلِ انسانی کی بقاء کی غرض سے ہے۔ اس نظام کے تحت

ہی مرد اور عورت کا عمومی زندگی (پبلک لائف) میں میل جول اور آپس کا تعلق اور تعاون درست اور مامون رہ سکتا ہے۔

وہ واحد نظام جو ایک پر امن زندگی کا ضامن ہو اور مرد اور عورت کے تعلق کو فطرت کے مطابق منظم کرتا ہو، لازم ہے کہ اُس کی بنیاد روحانیت پر استوار ہو اور شریعت کے احکام جن میں اخلاقی اقدار بھی شامل ہیں، وہ اُس نظام کا معیار ہوں۔ یہی اسلام کے اجتماعی یا معاشرتی نظام کا خاصہ ہے۔ اسلام کا نظام مرد و عورت دونوں کو ایک انسان کی حیثیت سے دیکھتا ہے جن میں جبلتیں ہیں، احساس ہے، میلانات ہیں اور عقل و شعور موجود ہے۔ یہ نظام انسان کو زندگی کی لذتوں سے محظوظ ہونے کی اجازت دیتا ہے اور انسان کو زندگی میں اپنا بڑے سے بڑا حصہ اخذ کرنے سے منع نہیں کرتا۔ البتہ یہ نظام کہتا ہے کہ ایسا اس انداز سے ہو کہ معاشرہ محفوظ رہے اور انسانیت خوشگوار زندگی بسر کر سکے۔ اس مفروضے کے ساتھ کہ دنیا میں اسلام کے سوا اور بھی معاشرتی نظام موجود ہیں، اسلام ہی واحد صحیح معاشرتی نظام ہے، کیونکہ یہی وہ معاشرتی نظام ہے جو جبلتِ نوع کو انسانی نسل کی بقاء کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور مرد و عورت کے باہمی تعلق کو مرد و زن کی حیثیت سے نہایت باریکی اور تفصیل سے منظم کرتا ہے جس کے نتیجے میں انسان کے اندر موجود جبلتِ نوع اپنی اصل فطرت پر اور اسی مقصد کی جانب رواں رہتی ہے جس کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس جبلت کو انسان کے اندر پیدا فرمایا۔ اس صفت کے ساتھ ساتھ اسلام کا معاشرتی نظام مرد اور عورت کے اُن کے مرد و زن ہونے کی حیثیت سے تعلق کو بھی منظم کرتا ہے، جبکہ وہ ان کے درمیان ایسے تعاون کی ضمانت دیتا ہے جو معاشرے اور افراد دونوں کے لئے باعثِ خیر ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نظام اخلاقی قدر کے حصول کو یقینی بناتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ نظام اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے اعلیٰ مقصد کو اِس آپس کے تعاون کا ضابط بناتا ہے جس کے نتیجے میں تقویٰ و طہارت وہ صفات ہوتی ہیں جو مرد و عورت کے باہمی تعلق کے طریقہ کا تعین کرتی ہیں اور اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ زندگی کے اسلوب و ذرائع کسی طور اس طریقہ سے متضاد نہ ہوں۔

اسلام نے مرد و عورت کے جنسی رشتے کو نکاح یا ملکِ یمین (لونڈیوں) میں محصور رکھا ہے اور اس کے باہر کسی بھی تعلق کو جرم مانا ہے جو سخت سزا کا موجب ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے جنسی رشتے کے علاوہ دیگر رشتوں کو جو جبلت نوع ہی کے مظاہر ہیں، جیسے والدین کا رشتہ، بہن بھائی، ماموں، چچا کا رشتہ، کو جائز رکھا ہے اور اِنھیں محرم قرار دیا ہے جن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے عورت کے لئے وہ افعال جائز رکھے ہیں جو مرد کے لئے جائز ہیں جیسے تجارت، زراعت، صنعت

وغیرہ، نیز تعلیمی حلقوں میں شرکت، نماز اور دعوت کا پہنچانا وغیرہ۔

اسلام نے زندگی کے امور اور لوگوں کے آپس کے تعلقات میں مرد و عورت کے باہمی تعاون کے ہر معاملہ میں ایک طے شدہ حکم بتایا ہے۔ مرد اور عورت دونوں اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کی عبادت اور کارِ خیر میں بھلائی کے طلب گار ہیں۔ قرآنِ حکیم میں آیات نازل ہوئیں جن میں مرد اور عورت دونوں کو انسان ہونے کی حیثیت سے مخاطب کیا گیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: (قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا) "اے رسول ﷺ کہہ دیجئے: اے انسانو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، بھیجا گیا ہوں تم سب کی طرف۔" (سورۃ الاعراف:158) اور فرمایا: (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ) "اے انسانو! ڈرو اپنے ربّ سے۔" (سورۃ النساء:1)۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے احکامات کے لحاظ سے اپنی آیات میں تمام مؤمنوں کو مخاطب فرمایا ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ) "اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بلانے پر، جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے"۔ (سورۃ الانفال:24)۔ اِن آیات میں صیغۂ عام استعمال ہوا ہے جس میں عورت و مرد دونوں شامل ہیں، فرمایا: (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ) "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں"۔ (سورۃ البقرۃ:183)۔ اور فرمایا: (أَقِيمُوا الصَّلَاةَ) "نماز قائم رکھو"۔ (سورۃ البقرۃ:43)۔ (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ) "اے نبی ﷺ آپ اُن کے مالوں میں سے صدقہ لے لیں"۔ (سورۃ التوبہ:103)۔ (إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ) "حقیقت یہ ہے کہ صدقات تو دراصل فقراء اور مساکین کے لئے ہیں"۔ (سورۃ التوبہ:60)۔ (وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ) "اور جو لوگ سونا اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں"۔ (سورۃ التوبہ:34)۔ (قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ) "جنگ کرو ان لوگوں سے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے"۔ (سورۃ التوبہ:29)۔ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ) "اے ایمان والو! تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اپنا رفیق مت بناؤ، اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں عزیز رکھیں"۔ (سورۃ التوبہ:23)۔ یہ آیات اور ایسی متعدد آیات مرد اور عورت دونوں کے لئے عام وارد ہوئی ہیں اور اِن پر عمل کرنے میں مرد اور عورت کا میل و ملاقات کا امکان ہے، یہاں تک کہ ایسے عمل میں بھی جو انفرادی نوعیت کا ہے جیسا کہ نماز۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے جن افعال کا حکم دیا ہے اُن کے لئے مرد اور عورت کے ملنے کی

اجازت رکھی ہے۔

البتہ اس کے ساتھ اسلام نے احتیاط بھی شامل رکھی ہے، لہٰذا ہر ایسی چیز پر پابندی عائد کی گئی ہے جو غیر شرعی جنسی تعلق کا ذریعہ بنے اور مرد اور عورت دونوں کو اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ نظام سے بھٹکائے۔ دینِ اسلام نے اس پابندی کو شدید رکھا ہے اور پاکیزگی کو فرض قرار دیا ہے۔ نیز ہر اُس وسیلے یا طریقے کو بھی فرض رکھا ہے جو اس پاکیزگی اور اخلاقی قدر کی حفاظت کرتا ہو، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے بغیر کسی فرض کی تکمیل نہ ہوتی ہو، وہ چیز بھی فرض ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسلام نے شرعی احکام متعین کئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

[1] اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو اپنی نگاہیں جھکانے کا حکم دیا، فرمایا: (قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ط وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ) "مؤمن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ طریقہ اُن کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اُن باتوں سے پوری طرح باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور مؤمن عورتوں سے بھی کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں"۔ (سورۃ النور: 30,31)

[2] اسلام نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ شائستہ لباس پہنیں جن میں اُن کے جسم کی زینت چھپ جائے سوائے اُن اعضاء کے جو ظاہر ہوتے ہیں، پھر اس کے اوپر وہ چادر ڈال لیں جو لباس کو ڈھانپ لے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ) "اور ظاہر نہ کریں اپنا بناؤ سنگار مگر جو خود ظاہر ہو جائے، اور اوڑھے رکھیں اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سینوں پر"۔ (سورۃ النور: 31) اور فرمایا: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ) "اے نبی ﷺ، کہو اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنوں کی عورتوں سے کہ وہ اپنے اوپر چادر لٹکا لیا کریں"۔ (سورۃ الاحزاب: 59)۔ مراد یہ کہ عورتیں اپنے جسم کی بناؤ سنگار کی جگہیں ظاہر نہ کریں سوائے اُس کے جو ظاہر رہتا ہی ہے، یعنی چہرہ اور ہاتھ۔ خمار وہ کپڑا ہوتا ہے جس سے سر ڈھانپا جاتا ہے اور جیوب جمع ہے جیب کی جس سے مراد قمیص کا گریباں یعنی گلے سے سینے تک کہ جگہ، معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنی سر کی اوڑھنیوں سے اپنے گلے سے سینے تک

کی جگہ کو ڈھانک لیں اور جلباب کی چادر کو نیچے تک لٹکا لیں۔

[3] اسلام نے عورت کو کسی محرم کے بغیر تنہا ایک دن اور ایک رات کے دورانیے سے زیادہ کا سفر کرنے سے منع فرما دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة إلا ومعها ذو محرم لها**) "وہ عورت جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اُس کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایک دن اور ایک رات کا سفر کسی محرم کے بغیر کرے"۔ (مسلم)

[4] عورت اور مرد کے درمیان خلوت (تنہائی) کو منع فرمایا سوائے اس حالت میں کہ عورت کا محرم اُس کے ساتھ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**لا يخلونَّ رجل بامرأة إلا مع ذي محرم**) "مرد عورت کے ساتھ خلوت میں نہ ہو، سوائے یہ کہ عورت کا محرم اس کے ساتھ ہو"۔ (بخاری)۔ نیز مسلم میں عبد اللہ بن عباس رضہ اللہ عنہ سے نقل ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے سنا (**لا يخلون رجل بامرأة إلا ومعها محرم، ولا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم فقام رجل فقال: يا رسول الله إن امرأتي خرجت حاجّة وإني اكتتبت في غزوة كذا وكذا قال: فانطلق فحج مع امرأتك**) کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے سوائے اس کے کہ عورت کا محرم ساتھ ہو، اور کوئی عورت بغیر اپنے ذی محرم کے سفر نہ کرے، تو ایک شخص نے اُٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ، میری بیوی حج کے لئے روانہ ہوئی ہے اور میں فلاں غزوہ میں شامل رکھا گیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔ (مسلم)

[5] اسلام نے عورت کو اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنے سے منع کیا ہے کیونکہ شوہر کو بیوی پر حقوق ہیں، لہٰذا اُس کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانا صحیح نہیں اور اگر وہ ایسا کرے تو نافرمان ہوتی ہے اور سرکش تصوّر کی جاتی ہے جسے نفقہ کا حق نہیں رہتا۔ ابن بطہ اپنی تصنیف احکام النساء میں انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص سفر پر گیا اور اپنی بیوی کو باہر نکلنے سے منع کر گیا۔ پھر عورت کے والد بیمار ہوئے تو عورت نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (**اتقي الل ولا تُخالِفي زو جكِ**) اللہ سے ڈرو اور اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرو۔ اُس عورت کے

والد فوت ہو گئے تو عورت نے پھر رسول اللہ ﷺ سے اُن کے پاس جانے کی اجازت چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا کہ(اتقي الل ولا تُخالِفي زو جكِ) اللہ سے ڈرو اور اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ(إني قدْ غفرتُ لها بِطاعةِ زوجها) میں نے اُس عورت کی اپنے شوہر کی فرمابرداری کے صلہ میں مغفرت کر دی۔

[6]اسلام نے خانگی زندگی میں نیز مسجد، درسگاہ اور اسی طرح کی دیگر جگہوں پر عورتوں کی مجلس اور جماعت کو مردوں کی مجلس سے علیحدہ رکھا ہے اور عورت کو عورتوں کے درمیان اور مرد کو مردوں کے درمیان رکھا ہے۔ نیز نماز میں عورتوں کی صفوں کو مردوں کی صفوں کے پیچھے رکھا ہے اور عورتوں کو ترغیب دلائی ہے کہ وہ راستوں اور بازاروں میں مردوں کے بیچوں بیچ حائل نہ ہوں۔ اور عورت کی زندگی کو عورتوں یا اُس کے محرموں کے درمیان رکھا ہے۔ لہٰذا عورت پبلک لائف میں اپنے کام کاج جیسے خرید و فروخت وغیرہ سرانجام دینے کے بعد گھر میں عورتوں اور اپنے محرموں کے ساتھ رہے۔

[7]اسلام نے خاص خیال رکھا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان معاملات میں تعاون عام نوعیت کا نہ ہو یعنی اس طرح کہ عورتیں غیر محرم اجنبیوں کے ساتھ ملنے ملانے کا سلسلہ رکھیں یا ساتھ گھومیں پھریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تعاون سے مقصود صرف یہ ہے کہ عورت اپنے واجبات کی ادائیگی اور اپنے حقوق کا حصول کر سکے۔

اِن احکام کے توسط سے اسلام نے ان احتیاطوں کو ملحوظ رکھا ہے تاکہ مرد اور عورت کا میل ملاپ جنسی تعلق کی شکل اختیار نہ کرے اور مرد و زن کا باہمی تعاون مصالح کو پورا کرنے اور ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا باعث ہو۔ اسی طرح اسلام نے مرد اور عورت کے میل ملاپ سے پیدا ہونے والے معاملات جیسے نفقہ، آل اولاد اور شادی کے معاملات کو حل کیا ہے اور مرد اور عورت کے تعلق کو اُس حد میں محدود کیا جس مقصد کے لئے اُنھیں بنایا گیا تھا اور ساتھ ہی اِن تعلقات کو جنسی شکل اختیار کرنے سے روک دیا۔

خانگی زندگی

انسانی زندگی کا خاصہ ہے کہ یہ دو خانوں میں منقسم ہے، ایک عمومی زندگی (پبلک لائف)، جو انسان اپنے معاشرے اور قبیلے یا اپنے گاؤں اور شہر کے لوگوں کے درمیان بسر کرتا ہے؛ دوسری ذاتی یا خانگی زندگی (پرائیوٹ لائف) ہوتی ہے جو اپنے گھر میں اور اہلِ خانہ کے ساتھ گزارتا ہے۔ اسلام نے انسان کی اس خانگی زندگی میں مرد اور عورت کو پیش آنے والے مسائل سے متعلق احکامات دیے ہیں۔ اِن احکامات میں اس بات کو واضع کیا ہے کہ انسان کی اِس خانگی زندگی پر صرف اُس کا اپنا تصرف ہو اور کسی بھی دوسرے شخص کے لئے اُس کے گھر میں بغیر اجازت داخلہ ممنوع ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:(**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ**)"اے ایمان والو! سوائے اپنے گھروں کے دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اس نصیحت کا خیال رکھو گے "(سورۃ النّور:27)۔ اس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لوگوں کو دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے سے منع فرمادیا اور اجازت نہ مانگنے کو غیر مانوس، جبکہ اجازت مانگنے کو مانوسیت تصوّر کیا گیا، جیسا کہ آیت میں لفظ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا (یعنی جب تک تم اہلِ خانہ سے مانوس ہونا طے نہ کر دو) کے وارد ہونے سے معلوم ہوا۔ یہاں مانوس ہونے کو اجازت طلب کرنے کے لیے بطور کنایہ استعمال فرمایا، کیونکہ اجازت طلب کیے بغیر شناسائی حاصل نہیں ہوتی۔ طبرانی نے حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (**من أدخل عينه في بيت من غير إذن أهله فقد دمره**)"جس نے کسی گھر میں اس گھر کے لوگوں کی اجازت کے بغیر جھانکا تو

گویا اُس نے اُس گھر کو ہی مسمار کر دیا"۔ اسی طرح سنن ابی داؤد میں آتا ہے: (ان رجلا سأل النبی ﷺ ااستاذن علی امی؟ قال: نعم، قال: انه لیس لها خادم غیری، ااستاذن علیها کلما دخلت؟ قال: اتحب ان تراها عریانة؟ قال الرجل: لا قال: فاستاذن)"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ اپنی والدہ کے گھر میں جانے کے لئے بھی اجازت لے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ اُس شخص نے پھر عرض کیا کہ اُس گھر میں ماں کی خدمت کرنے والا میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، پھر بھی کیا مجھے ہر بار داخل ہونے کے لئے اجازت حاصل کرنا ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم پسند کرو گے کہ اپنی ماں کو عریاں حالت میں دیکھو؟ اُس شخص نے کہا: نہیں تو، آپ ﷺ نے فرمایا، تو پھر اجازت لو"۔ اس طرح کسی بھی انسان کا اپنے گھر کے سوا دوسرے گھر میں بغیر اجازت داخلہ ممنوع فرما دیا گیا، اور اس میں داخل ہونے والے گھر کے لوگوں کا مسلم ہونا یا غیر مسلم ہونا شرط نہیں اگرچہ یہاں خطاب مسلمانوں سے ہے لیکن یہ خطاب اجازت لینے کے حوالے سے ہے جبکہ گھروں کی کوئی قید نہیں لگائی ہے بلکہ گھر مطلقاً وارد ہوئے ہیں اور ان کے لیے عمومی صیغہ استعمال فرمایا اور اس کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی کہ وہ مسلمانوں کے ہوں یا غیر مسلموں کے، لہٰذا تمام گھر اس میں شامل ہوں گے۔ یہ گھروں کی حرمت کا صریحاً بیان ہے۔ شریعت نے خاص احکام کے ذریعے خانگی زندگی کی تخصیص کر دی ہے اور ان احکامات میں سے ایک حکم گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت لینا ہے۔ اگر اجازت حاصل کرنے والے کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے تو وہ اس میں داخل نہ ہو جب تک کہ اسے اجازت نہ مل جائے اور اگر کوئی اُس سے واپس جانے کے لئے کہہ دے تو اس پر لازم ہے کہ وہ واپس چلا جائے۔ اب اُس کے لئے داخل ہونا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ)"پھر اگر تم گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ ملے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ، تو لوٹ جاؤ، یہ طریقہ زیادہ پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح واقف ہے"(سورۃ النّور:28)۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اجازت حاصل کرنے اور پردۂ حجاب کو توڑنے پر اصرار نہ کرو اور نہ ہی دروازوں پر انتظار میں کھڑے رہو۔ یہ بات اُن گھروں کے حوالے سے ہے جو آباد ہوں۔ البتہ غیر آباد گھروں کا معاملہ جدا ہے۔ اگر داخل ہونے والے شخص کا اُس گھر میں کچھ سامان وغیرہ ہے، تو اُس کے لئے بغیر اجازت حاصل کئے اندر داخل ہونا جائز ہے اور یہ گھر اُن گھروں سے مستثنیٰ ہے جہاں داخل

ہونے کے لئے اجازت حاصل کرنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے: (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ) "اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ایسے گھروں میں داخل ہو جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور وہاں تمہارا سامان ہو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے جسے تم ظاہر کرتے ہو اور جسے تم چھپاتے ہو" (سورۃ النّور:29)۔ اس آیتِ مبارکہ کا مفہومِ مخالف یہ ہوا کہ اگر اُس گھر میں جہاں تم داخل ہونا چاہتے ہو، وہاں تمہارا کوئی سامان وغیرہ نہ ہو تو تمہیں وہاں داخل نہیں ہونا ہے۔ لہٰذا اجازت حاصل کرنے کا استثنیٰ صرف اُن گھروں تک محدود ہے جہاں داخل ہونے والے کا کوئی سامان ہو اور وہ گھر غیر آباد ہو۔ اجازت حاصل کرنے کے اس حکم سے خانگی یا ذاتی زندگی کو داخل ہونے والے کے خلل سے محفوظ فرما دیا گیا اور اہلِ خانہ کو باہر والوں کی دخل اندازی سے تحفّظ مل گیا۔

یہ احکام تو بالغ اور آزاد افراد کے لئے ہیں، البتہ وہ غلام اور وہ بچے جو سنِ بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، وہ اس حکم سے خارج ہیں اور وہ اجازت حاصل کئے بغیر گھروں میں داخل ہو سکتے ہیں، تاہم تین متعین اوقات اس سے بھی مستثنیٰ ہیں، وہ اوقات یوں ہیں: نمازِ فجر سے قبل کا وقت، ظہر کا وقت اور عشاء کے بعد کا وقت۔ اِن اوقات میں اِن کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ داخل ہونے سے قبل اجازت لے لیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ اوقات ہیں جب انسان سوتے یا جاگتے ایسے لباس میں ہو سکتا ہے جو ستر سے کم ہو۔ فجر سے قبل جاگنے کا وقت ہوتا ہے جب لوگ اپنا لباس تبدیل کرتے ہیں، ظہر کا وقت آرام کا ہوتا ہے جب لوگ قیلولہ کرنے کے لئے لباس تبدیل کرتے ہیں اور عشاء کے بعد سونے کا وقت ہوتا ہے جب لوگ سونے کا لباس پہنتے ہیں۔ اِن اوقات کے علاوہ غلاموں اور نابالغ بچوں کو اندر داخل ہونے کے لئے اجازت کی حاجت نہیں رہتی اور وہ کسی بھی وقت بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتے ہیں۔ سنِ بلوغت کو پہنچتے ہی اُن کا یہ حق ختم ہو جاتا ہے اور اب اُنھیں بھی دوسروں کی طرح اجازت حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلاَةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنْ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلاَةِ الْعِشَاءِ ثَلاَثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلاَ عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ .وَإِذَا بَلَغَ الأَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! لازم ہے کہ

اجازت طلب کریں تم سے وہ جو غلام ہیں اور تم میں سے وہ بچے بھی جو عقل و شعور کو نہ پہنچے ہوں؛ تین اوقات میں، نمازِ فجر سے پہلے، اور دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو، اور نمازِ عشاء کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہاری بے پردگی کے ہیں۔ تم پر اوران پر ان اوقات کے علاوہ کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہو۔ اس طرح اللہ اپنے احکامات تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ حکیم و علیم ہے۔ اور جب تمہارے بچے سن رشد کو پہنچ جائیں تو لازم ہے کہ وہ بھی اجازت طلب کریں جیسے وہ اجازت طلب کرتے ہیں جو ان سے پہلے بالغ ہوئے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنے احکامات تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ حکیم و علیم ہے" (سورۃ النّور: 58-59)۔ یہ وہ احکام ہیں جن سے خانگی زندگی ان باہر والوں کی دسترس سے محفوظ کی گئی ہے جو گھر میں داخل ہونا چاہتے ہوں اوراس حکم میں اجنبی لوگوں یا محرموں یا سسرالی رشتہ داروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس خانگی زندگی میں عورت دیگر عورتوں اور اپنے محرموں کے ہمراہ رہتی ہے جن کے سامنے عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے بناؤ سنگھار کی جگہوں کا اظہار کرے، وہ اعضاء جس کی عورت کو اس کی خانگی زندگی میں ظاہر رکھنے کی اجازت ہے۔ عورتوں اور محرموں کے علاوہ عورت کو اجازت نہیں کہ وہ کسی اور کے ساتھ خانگی حیثیت کی زندگی بسر کرے کیونکہ اسے یہ اجازت نہیں کہ وہ اُن کے سامنے اپنے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ جسم کے اُن اعضاء کی زینت کا اظہار کرے جو عموماً گھریلو کام کاج کے دوران کھلے رہتے ہیں۔ لہٰذا خانگی زندگی خواتین اور محرم مردوں تک مقید و محدود رکھی گئی ہے، خواہ یہ خواتین مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اس طرح عورت کے لئے جو حکم ہے کہ وہ اپنے جسم کی زینت کے اعضاء غیر محرموں کے سامنے ظاہر نہ کرے جبکہ یہی اعضاء محرم مردوں کے سامنے کھلے رہ سکتے ہیں، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خانگی زندگی صرف محرموں تک محدود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلاَ يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلاَ يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوْ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُوْلِي الإِرْبَةِ مِنْ الرِّجَالِ أَوْ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ)"اور مؤمن عورتوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں، مگر اپنے شوہروں کے سامنے، اپنے باپوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں یا اُن کے سامنے جو ان کی ملکِ یمین میں ہوں یا ان خادموں کے سامنے جنھیں عورتوں کی خواہش نہ ہو خواہ مرد ہی کیوں نہ

ہوں یا ان بچوں کے سامنے جو ابھی واقف نہیں ہوئے ہیں عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے "(سورۃ النّور: 31)۔ اِن محرموں میں وہ غلام بھی شامل ہیں جو ان کی ملکیت میں ہوں نیز وہ افراد بھی جن میں عورتوں کی شہوت نہ ہو جیسے بوڑھے، یا عقل و شعور سے عاری، یا پھر خصی یا جن کے عضو تناسل نہ ہوں۔ اِن کے علاوہ یعنی غیر محرم خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اُنھیں اس خانگی زندگی میں رہنے کی اجازت نہیں کیونکہ عورت کیلئے اپنا بناؤ سنگھار اِن کے سامنے ظاہر کرنا جو عموماً گھریلو زندگی میں ظاہر ہوتا ہے، اس کی اجازت نہیں۔

لہٰذا خانگی زندگی میں غیر محرم مردوں کا ہونا قطعاً حرام ہے سوائے اُن حالات کے جن کو شریعت نے مباح رکھا ہے جیسے کھانا پینا یا رشتہ داروں سے میل جول، اور اس میں بھی عورت کے لئے لازم ہے کہ اُس کا ذی محرم اُس کے ہمراہ ہو اور عورت اپنے ستر کو مکمل طور پر ڈھانپے ہوئے ہو۔

اسلامی زندگی میں مردوں اور عورتوں کے درمیان علیحدگی کی فرضیت

ایسی اسلامی زندگی جہاں مسلمان اپنی زندگی بسر کر رہے ہوں، وہاں مرد و عورت کے درمیان علیحدگی کا ہونا قرآن اور سنت سے ثابت ہے، خواہ یہ خانگی زندگی ہو (جیسا کہ گھر اور اسی نوعیت کی دیگر جگہیں) یا عمومی زندگی (جیسے بازار، سڑکیں اور اسی طرح کی دیگر جگہیں)۔ یہ طرزِ زندگی مردوں اور عورتوں اور ان سے متعلقہ جدا جدا احکامات سے ثابت ہے اور اس بات سے بھی کہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے بحیثیت عورت، اور مردوں سے بحیثیت مرد خطاب کیا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا) "اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے اِن سب کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے" (سورۃ الاحزاب:35) اور دیگر آیات، نیز رسول اللہ ﷺ اور ان کے بعد کے تمام اسلامی ادوار میں عملی طور پر یہی اسلامی زندگی کا اجتماعی شعار رہا ہے۔

اس کے علاوہ مجموعی احکام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے لئے فرض کیا کہ وہ جب

گھر سے باہر نکلنے کا ارادہ کرے تو جلباب پہن لے اور اللہ نے عورت کے ہاتھوں اور چہرے کے سوا پورے جسم کو ستر بنایا اور اپنی زینت کو غیر محرموں پر آشکارا کرنے کو حرام قرار دیا۔ نیز مرد کا عورت پر نگاہ ڈالنا، خواہ وہ اُس کے بالوں ہی پر ہو، حرام قرار دیا، عورت کو تنہا سفر کرنے سے باز رکھا خواہ یہ سفر حج ہی کے لئے کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے سے روکا، عورت پر جمعہ کی نماز فرض قرار نہیں دی اور نہ ہی جہاد فرض کیا جبکہ مردوں پر جہاد کو فرض قرار دیا ہے، نیز عورت پر رزق کے حصول کی کوشش کو فرض نہیں کیا جبکہ مردوں پر اسے فرض کیا گیا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں نماز کے دوران عورتوں کی صفوں کو مردوں کی صفوں سے پیچھے رکھا۔ بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُن کی دادی مُلَیکہ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا اور اُنھیں کھانے کی دعوت دی، رسول اللہ ﷺ نے کھانے کے بعد فرمایا کہ(**قوموا ف لْصلِّ لكم ... إلى أن قال :فقام رسولُ اللِ و صففْتُ أنا واليتيمُ وراءه والعجوزُ من ورائِنا**) نماز کے لئے اُٹھو میں تمہیں نماز پڑھاتا ہوں۔ پھر ہم نماز کے لئے اس طرح کھڑے ہوئے کہ میں اور ایک یتیم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے اور دادی ہمارے پیچھے تھیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو حکم دیا کہ مسجد سے نکلتے وقت وہ مردوں سے پہلے باہر نکلیں اور پھر مرد نکلیں تاکہ دونوں علیحدہ رہیں۔ بخاری میں ہند بنت الحارث ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتی ہیں کہ عہدِ نبوت میں فرض نمازوں کے بعد سلام پھیر کر عورتیں فوراً کھڑی ہو جاتی تھیں جبکہ رسول اللہ ﷺ اور باقی مرد وہیں ٹھہرے رہتے، پس جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تو باقی مرد بھی کھڑے ہو جاتے۔ اسی طرح بخاری میں ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مسجدوں میں مردوں کی کثرت سے اُنھیں دِقت ہوتی ہے لہٰذا اُن کے لئے علیحدہ دن مقرر کر دیا جائے۔ اس قسم کے احوال اور احکام مجموعی طور پر اسلامی زندگی کے طور طریقے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کی زندگی علیحدہ علیحدہ ہے خواہ وہ خانگی زندگی ہو یا عمومی زندگی۔ عہدِ رسول ﷺ کی اسلامی زندگی میں خانگی اور عوامی زندگی میں مرد اور عورتیں مطلقاً علیحدہ ہوتے تھے۔ اس اصول سے خانگی اور عوامی زندگی کے صرف وہی احوال مستثنیٰ ہیں جنہیں شارع نے جائز قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے لئے خرید و فروخت، لین دین کی اجازت رکھی ہے اور اُس پر حج فرض قرار دیا ہے، نماز کی جماعت میں شامل ہونے کی اجازت رکھی ہے، کفار سے لڑائی کو عورت کے لئے جائز رکھا ہے، مال کی

ملکیت اور اس مال کو زیادہ بڑھانے وغیرہ کی اجازت دی ہے۔ ایسے افعال جن کی شارع نے عورت کو اجازت دی ہے یا اُس پر فرض رکھے ہیں، ان افعال کو انجام دینے میں عورت کو مردوں سے ملنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے اوران کاموں کی خاطر عورتوں کی مردوں سے ملاقات کی احکامِ اسلامی میں اجازت ہے، مثلاً خرید و فروخت، کرائے داری، تعلیم، علاج معالجہ کرنا اور کروانا، زراعت و صنعت وغیرہ کیونکہ اِن کاموں کا عورت کے لئے جائز ہونا یا عورت پر واجب ہونا اس بات کی دلیل بھی ہے کہ وہ اس کے لیے مردوں سے ملاقات کر سکتی ہے۔ جبکہ کچھ ایسے امور ہیں جن کی عورت کو اجازت ہے لیکن اِنھیں انجام دینے میں مردوں سے ملنے کی ضرورت نہیں پیش آتی مثلاً سڑک پر چل کر مسجد، بازار یا اپنے رشتہ داروں کے گھر تک جانا، سیر یا تفریح کے لئے نکلنا وغیرہ، تو اِن میں اس کے لئے مردوں سے میل ملاپ جائز نہیں ہے کیونکہ مرد اور عورتوں کی علیحدگی کا حکم عام ہے اور اِن حالات کے لئے اس عام حکم میں کوئی استثنیٰ موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس غرض سے عورت کو مردوں سے ملنے کی کوئی حاجت ہے، لہٰذا اِن افعال کی انجام دہی میں عورت اور مرد کا میل ملاپ گناہ ہے خواہ یہ ملاقات عوامی زندگی ہی میں کیوں نہ ہو۔ پس اس بناء پر اسلامی زندگی میں مرد اور عورت کے درمیان علیحدگی فرض ہے، خانگی زندگی میں یہ علیحدگی مکمل علیحدگی ہوتی ہے سوائے اُس استثنیٰ کے جو شریعت نے طے کر دیا۔ عمومی زندگی میں اصل الاصول علیحدگی ہی ہے اور اِن کا میل جول جائز نہیں سوائے اس کے جسے شریعت نے عورت کے لئے فرض یا مندوب (نفل) یا مباح قرار دیا ہو۔ اور اس فعل کی انجام دہی میں اس ملاقات کی ضرورت ہو، خواہ یہ میل جول علیحدگی کے ساتھ ہو جیسا کہ مساجد میں رکھا گیا ہے یا یہ میل جول علیحدگی کے بغیر ہو جیسا کہ مناسکِ حج یا تجارت میں ہوتا ہے۔

عورت کی طرف دیکھنا

جو شخص کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش کرے اس کو حق ہے کہ وہ اُس عورت کو دیکھ لے، البتہ یہ دیکھنا خلوت (Privacy) میں نہیں ہو سکتا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مستدرک الحاکم میں حدیث روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**اذا خطب حدكم المرة فن استطاع ان ينظر لى ما يدعوه لى نكاحها فليفعل۔ قال: فخطب امرة فكنت اتخبأ لهاحتى رأيت منها ما دعانى الى نكاحها فتزوجتها**)"تم میں جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کے لئے پیغام بھیجے، تو اگر وہ اسے دیکھ سکتا ہو کہ جس سے اس میں رغبت پیدا ہو، تو وہ ایسا کر لے۔ راوی نے عرض کیا کہ میں نے اس عورت کو پیغام بھیجا ہے جسے میں چھپی جگہ سے دیکھا کرتا تھا، یہاں تک کہ میں نے وہ دیکھا جس سے مجھے اس سے نکاح کی رغبت پیدا ہوئی تو میں نے اس سے نکاح کر لیا" اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے اور امام مسلم کی شرط پر صحیح بتایا ہے۔ عورت کو اُس کے علم میں لائے بغیر یا بغیر اس کی اجازت کے دیکھنا جائز ہے حتیٰ کہ اس کو پتہ نہ چلے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم مطلق ہے اور جابر سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ "میں چھپ کر دیکھتا تھا"، البتہ تنہائی یا خلوت میں اس کی اجازت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**لا يخلون رجل بامرأة إلا ومعها ذو محرم منها فإن ثالثهما الشيطان**)"کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے ماسوائے کہ عورت کے ساتھ اس کا کوئی محرم موجود ہو، ورنہ اُن دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے" (مسلم نے ابنِ عباس سے روایت کیا)۔ یہ حکم عام ہے اور شادی کا پیغام دینے والا اس حکم سے مستثنیٰ نہیں۔

پیغام دینے والے کے لئے اجازت ہے کہ وہ عورت کے چہرے اور ہاتھ کے سوا بھی دیکھ سکتا ہے کیونکہ چہرے اور ہاتھ کے دیکھنے کی اجازت تو سب کو ہے، اور اگر پیغام دینے والے شخص کے لئے بھی صرف اتنی ہی اجازت ہوتی تو یہ اجازت بے معنی تھی، جو اس بات کی طرف اشارا کرتا ہے کہ یہ استثناء چہرے اور ہاتھ کے علاوہ ہے۔ مزید یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (أن ينظر إليها) یعنی جس کو پیغام دیا جانا ہو اسے دیکھو۔ دیکھنے کا یہ حکم عام ہے اور اس میں ہاتھ اور چہرہ اور اس کے سوا بھی شامل ہیں، کہ نکاح کے لیے جنہیں جاننا درکار ہے تاکہ وہ نکاح کا پیغام دے۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نظریں جھکانے کا حکم دیا ہے۔ اس تناظر میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی رو سے شادی کا ارادہ کرنے والے شخص کے لئے عورت کو دیکھنے کی اجازت دی گئی، اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایسا شخص نظر جھکانے والے حکم سے مستثنیٰ ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی نگاہ جھکائے رکھیں لیکن جو شخص شادی کا ارادہ رکھتا ہو اسے اجازت ہے کہ وہ جس سے نکاح کرنا چاہتا ہے اسے دیکھ لے۔

شادی شدہ جوڑوں کے لئے اپنے ساتھی کے جسم کے کسی بھی حصے کو دیکھنا جائز ہے جیسا کہ بہز بن حکیم اپنے والد اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں: (**قلت يا رسول الله عورتنا ما ناتى منها و ما نذر فقال لى: احفظ عورتک الا من زوجتک او ما ملکت يمينک**) "میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اپنے بدن کا کون سا حصہ چھپائیں اور کیا دکھا سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنا ستر چھپاؤ سوائے اپنی بیوی اور باندیوں سے"۔

اس کے علاوہ محرم کے لئے اپنی محرم خواتین کے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ وہ اعضاء دیکھنے کی اجازت ہے جو مقاماتِ زینت ہیں اور اس میں کسی مخصوص عضو کی قید نہیں ہے، خواہ وہ ذی محرم مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ اس سلسلے میں نص وارد ہوئی ہے جس کا یہاں اطلاق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (**وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ**) "اور ظاہر نہ کریں اپنا بناؤ سنگھار سوائے اپنے شوہروں کے، اپنے باپوں کے، یا شوہروں کے باپوں کے، یا بیٹوں کے یا شوہروں کے بیٹوں

کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اُن کے سامنے جو غلام ہوں یا ایسے خادموں کے سامنے جنہیں عورتوں کی خواہش نہ ہو خواہ مرد ہی کیوں نہ ہوں یا ان بچوں کے سامنے جو ابھی واقف نہ ہوئے ہوں عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے "(سورۃ النّور: 31)۔ یہ تمام وہ لوگ ہیں جن کے لئے عورت کے بال، گردن، ہار یا پازیب پہننے کی جگہ یا وہ اعضاء جو زینت کی جگہوں کے ہی دائرے میں آتے ہوں، اُنھیں دیکھنے کی اجازت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زینت کی جگہوں کو اِن مذکورہ لوگوں کے علاوہ دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں عورت کو اس کے عام گھریلو لباس میں دیکھنے کی اجازت ہے۔ امام شافعی اپنی مسند میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے اُن کا قول روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ (أنها ارتضعتْ من أسماء امرأةِ الزبيرِ، قالت فكنتُ أراه أباً، وكان يدخلُ عليّ وأنا أمشُطُ رأسي، فيأخُذُ بعض قرونِ رأسي ويقول :أ قْبلي علي) "اُنھوں نے زبیر کی بیوی اسماء کا دودھ پیا تھا اور وہ زبیر کو والد کی حیثیت سے دیکھتی تھیں، اور جب میں کنگھی کر رہی ہوتی تھی وہ اُس وقت میرے پاس آتے تھے اور میری چوٹی پکڑ کر مجھے بلاتے"۔ روایت میں آتا ہے کہ صلح حدیبیہ کی تجدید کے لئے جب ابو سفیان مدینہ پہنچے تو اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے جو ازواج مطہرات میں سے تھیں۔ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا بستر سمیٹ کر رکھ دیا تاکہ وہ اُس بستر پر نہ بیٹھیں، تاہم خود اُن سے پردہ نہیں کیا، پھر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی اور آپ ﷺ نے اسے قبول کیا اور اس پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ اُن کے والد تھے گو کہ اس وقت تک مشرک تھے لیکن بہر حال محرم تھے۔

مذکورہ قسم کے لوگوں کے علاوہ غیر محرم شخص جو نہ تو شوہر ہو اور نہ اُس کا نکاح کا ارادہ ہو، تو اس کے حوالے الگ تفصیلی احکامات ہیں۔ اگر مرد کے لیے عورت کو یا عورت کے لیے مرد کو دیکھنا ضروری ہو تو وہ جسم کا صرف وہ حصہ دیکھ سکتے ہیں کہ جسے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ عورت کے صرف ہاتھ اور چہرے کو ہی دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ لوگ جنہیں عورت کے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ بدن کے دیگر حصوں کو دیکھنے کی ضرورت ہو تو شارع نے اس کی اجازت رکھی ہے اور اِن میں طبیب، آیا (نرس) اور تفتیش کرنے والے وغیرہ شامل ہیں۔ ابنِ حبان اور مستدرک الحاکم میں عطیہ بن قرظی سے روایت ہے: (أن النبي لما حكَّم سعداً في بني قريظة كان يكشف عن مؤتزرهم) "نبی ﷺ نے یہود کے قبیلہ بنی قریظہ کے

بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تو وہ بچوں کے ازار کھول کر (بلوغت کی) جانچ کرتے تھے"۔ اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنن بیہقی میں روایت ہے کہ اُن کے پاس ایک بچے کو لایا گیا جس نے چوری کی تھی، اُنھوں نے حکم دیا کہ اُس کا ازار کھول کر دیکھا جائے۔ اس تفتیش میں معلوم ہوا کہ اُس کے زیرِ ناف بال نہیں تھے لہٰذا اُس کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا۔ اس واقعہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا اور دیکھا اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔

البتہ جہاں ایسی تفتیش کی ضرورت نہ ہو اور دیکھنے والا شخص ایسا غیر محرم نہ ہو جس میں خواہش اور صلاحیت نہ ہو، تو پھر صرف عورت کے ہاتھ اور چہرہ دیکھنے کی ہی اجازت ہے اور اس کے لئے ہاتھ اور چہرے کے سوا کسی اور جگہ کو دیکھنا حرام ہے، سنن ابی داؤد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إن الجارية إذا حاضت لم يصلح أن يُرى منها إلا وجهها ويداها إلى المفصل**)"جب کسی دوشیزہ کو حیض آنے لگے، تو اُس کے جسم کا دِکھنا صحیح نہیں ہے ماسوائے اس کے چہرے اور ہاتھوں کے"۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے ہاتھ اور چہرے کو ہی ڈھانکنے سے مستثنیٰ رکھا ہے، فرمایا: (**وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا**) "اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے"(سورۃ النّور: 31)۔ اس آیتِ مبارکہ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہاتھ اور چہرہ ہے۔ عورت کے جائے زینت کے ظاہر کرنے سے ممانعت کے معنی یہ ہیں کہ وہ ستر کو ڈھانکے رہے اور اسے ظاہر نہ ہونے دے۔ پھر اس کے ظاہر کرنے کے حرام ہونے کا لازمی معنی (یعنی دلالۃ الالتزام) یہ بھی ہے کہ جن اعضاء کو ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے انہیں دیکھنا بھی حرام ہے۔ اسی نہج پر یہ کہ جو اعضاء چھپائے جانے سے مستثنیٰ ہیں، تو اُنھیں دیکھنا جائز ہے۔ چنانچہ کسی غیر محرم شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھے۔ یعنی وہ اسے شناخت کر لے اور اس عورت کے بارے میں شہادت دے سکے، اس سے خرید و فروخت اور کرائے داری اور قرض وغیرہ کے لین دین کا معاملہ کر سکے اور اسے غلطی سے کوئی اور عورت نہ سمجھ بیٹھے، وغیرہ۔ اسی طرح عورت کے لئے مرد کے ستر کے علاوہ دیکھنا جائز ہے۔ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں: (**كان رسول الله يسترني بردائه وأنا أنظر إلى الحبشة يلعبون في المسجد**) "میں جب مسجد میں حبشیوں کے کھیل کرتب دیکھ رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی رداء سے میری آڑ کی" بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (**فأتى النساء فذكّرهن ومعه بلال فأمرهن بالصدقة**) "جب نبی ﷺ عید کے خطبے سے

فارغ ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عورتوں کی جانب آئے اور اُنھیں صدقہ کرنے کی نصیحت فرمائی"۔ اِس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواتین کی طرف سے مردوں کی جانب دیکھنے کو قبول فرمایا۔ جہاں تک جسم کے کتنے حصے کو دیکھنے کی اجازت ہے تو واقعہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا حبشیوں کے ستر کے علاوہ ان کے جسم کے باقی تمام حصوں کو دیکھ رہی تھیں جو ظاہر تھے۔ سنن ابی داؤد میں عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(إذا زوج أحدكم خادمه عبده أو أجيره فلا ينظر إلى ما دون السرة وفوق الركبة فإنّه عورة)** "جب تم میں سے کوئی اپنے غلام یا ملازم کی شادی کر دے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی ناف کے نیچے اور گھٹنوں کے اوپر نہ دیکھے کیونکہ وہ حصہ ستر ہے"۔ اس حدیث سے مفہوم یہی ہوا کہ ستر کے علاوہ جسم کے حصے پر نگاہ جائز ہے اور یہ اجازت عورت اور مرد دونوں کے لئے یکساں عام ہے۔ جریر ابن عبد اللہ سے مسلم میں روایت نقل ہے وہ کہتے ہیں کہ **(سألت رسول الله عن نظر الفجاءة فأمرني أن أصرف بصري)** "میں نے رسول اللہ ﷺ سے بے ارادہ نگاہ پڑنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی نگاہیں جھکالوں"۔ علی سے مسند احمد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: **(لا تتبع النظرة النظرة فإنما لك الأولى وليس لك الآخرة)** "اپنی پہلی نظر پڑجانے پر دوبارہ نظر نہ ڈالو، پہلی (نادانستہ) نظر جائز ہے لیکن دوسری نہیں"۔ یہ احادیث مردوں کے خواتین کی جانب دیکھنے سے متعلق ہیں نہ کہ عورتوں کے مردوں کی جانب دیکھنے سے متعلق۔ پہلی مذکورہ حدیث میں ہاتھ اور چہرے کے علاوہ نظر پڑنے کی بات ہے کیونکہ ہاتھ اور چہرہ دیکھنے کی اجازت ہے۔ دوسری حدیث میں دوبارہ نگاہ ڈالنے کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ دوسری نظر شہوت کی نظر ہوتی ہے، اس حدیث میں محض دیکھنے کی ممانعت نہیں ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا تعلق ہے جہاں فرمایا: **(وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ)** "اور مؤمن مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں" (سورۃ النّور:30)۔ اس آیت سے مراد اُس چیز سے نگاہ نیچی کرنا ہے جس کی تحریم وارد ہوئی ہے اور نظر کے دائرے کو اسی حد میں محدود رکھا جائے جو حلال کیا گیا ہے، معنی یہ نہیں ہیں کہ مطلقاً نگاہیں نیچی رکھی جائیں۔ شارع نے واضح کر دیا ہے کہ محرموں کے لئے جسم کے وہ اعضاء جو جائے زینت ہیں جیسے بال، گردن، گلا، کلائیاں اور قدم، جبکہ غیر محرم کا صرف ہاتھ اور چہرہ ہی دیکھنا جائز رکھا ہے۔ لغت القاموس کے مطابق **غَضَّ البصَرْ** سے مراد نگاہوں کا

جھکانا ہے۔

اِن تمام سے واضح ہوا کہ مرد اور عورت کے لئے لذّت اور شہوت کے جذبہ کے بغیر ایک دوسرے کے ستر کے علاوہ دیکھنے کی اجازت ہے۔ مرد کا ستر اُس کی ناف سے گھٹنوں تک ہے جبکہ عورت کا ستر اُس کے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ پورا بدن ہے۔ اس طرح اُس کی گردن ستر ہے، اس کے بال ستر ہیں خواہ ایک ہی بال کیوں نہ ہو، اور سر کا کوئی بھی حصہ اس کا ستر ہے، صرف اُس کے ہاتھ اور چہرہ ستر سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) "اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے" (سورۃ النّور: 31)۔ عورت کے جسم کا جو حصہ عموماً ظاہر رہتا ہے وہ اُس کا چہرہ اور ہاتھ ہیں کیونکہ مسلم عورتوں کے یہی وہ دو اعضاء ہیں جو خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے ظاہر رہتے تھے اور آپ ﷺ نے سکوت فرمایا۔ یہی اعضاء حج اور نماز جیسی عبادات میں ظاہر رہتے ہیں اور نزولِ آیات کے وقت بھی یہی اعضاء کھلے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں کہ عورت کے ہاتھ اور چہرے کے سوا اُس کا پورا جسم اُس کا ستر ہوتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں قتادہ سے روایت نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إن الجارية إذا حاضت لم يصلح أن يرى منها إلا وجهها ويداها إلى المفصل) "جب کسی دوشیزہ کو حیض آنے کی عمر ہو جائے، تو اُس کے جسم چہرے اور ہاتھوں کے سوا دِکھنا صحیح نہیں ہے"۔ اِن دلائل سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کے ہاتھ اور اس کے چہرے کے سوا اُس کا پورا جسم اس کا ستر ہوتا ہے اور اُس پر لازم ہے کہ وہ اپنے ستر، یعنی چہرے اور ہاتھوں کے سوا پورے جسم کو ڈھانکے رہے۔

اب اس ستر کو کس لباس سے چھپایا جائے، یہ شریعت نے متعین نہیں کیا ہے بلکہ محض اتنا کہہ دینے پر اکتفاء کیا گیا: (وَلَا يُبْدِينَ) "اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں" (سورۃ النّور: 31) اور حدیث میں الفاظ آتے ہیں (لم يصلح أن يُرى منها) کہ "اُن کے لئے صحیح نہیں کہ ستر نظر آئے یا ستر ظاہر کیا جائے"۔ چنانچہ جس لباس سے بھی چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ کامل جسم ڈھک جائے، پھر اس لباس کی جو بھی شکل ہو، خواہ وہ ایک طویل ثوب یا جامہ ہو، پاجامہ، شلوار وغیرہ ہو یا موزے ہوں، یہ تمام جائز ہوں گے کیونکہ شارع نے لباس کی ہیئت متعین نہیں فرمائی ہے۔ ایسا کوئی بھی لباس جس سے ستر اس طرح ڈھک جائے کہ نظر نہ آتا ہو، وہ جائز ہے، خواہ وہ کسی شکل، کسی نوع اور کتنے عدد پر مشتمل ہو۔

البتہ شارع نے یہ طے فرمادیا ہے کہ اس لباس سے جلد چھپ جاتی ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ جلد لباس سے چھپ جائے، پھر لباس کا جو بھی رنگ ہو سفید، سیاہ، سرخ یا خاکی وغیرہ جس سے عورت کے بدن کی جلد کا رنگ نظر نہ آتا ہو۔ اگر یہ چیز ادا نہ ہو، تو ستر ڈھکا ہوا نہیں مانا جاتا۔ مثلاً اگر لباس مہین یا باریک کپڑے کا ہے اور جلد کی رنگت ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ گندمی ہے یا سفید ہے تو اس کا ستر مستور نہیں مانا جائے گا۔، کیونکہ اگر لباس سے ستر اور اس کی رنگت چھپ نہ رہی ہو تو یہ مستور نہیں ہوا جب تک جلد چھپ نہ جائے۔ سنن ابی داؤد اور بیہقی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب اسماء رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئیں تو باریک لباس پہنے تھیں، رسول اللہ ﷺ نے اُن کی جانب سے منہ پھیر لیا اور فرمایا : (**یا أسماء ان المرأة إذا بلغت المحیض لم یصلح أن یری منها إلا هذا، و أشار إلی وجهه و کفیه**) "اے اسماء، عورت سنِ بلوغ کو پہنچے تو اس کے لئے صحیح نہیں کہ اُس کے جسم کے اس اور اس حصّہ کے سِوا دِکھے، اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں اور چہرے کی طرف اشارہ فرمایا"۔ اس حدیث سے دلیل واضح ہوئی کہ شارع نے شرط یہ رکھی ہے کہ عورت کا ستر کامل چھپے اور اس کے پار نظر نہ آئے اور عورت کے لئے لازم ہے کہ وہ ایسا کپڑا استعمال کرے جس سے اندرونی حصہ نظر نہ آئے۔

یہ بحث ستر کو چھپانے کے حوالہ سے ہوئی، تاہم یہ صحیح نہیں کہ اس موضوع کو عورت کے گھر سے باہر عام زندگی میں لباس سے یا تبرج کے لباس سے خلط ملط کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر کسی لباس سے ستر ڈھک رہا ہو تو اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ وہ عورت فقط اتنے پر اکتفا کرتے ہوئے عام سڑکوں پر نکل جائے۔ ایسے مقام یعنی گھر سے باہر کے لئے شریعت نے مخصوص لباس متعین کیا ہے اور محض ستر کے چھپا لینے کو کافی قرار نہیں دیا۔ مثلاً پاجامہ، شلوار وغیرہ سے ستر چھپ جاتا ہے لیکن گھر سے باہر عام زندگی کے لئے یہ کافی نہیں، اس کے لئے شریعت نے مخصوص لباس طے کر دیا ہے۔ اگر کوئی عورت شارع کے اس حکم کی خلاف ورزی کرتی ہے اور ایسا لباس زیب تن کرتی ہے جو شارع کے طے کئے لباس سے مختلف ہو تو وہ گنہگار ہو گی کیونکہ اس نے شریعت کے فرائض میں سے ایک فرض ترک کیا۔ عورت کے ستر کا معاملہ عام اور عوامی زندگی سے جدا ہے۔ اگر اس نے ایسا پاجامہ یا شلوار پہن رکھی ہے جو باریک نہیں ہے اور اس سے ستر بھی چھپ رہا ہے، تو اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ اسے پہن کر عورت غیر محرم مردوں کے سامنے آسکتی ہے اور اپنی زینت اور حسن کا مظاہرہ کر سکتی ہے، کیونکہ گو کہ

اس کا ستر ڈھکا ہوا ہے تاہم حسن ظاہر ہو رہا ہے، اس تبرج کی ممانعت ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت کہ عورت کا ستر ڈھکا ہوا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ اب وہ تبرج نہیں کر رہی، یہی وجہ ہے کہ ستر ڈھانکنے کے معاملہ کو تبرج کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا جا سکتا، یہ دونوں جدا موضوع ہیں۔

جہاں تک حیاتِ عامہ میں (گھر سے باہر) عورت کے لباس کا تعلق ہے، تو شارع نے اُس پر یہ فرض کر دیا ہے کہ وہ بازار یا عام شاہراہوں پر جاتے وقت اپنے لباس کے اوپر ایک چادر یا جلباب پہنے جس سے اُس کا گھریلو لباس ڈھک جائے اور یہ جلباب اُس کے پیروں تک پہنچتا ہو جس سے قدم بھی ڈھک جائیں، اور اگر عورت کو ایسا جلباب میسّر نہ ہو تو وہ اپنی پڑوسن، سہیلی یا کسی رشتہ دار سے مستعار لے۔ مزید یہ کہ اگر اسے ایسا جلباب اُدھار بھی دستیاب نہ ہو تو اُس کے لئے اس کے بغیر گھر سے نکلنا صحیح نہیں اور اگر وہ اس جلباب کے بغیر گھر سے باہر جائے تو وہ گنہگار ہو گی کیونکہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے ایک فرض کو ترک کیا۔ یہ بات عورت کے جسم کے نچلے حصے کے لباس کے حوالے سے ہوئی۔ جہاں تک جسم کے بالائی حصہ کے لباس کا معاملہ ہے تو اس کے سر پر خمار یا اوڑھنی کا ہونا لازمی ہے جس سے مکمل سر، گلہ یا گردن اور سینہ چھپ جاتے ہوں۔ گھر سے باہر نکلتے وقت لازم ہے کہ عورت اِن کا اہتمام کرے جو اس کے بدن کے بالائی حصے کے لئے لازمی ہیں۔ لباس کے اِن دونوں حصوں کے ساتھ عورت کا گھر سے باہر نکلنا صحیح ہو جاتا ہے اور اِن کے بغیر کسی بھی حالت میں عورت کے لئے گھر سے باہر نکلنا صحیح نہیں رہتا کیونکہ اِن کا حکم عام ہے اور اس حکم کی تخصیص میں کچھ وارد نہیں ہوا۔

اِن دونوں، یعنی بالائی اور نچلے حصے کے لباسوں کے فرض ہونے کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول سے ہے: (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ) "اور اوڑھے رکھیں اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر، اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے" (سورۃ النّور: 31)۔ اور جسم کے بالائی حصہ کو ڈھکنے کے حوالے سے فرمایا: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ) "اے نبی ﷺ! کہ دو اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنوں کی عورتوں سے کہ وہ اپنے اوپر چادر کے پلّو لٹکا لیا کریں" (سورۃ الاحزاب: 59)۔ اِن آیات کے علاوہ امّ عطیہ سے مسلم میں مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ: (أمرنا رسول الله أن نخرجهن في الفطر والأضحى، العواتق والحيّض وذوات الخدور، فأما الحيّض فيعتزلن الصلاة ويشهدن الخير، ودعوة المسلمين.

قلت یا رسول اللہ إحدانا لا یکون لھا جلباب، قال: لتلبسھا أختھا من جلبابھا)"کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ دونوں عیدوں کے موقعوں پر کنواری جوان لڑکیوں، حائضہ عورتوں اور باپردہ عورتوں کو گھروں سے باہر لایا جائے؛ حائضہ عورتیں نماز نہ پڑھیں لیکن کارِ خیر، اور مسلمانوں کی دعوت میں شرکت کریں۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ، ہم میں سے بعض کے پاس جلباب نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنی بہن سے اُدھار لے لے"۔ اِن دلائل سے واضح ہو جاتا ہے کہ گھریلو زندگی سے باہر حیاتِ عامہ میں عورت کا لباس کیا ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے نہایت باریکی، وضاحت اور جامعیت سے بیان فرمادیا کہ حیاتِ عامہ میں خواتین کس قسم کا لباس زیب تن رکھیں اور وہ یہ کہ جسم کے بالائی حصہ کے لئے کیا پہنیں، فرمایا: (وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ) "اور اوڑھے رکھیں اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر"(سورۃ النّور: 31) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کے بالائی حصہ پر اوڑھنیاں ڈالیں جس سے سر، گردن اور سینہ ڈھک جائے، اور جسم کے نچلے حصے کے بارے میں حکم دیا: (يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ) "اوپر چادر کے پلّو لٹکا لیا کریں"(سورۃ الاحزاب: 59)۔ اس کا مطلب ہے جب گھر سے باہر جائیں تو اپنے لباس کے اوپر اس طرح کپڑا ڈال لیں کہ سر سے گرتا ہوا پیروں تک پہنچ جاتا ہو۔ جہاں تک یہ لباس کس قسم کا ہونا چاہیے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) "اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے"(سورۃ النّور: 31)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جسم کی زینت جو مثلاً کانوں، ہاتھوں اور پیر کی پنڈلیوں وغیرہ سے ظاہر ہوتی ہے، وہ چھپ جائے سوائے اس کے جو، اِس آیت کی رُو سے، عموماً ظاہر رہتی تھی یعنی ہاتھ اور چہرہ۔ اس بات کو نہایت تفصیل سے بیان کر دینے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خانگی زندگی کے باہر عورت کا لباس کیا ہونا چاہئے۔ امّ عطیہ سے مروی حدیث نہایت صراحت سے واضح کرتی ہے کہ عورت کے لئے گھر سے باہر جاتے وقت ایسا جلباب کا پہننا لازمی ہے جس سے اُس کا گھریلو لباس ڈھک جاتا ہو۔ جب اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ عورت کیا کرے جسے ایسا جلباب میسر نہ ہو تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ اپنی بہن سے مستعار لے کر پہن لے۔ یعنی ایسا لباس نہ ہونے کی شکل میں حکم یہ ہے کہ کسی سے اُدھار لے کر پہنا جائے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر اُدھار بھی نہ مل سکتا ہو تو پھر عورت کے لئے باہر نکلنا ہی درست نہیں رہا۔ یہ اِس بات پر قرینہ ہوا کہ اِس حدیث کا حکم فرض کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا گھر سے باہر جاتے وقت عورت کے لئے یہ فرض ہوا کہ وہ اپنے عام

لباس کے اوپر جلباب پہنا کرے۔

جلباب کے لئے لازمی ہے کہ یہ جسم کے نچلے حصے تک پہنچے اور قدموں کو چھپالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یُدْنِینَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیبِهِنَّ) کہ عورتیں اپنے اوپر چادر کے پلّو لٹکا لیا کریں، (سورۃ الاحزاب: 59)۔ یعنی وہ اپنے جلباب اپنے اوپر اوڑھ لیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ آیت میں لفظ مِنْ سے مراد جزو کی تخصیص نہیں بلکہ یہ اشارہ بیانی ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنے جلباب کو اوڑھ کر اسے نیچے تک لائیں کیونکہ جیسا ابن عمر سے ترمذی میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (من جرَّ ثوبه خیلاء لم ینظر الله إلیه یوم القیامة، فقالت أم سلمة: فکیف یصنع النساء بذیولهن؟ قال: یرخین شبراً، قالت؟ إذاً تنکشف أقدامهن. فیُرْخِینهُ ذراعاً لا یزدن علیْهِ) "جو کوئی اپنا لباس اپنے پیچھے زمین پر گھسیٹتا ہوا رکھے، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس کی جانب اپنی نظر کرم نہ فرمائے گا۔ اِس پر اُمّ سلمہ نے عرض کیا کہ عورتیں اپنے لباس کے پائنچوں کا کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک بالشت سے زیادہ نہ رکھیں۔ اِس پر اُمّ سلمہ نے پھر عرض کیا کہ اس طرح تو اُن کے قدم ظاہر ہوں گے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک ہاتھ بڑھالیں لیکن اِس سے زیادہ نہیں"۔ یہ حدیث ترمذی نے روایت کی اور حسن صحیح ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کپڑا جو اپنے عام لباس کے اوپر پہنا جائے، وہ نیچے تک پہنچے اور قدموں کو ڈھک لے اور اگر قدم موزوں یا جوتوں سے چھپے ہوئے ہوں تو یہ فعل اس حکم کا نعم البدل نہیں ہو گا اور اُس اوپری لباس کا نیچے تک لٹکنا لازمی باقی رہے گا، البتہ اگر جوتے یا موزوں سے قدم چھپے ہوں پھر اس اوپری لباس سے اِن کا مزید ڈھکنا ضروری نہیں تاہم لازمی ہے کہ اوپری لباس کا نیچے تک پہنچنا نظر آتا ہو تاکہ یہ پہچان ہو سکے کہ یہ لباس گھر سے باہر نکلتے وقت پہننے کا لباس ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اُس حکم کی رعایت ہوتی ہو جو سورہ الاحزاب میں دیا، یعنی (یُدْنِیْنَ) یعنی کہ عورتیں اپنے اوپر چادر کے پلّو لٹکا لیا کریں۔

اِن تمام سے واضح ہوا کہ گھر سے باہر نکلتے وقت عورت کے لئے اپنے عمومی گھریلو لباس کے اوپر ایک ڈِھیلا لباس یا جلباب پہننا لازمی ہے، اور اگر اس کے پاس ایسا لباس دستیاب نہ ہو اور اسے گھر کے باہر جانا ہو، تو یہ ضروری ہے کہ وہ ایسا لباس اپنی بہن یعنی مسلمان خاتون سے اُدھار لے کر پہن لے۔ پھر اگر ایسا لباس اسے مستعار بھی میسر نہ آئے تو وہ گھر کے باہر اُس وقت تک نہ جائے جب تک ایسا جلباب اسے نہ مل جائے۔ اور اگر وہ اپنی پوری ستر چھپا کر لیکن اس کے اوپر جلباب پہنے بغیر گھر کے باہر

نکلے، تو وہ گنہگار ہو گی کیونکہ گھر کے باہر جانے کے لئے ایسا ڈھیلا جلباب کا پہننا فرض ہے اور اس کا نہ پہننا اس فرض کی خلاف ورزی ہو گی جو اللہ کے نزدیک گناہ ہے اور ریاستِ اسلامی کی جانب سے اس پر تعزیری سزا ہو گی۔

اب مرد کا عورت پر نگاہ ڈالنے اور عورت کا مرد پر نگاہ ڈالنے کے حوالے سے دو مسئلے باقی رہے؛ پہلا مسئلہ اجنبی مردوں کا اہلِ خانہ کی اجازت سے گھروں میں داخلہ اور اُن مردوں کا اُس گھر کی خواتین کو اُن کے عمومی گھریلو لباس میں دیکھنا جس میں اُن عورتوں کے ہاتھ اور چہروں کے علاوہ بدن کے دیگر اعضاء نظر آتے ہیں۔ اور دوسرا مسئلہ اُن غیر مسلم اور مسلم خواتین کا ہے کہ جب وہ گھروں سے باہر ہوں اور ان کے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ بھی جسم کی دیگر اعضاء نظر آئیں۔ یہ دونوں معاملات موجودہ دور کے حقائق ہیں اور اِن کا مسلمانوں کے لئے بلاشبہ ایک آزمائش اور مصیبت ہونا بھی حقیقت ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اِن سے متعلق شرعی حکم بیان کر دیا جائے۔

پہلا مسئلہ تو اُن قریبی رشتہ داروں اور بھائیوں کا ہے جو خواتین کے ساتھ ایک ہی گھر میں آباد ہوں جہاں ایک دوسرے کی بیویاں اِن لوگوں کے سامنے اپنے گھریلو لباس میں سامنے آتی ہوں جن میں اُن کے بال، گلہ، ہاتھ اور پیروں کے نچلے حصے اور وہ کچھ جو عام گھریلو لباس نہیں چھپاتا، وہ ظاہر ہوتے ہیں۔ اس صورت میں عورت کے نسبتی برادران یعنی دیور وغیرہ دیگر غیر محرم خواتین کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح اُس کے بھائی، والد اور دوسرے محرم دیکھتے ہیں، جبکہ حقیقت میں نسبتی برادران کسی بھی غیر کی مانند غیر محرم ہی ہوتے ہیں۔ پھر اسی طرح اور رشتہ دار جیسے چچازاد یا ماموں زاد بھائیوں کا اُس گھر میں آنا جانا ہوتا ہے اور دوسرے غیر محرم رشتہ دار اور غیر رشتہ دار بھی گھر آتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ان عورتوں کو سلام کرتے ہیں اور پھر اُن کے ساتھ بیٹھتے ہیں جبکہ وہ خواتین اس وقت اپنے عام گھریلو لباس میں ہوتی ہیں جن میں اُن کے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ دیگر اعضاء بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسے اُن کے بال، گلہ ہاتھ اور پیر کے نچلے حصے۔ اس وقت اِن غیر محرم مردوں کا اِن رشتہ دار عورتوں کے ساتھ سلوک عین اس طرح ہوتا ہے جیسے وہ اِن کے محرم ہوں۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ صورتِ حال نہایت عام ہے اور زیادہ تر مسلمان اس میں نہ صرف جکڑے ہوئے ہوتے ہیں، بلکہ اسے مباح (جائز) خیال کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت پر صرف وہی نظر جائز رکھی ہے جو اُن کے شوہروں کی ہو یا اُن نوکروں کی جو شہوت والے نہ ہوں (غیر اولی الاربۃ)۔ اس کے علاوہ عورت پر حرام ہے کہ وہ اپنے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ اعضاء دیگر

مردوں کے سامنے کھلے رکھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت پر نگاہِ شہوت اور اُس کی زینت کے اظہار کو حرام قرار دیا اور پھر اس تحریم میں شہوت کی نظر سے صرف شوہر کو مستثنیٰ رکھا نیز اُس کی زینت پر نگاہ صرف اُن بارہ اصناف کے رشتوں کے لئے اور اُن جیسوں کے لئے حلال رکھی جیسے سگے چچا یا ماموں اور باقی مردوں کے لئے عورت کے ہاتھ اور چہرے کے سوا اور زینت پر نگاہ کو حرام رکھا۔ لہٰذا لذّت اور شہوت کی نظر صرف شوہر کے لئے حلال ہے اور باقی تمام مردوں کے لئے مطلقاً حرام؛ پھر ہاتھ اور چہرے پر بے شہوت نگاہ مطلقاً حلال رکھی؛ اور ہاتھ اور چہرے کے سوا نگاہ کو سوائے اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ محرموں اور اُن جیسوں کے، مطلقاً حرام رکھا۔

اب تک نصوصِ شریعت میں وارد اُن احکام کا بیان ہوا جو حیاتِ عامہ (گھر سے باہر) سے متعلق ہیں، جہاں تک خانگی (گھر کے اندر) زندگی کا معاملہ ہے تو شارع نے عورت کے لئے مباح رکھا کہ اس کے ہاتھ اور چہرے کے علاوہ اور اعضاء بھی ظاہر ہو سکتے ہیں جو عمومی طور پر کام کے دوران کھلے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ) -"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لازم ہے کہ تم سے وہ اجازت طلب کریں جو تمہارے غلام ہیں اور تم میں سے وہ بچے بھی جو عقل و شعور کو نہ پہنچے ہوں؛ تین اوقات میں، نمازِ فجر سے پہلے، اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتار دیتے ہو، اور نمازِ عشاء کے بعد"(سورۃ النّور:58)۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے نابالغ لڑکوں اور غلاموں کیلئے یہ حکم رکھا ہے کہ اِن تین اوقات میں عورتوں کے پاس جانے سے ممانعت فرمائی اور اِن تین وقتوں کے علاوہ اُن کے پاس جانے کی اجازت دی جو سابقہ آیت کے بعد وارد ہوئی ہے، فرمایا:(ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ) "یہ تین اوقات تمہاری بے پردگی کے ہیں، اِن اوقات کے بعد تم پر اور اِن پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہو" (سورۃ النّور:58)۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ اِن تین اوقات کے علاوہ نابالغ لڑکے اور غلام، گھر کی خواتین کے پاس بغیر اجازت طلب کئے آجاسکتے ہیں جبکہ یہ خواتین اپنے گھریلو لباس میں ہوتی ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عورتیں اپنے گھر میں اپنے

عمومی کام کے لباس میں رہ سکتی ہیں اور نابالغ لڑکوں اور غلاموں کے سامنے آسکتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس طرزِ عمل پر وہ گنہگار نہیں ہوتیں۔ نابالغ لڑکوں اور غلاموں کے لئے جائز ہے کہ وہ گھروں میں اجازت طلب کئے بغیر داخل ہوں جبکہ خواتین اس لباس میں ہوتی ہیں۔ البتہ اُن تین متعین اوقات میں اجازت طلب کرنے کی شرط رکھی ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نوکروں کو بھی غلاموں پر قیاس کیا جائے گا (کہ انہیں بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں) اس علت کی بناپر پر کہ وہ بھی گھر وں میں آتے جاتے رہتے اور عورتوں کے آس پاس ہوتے ہیں؛ کیونکہ یہ علت، علتِ قاصرہ (non-extendable) ہے ،اس کا قاصرہ ہونا اس بات سے ظاہر ہے کہ نابالغ لڑکے جب سنِ بلوغ کو پہنچ جائیں تو اُن کے لئے بھی عورتوں کے پاس جانے سے پہلے اجازت طلب کرنا ضروری ہے گو کہ وہ بھی گھروں میں عورتوں کے آس پاس رہتے ہیں۔

جہاں تک نابالغ لڑکوں، غلاموں اور نوکروں کے علاوہ دوسرے لوگوں کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم واضح فرما دیا ہے کہ وہ خانگی زندگی میں عورتوں کے پاس جانے سے پہلے اجازت طلب کرلیں، فرمایا: (يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا) "اے ایمان والو! سوائے اپنے گھروں کے دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو" (سورۃ النّور: 27)۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں گھروں میں داخل ہونے کیلئے اجازت طلب کرنے کا حکم دیا ہے تو لفظ **استئناس** استعمال فرمایا ہے جو مانوس ہونے کے معنوں میں ہے، جس کا مفہوم یہ ہو گا کہ جب وہ اپنے ہی گھر میں داخل ہوں تو انہیں اجازت کی ضرورت نہیں۔ اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ ایک انصاری خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، میں اپنے گھر میں اس حالت میں رہتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ کوئی بھی مجھے اس حالت میں دیکھے، نہ میرے والد نہ بیٹے۔ لیکن میرے والد بغیر اجازت گھر میں داخل ہو جاتے ہیں اور میرے رشتہ دار مرد بھی آتے رہتے ہیں جبکہ میں اسی حالت میں ہوتی ہوں، سو میں کیا کروں؟ اس وقت اجازت حاصل کرنے کا یہ حکم نازل ہوا۔ اگر آیت کے منطوق (الفاظ) پر اس آیت کے سببِ نزول کا اطلاق کیا جائے تو مفہوم یہ ہو گا کہ خانگی زندگی میں مسئلہ عورت کے ستر کے ڈھانکنے یا نہ ڈھانکنے کا نہیں ہے بلکہ موضوع عورت کے گھریلو لباس کا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حکم یہ نہیں دیا کہ عورت خانگی لباس زیبِ تن نہ کرے، یا خود کو پردے میں رکھے؛ بلکہ حکم یہ دیا کہ مرد اُس گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت طلب کریں، تاکہ اس وقت عورت اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا

اپنے ستر کو غیر محرم سے چھپا سکے کیونکہ سببِ نزول کے پس منظر میں یہ اجازت طلب کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ عورت اپنا ستر ڈھانک سکے۔ ایسی صورت میں اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ مرد محرم ہیں یا غیر محرم، اجازت بہر حال ضروری ہے۔

جہاں تک مرد کا عورت کو اس کے گھریلو لباس میں دیکھنے کا معاملہ ہے، تو یہ ایک الگ مسئلہ ہے کیونکہ یہ نگاہ سے متعلق ہے، پھر یہ خانگی زندگی میں ہو یا عمومی زندگی میں۔ اللہ تعالیٰ نے غیر محرم مردوں پر عورت کے ہاتھ اور چہرے کے سوا دیگر اعضاء پر نگاہ کو حرام قرار دیا ہے اور محرم کیلئے اس کا جواز رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ چہرے اور ہاتھ کے سوا نگاہ نہ پڑنے دیں اور اپنی نظریں جھکالیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اچانک نظر پڑ جانے کو جائز رکھا ہے جبکہ یہ نظر بھر کے دیکھنا نہ ہو۔ ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ پر نگاہ ڈالنے کی حرمت تو نہایت صریح اور واضح ہے۔ اس کے سوا کسی حصے پر نگاہ پڑنے پر نظر کو جھکا لینا، اللہ تعالیٰ کے اس قول سے واضح ہوتا ہے، فرمایا: (قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ) "اور مؤمن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں قدرے جھکالیں" (سورۃ النّور: 30)۔ یہاں اپنی نگاہ جھکانے سے مراد، ہاتھوں اور چہرے کے سوا دیگر اعضاء سے نگاہ ہٹانا ہے، جبکہ ہاتھ اور چہرے پر نظر پڑنے کے جائز ہونا دلائل سے معلوم ہے۔ بخاری میں منقول ہے کہ سعید ابن ابوالحسن نے الحسن سے کہا کہ "عجم کی خواتین اپنے سینے اور سر کھلے رکھتی ہیں"۔ الحسن نے جواب دیا کہ "تم اپنی نگاہ کو جھکالو"۔ ایک حدیث میں سڑک کے کنارے بیٹھنے کی ممانعت سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (غض البصر) "اپنی نگاہیں جھکالو" (متفقہ علیہ)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ عورتیں سڑکوں پر اپنے ہاتھوں اور چہرے کے ماسوا دیگر اعضاء کو ظاہر کرتی ہوں، تو مردوں کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں جھکالیں اور قطعاً نہ دیکھیں۔ جب اللہ نے نگاہ ڈالنے کو حرام قرار دیا تو انھوں نے ہاتھوں اور چہرے کے سوا نگاہ ڈالنے کو حرام قرار دیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ حرام وہ نگاہ ہے جو جان بوجھ کر یا قصداً ڈالی جائے۔ جہاں تک اس نگاہ کا تعلق ہے جو اتفاقاً پڑ جائے، تو اللہ نے اتفاقی نگاہ کو حرام قرار نہیں دیا اور نہ اس سے پرہیز بتایا بلکہ نگاہیں جھکالینے کا حکم دیا ہے، فرمایا کہ: (يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ) " اپنی نظریں قدرے جھکالیں" (سورۃ النّور: 30)۔ اس آیتِ مبارکہ میں لفظ 'مِن' تبغیضیہ (partative) ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مرد اپنی نگاہیں (مکمل نہیں بلکہ) قدرے نیچی جھکالیں نیز اس سے جزوی اور غیر اِرادی طور پر نگاہ کے پڑ

جانے کے جواز کا مباح ہونا معلوم ہوتا ہے نہ کہ جانتے بوجھتے نگاہ ڈالنے کے جواز کا۔

اب رہا وہ دوسرا مسئلہ کہ جب سے مسلم ممالک کو مغربی تہذیب کی یلغار کا معاملہ پیش آیا اور مسلم ممالک پر کفر کے نظام مسلّط ہوگئے، تو غیر مسلم خواتین نیم برہنہ لباس میں گھروں سے باہر نکلنے لگیں جہاں اُن کے سینے، پیٹھ، بال، کلائیاں اور کہنیاں اور پنڈلیاں کھلی رہتی ہیں۔ بعض مسلم خواتین نے بھی اُن کی اس رَوِش کی تقلید کی اور ایک مرد کیلئے سڑک اور بازاروں میں مسلم اور غیر مسلم عورت میں تمیز کرنا ناممکن ہوگیا۔ مسلم مرد نہ تو خود اس منکر کو ختم کرنے کی استطاعت رکھتے تھے اور نہ ایسے شہروں میں رہتے ہوئے وہ عورت کے کھلے ستر پر نظر پڑنے سے محفوظ رہ سکتے تھے کیونکہ جس طرزِ زندگی میں وہ رہتے تھے یا جن عمارتوں میں وہ بستے تھے، وہاں عورت کے کھلے ستر پر نگاہ کا پڑنا ناگزیر تھا۔ ایسی صورتِ حال میں مردوں کیلئے عورتوں کی کلائیاں، اُن کے سینے، پیٹھ، بال اور پنڈلیوں پر نظر پڑنے سے محفوظ رہنا محال ہوگیا تھا اِلّا یہ کہ وہ اپنے گھر ہی بیٹھے رہیں، جو کہ ظاہر ہے ممکن نہیں ہے کیونکہ اسے لوگوں سے ملنا ہوتا ہے، خرید و فروخت اور دیگر معاملات نمٹانے ہوتے ہیں اور اِن کیلئے اپنے گھروں سے باہر عورت کی ستر پر نگاہ پڑنے سے محفوظ رہنا دشوار تھا۔ لیکن بہر حال کتاب و سنت کی رُو سے ایسی نظر اُس پر ہے، ایسے میں وہ کیا کرے؟ اس کے دو ہی راستے ہو سکتے ہیں:

پہلا تو یہ کہ سڑکوں اور بازاروں میں اچانک نگاہ کا پڑ جانا۔ ایسی پہلی نظر معاف ہوتی ہے اور اُس شخص پر اب لازم ہوتا ہے کہ وہ اِس نظر کو نہ دہرائے کیونکہ جیسا کہ مسلم میں جریر ابن عبد اللہ سے مروی حدیث میں آتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ **(سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نظرة الفجاءة فأمرني أن أصرف بصري)** "میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نگاہ کے پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے مجھے نگاہ جھکا لینے کا حکم دیا (مسلم)۔ نیز مسند احمد میں بریدہ کے حوالہ سے علی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **((لا تتبع النظرة النظرة فإنما لك الأولى وليست لك الآخرة))** "اپنی پہلی نگاہ پڑ جانے کے بعد دوبارہ نظر نہ ڈالو، پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے جبکہ دوسری نظر جائز نہیں!"

دوسری وہ حالت کہ جہاں مرد کسی ایسی غیر محرم خاتون سے گفتگو کر رہا ہو جس کا سر اور بال کھلے ہوئے ہوں اور

دیگر کچھ اعضاء بھی بے پردہ ہوں اور اسے اِنھیں کھلا رکھنے کی عادت ہی ہو، تو ایسے میں اُس مرد کو چاہئے کہ وہ اپنی نگاہیں ہٹائے اور جھکائے رکھے جیسا کہ بخاری میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (**كان الفضل رديف رسول الله- فجاءت امرأة من خثعم فجعل الفضل ينظر إليها وتنظر إليه وجعل النبي- يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر**) کہ "فضل بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے کہ بنی خثعم کی ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اُن کی طرف دیکھنے لگے اور وہ فضل رضی اللہ عنہ کی جانب دیکھنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فضل رضی اللہ عنہ کی گردن کا رخ دوسری جانب پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (**قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ**) "اور مؤمن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں قدرے نیچی رکھیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی" (سورۃ النّور:30)۔ نظر کو جھکانے سے مراد اسے کم کرنا (unfocus) کرنا ہے۔ اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ مرد کو جب ایسی عورت سے گفتگو کرنا لازمی ہو یا سفر کے دوران یا گرمی کے وقت کھلی جگہ میں بیٹھنا ہو جائے وغیرہ، تو وہ اپنی نگاہ کو کم رکھے۔ یہ ایسی ضروریات ہیں جن کا مرد کو اپنی عمومی زندگی میں سامنا ہوتا ہے جہاں وہ نہ ایسی صورت سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی کھلے ستر کی اس ابتلاء سے بچ سکتا ہے۔ اُس کیلئے یہ راستہ ہے کہ وہ اِس آیتِ مبارکہ کے مطابق اپنی نگاہ جھکائے (کم) رکھے۔ اس کے علاوہ مرد کیلئے مطلقاً اور کچھ جائز نہیں۔

یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مرد کیلئے یہ بلا ناگزیر ہے اور اس میں مبتلا ہونے سے بچ پانا محال ہے۔ ایسا تصوّر ہی خلافِ شریعت ہے کیونکہ بلا اور وبا کے عام ہو جانے کی صورت میں نہ تو حرام کو حلال کیا جاسکتا ہے اور نہ حلال کو حرام۔ نہ ہی یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسی خواتین ایمان سے باہر ہیں چنانچہ اُن کے ساتھ کنیزوں والا معاملہ کیا جانا چاہئے اور اُن کا ستر کنیز لڑکیوں کے ستر کی طرح ہو گا۔ یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث کا متن عورت کیلئے عام ہے نہ کہ مسلم عورت کیلئے مخصوص۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إن الجارية إذا حاضت لم يصلح أن يُرى منها إلا وجهها ويداها إلى المفصل**) "جب کسی لڑکی کو حیض آنے کی عمر ہو جائے، تو اُس کے جسم میں سے چہرے اور ہاتھوں کے سوا کچھ دکھنا صحیح نہیں ہے"۔ یہ حدیث عورت پر نظر ڈالنے کی حرمت میں عام ہے پھر وہ عورت خواہ مسلمہ ہو یا غیر مسلمہ، ہر حال میں نگاہ ڈالنا حرام ہی رہے گا۔ کافر عورت کو کنیز کے ستر کے حکم پر قیاس نہیں کیا جائے گا کیونکہ ایسے قیاس کا کوئی جواز نہیں۔

ایسی صورت میں کہ جب مردوں کو ایسے گھروں میں جانا ہو جہاں نامحرم عورتیں ہوں تو اُن پر لازم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو جھکائے رکھیں اور اُن خواتین کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا اُن کی نگاہ نہ پڑے۔ شہروں میں رہنے والے مرد جنہیں معاشرے میں اپنے خرید فروخت وغیرہ کے کاموں سے نمٹنے کیلئے ایسی غیر مسلم خواتین سے گفتگو کرنا پڑتی ہے جن کا ستر کھلا ہوتا ہے، اُنھیں چاہئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو اُس وقت جھکائے رکھیں نیز اپنی ملاقاتوں کو صرف ضرورت تک ہی محدود رکھیں۔

یہ موضوع تو نگاہ کے حوالہ سے تھا، جہاں تک ہاتھ کے مصافحہ کا تعلق ہے تو اس کی اجازت ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں اُم عطیہ سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ (**بايعنا النبي- فقرأ علينا أن لا يشركن بالله شيئاً ونهانا عن النياحة، فقبضت امرأة منا يدها**) "ہم نے نبی ﷺ سے بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی۔ اور آپ ﷺ نے ہمیں نوحہ وزاری کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا..." ظاہر ہے کہ بیعت مصافحہ کے ذریعہ ہوتی تھی اور اس خاتون نے بیعت کیلئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور پھر پیچھے کھینچ لیا۔ اور (**فقبضت امرأة منا يدها**) "ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا" کا مفہوم یہ بھی ہوا کہ باقی خواتین نے اپنے ہاتھ نہیں کھینچے اور مصافحے کے ذریعے بیعت کی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے: (أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ) "یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو (سورۃ النساء: 43)۔ اس آیت میں عورتوں کا لفظ عام ہے جس میں تمام عورتیں شامل ہیں جنہیں چھو لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور یہ حکم کہ عورتوں کو چھو لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے صرف وضو کے ٹوٹنے تک محدود ہے، اور اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ بغیر شہوت چھونا حرام نہیں پس اسی طرح مصافحہ بھی حرام نہیں۔ پھر مزید یہ کہ عورت کا ہاتھ اُس کے ستر کا حصہ نہیں ہے اور اس پر بغیر شہوت کی نگاہ حرام نہیں ہے، لہٰذا اس کا مصافحہ بھی حرام نہیں۔

گو کہ مصافحہ کی اجازت ہے، تاہم مصافحہ اور چومنے کی حقیقت مختلف ہے۔ ایک عورت کا غیر محرم مرد کو یا مرد کا غیر محرم عورت کو چومنا حرام ہے کیونکہ یہ زنا کا پیش خیمہ ہے۔ چومنے کی حقیقت یہی ہے کہ یہ عموماً زنا کا پیش خیمہ اور سبب بن جاتا ہے خواہ یہ بے شہوت ہو اور واقعتاً زنا تک نہ بھی لے جاتا ہو۔ ماعز رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اُنھیں پاک کر دیں کیونکہ انھوں نے زنا کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ (**لعلك قبلت**) "شاید تم نے چوما ہو گا" اِس روایت کو بخاری نے ابنِ عباس ضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چومنا درحقیقت زنا کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ وہ آیات اور احادیث جن میں زنا کی حرمت وارد ہوئی ہے، اُن میں ہر اُس چیز کی بھی حرمت شامل ہے جو زنا کا سبب بنتی ہو خواہ وہ لمس ہی ہو، اگر ایسی

چیز زنا پر منتج ہوتی ہو، جیسا کہ نوجوان لڑکے یا لڑکی کے درمیان ہوتا ہے۔ ایسا ہر پیش خیمہ حرام ہے، خواہ اگر سفر سے آنے والے کا خیر مقدم کرنے کیلئے اُسے چوما جائے کیونکہ یہ لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان بوسے کے مماثل ہے جو کہ زنا کا پیش خیمہ ہے۔

مسلم خواتین کیلئے اپنا چہرہ ڈھانکنا فرض نہیں ہے

خواتین کیلئے حجاب یا نقاب سے اُن کا چہرہ اس طرح ڈھانکنا کہ اُن کی آنکھوں کے سوا پورا چہرہ چھپا رہے، یہ ایک اسلامی تصوّر اور رائے ہے جس کی بعض مسلکوں کے مجتہد ائمہ کرام نے حمایت کی ہے۔ اسی طرح یہ قول کہ اسلام میں خواتین کیلئے نقاب فرض نہیں ہے اوران کیلئے اپنا چہرہ کبھی بھی ڈھانکنا ضروری نہیں کیونکہ چہرہ ستر کا حصہ نہیں ہے، یہ بھی اسلامی تصوّر اور رائے ہے جس کی بعض مسلکوں کے مجتہد ائمہ کرام نے حمایت کی ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ایک اہم معاشرتی معاملہ ہے اوران دونوں میں سے کسی بھی ایک رائے کو اختیار کرنے کا اثر اسلامی طرزِ زندگی پر مرتب ہو گا، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس معاملے سے متعلق تمام شرعی دلائل، اُن کا مطالعہ اور مضمرات کو سامنے رکھ دیا جائے تاکہ مسلمان اِن میں سے قوی تر دلیل کو اختیار کریں اور اسلامی ریاست تمام متعلقہ دلائل کی روشنی میں مضبوط تر رائے کی تبنی کرے۔

خواتین کے موضوع پر پچھلی نصف صدی سے بحث جاری ہے اور یہ بحثیں مغربی کفار نے مغرب سے سحر زدہ مسلمانوں میں بھڑکا رکھی تھیں جو اُن کی تہذیب کے گرویدہ اور زندگی کے بارے میں مغربی نقطۂ نظر کے شیدائی ہیں۔ اس طرح مغرب نے اسلام پر اسلام مخالف تصوّرات سے وار کیا اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر اور عقیدے میں فساد و بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی اور حجاب یا عدم حجاب کی بحث چھیڑ دی۔ علماء اور مفکرین حضرات نے مغرب کے اس حملہ کا جواب نہیں دیا اور جن لوگوں نے یہ کام کیا وہ ادیب اور تنگ نظر تعلیم یافتہ افراد تھے۔ نتیجتاً ان جوابی کاروائیوں سے مغربی تہذیب کے شیدائیوں کا موقف ہی

مضبوط ہوا کیونکہ مغربی فکر اور تصوّرات جو اسلام پر حملے کرنے اور مسلمانوں میں فساد و بگاڑ کیلئے کھڑے کئے گئے تھے، وہی موضوعِ بحث بن گئے تھے اور مسلمانوں کے اذہان میں دین سے متعلق شکوک کو جنم دیتے تھے۔ درحقیقت اس موضوع کا آغاز اسی طرح ہوا اور آج بھی اس کے اثرات باقی ہیں۔ لیکن ان بحثوں کا معیار انتہائی پست ہے اور یہ قانون سازی یا معاشرتی بحث کا درجہ حاصل نہیں کر سکتیں۔ اصل بحث صرف اس بات سے ہے کہ مجتہدین نے جو احکام شریعت کا استنباط کیا اُن کے دلائل یا شبہہ دلائل کیا ہیں، نہ کہ ادیبوں یا لکھاریوں کی رائے، مغربی ایجنٹوں کے مفروضات، دھوکے میں پڑ جانے والوں کی لفاظی اور نہ ہی مغرب زدہ افراد کے جھوٹ سے کوئی سروکار ہے۔ بحث کا موضوع تو بس وہی ہو گا جو مجتہدین نے شرعی دلائل سے استنباط کیا ہے اور قانون سازی کی بحث اسی محور پر ہو گی۔ اس کے علاوہ بعض فقہا اور مشائخ کرام کی آراء اور حجاب کے مسئلے پر اُن لوگوں کی آراء جو نقاب کے موقف کے شدّت سے حامی ہیں، وہ بھی زیرِ مطالعہ ہوں گی تاکہ اُن کے اذہان سے شکوک کا ازالہ ہو سکے۔ اس غرض سے مجتہدین کے اقوال اور دلائل سامنے رکھے جائیں گے تاکہ قوی تر قول شفاف اور واضح ہو جائے اور جو کوئی اس قول کو قوی تر تسلیم کرتا ہو، وہ اسی کے مطابق عمل کرے اور اسی کے اجراء کیلئے عمل کرے۔

جن لوگوں نے چہرے کے پردے کی حمایت کی اُن کی رائے یہ تھی کہ عورت کا ستر اُس کے ہاتھ اور چہرے کے سوا پورا بدن ہے، لیکن ایسا صرف نماز کی حالت میں ہے۔ حالتِ نماز کے سوا، اُن کے نزدیک عورت کا پورا بدن معہ چہرے اور ہاتھوں کے، اُس کی ستر ہے۔ اُنھوں نے اپنی یہ رائے قرآن و سنت کی بنیاد پر رکھی۔

جہاں تک قرآن سے سند کی بات ہے، تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ) "اور اگر تمہیں نبی ﷺ کی بیویوں سے کوئی سامان مانگنا ہو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو" (سورۃ الاحزاب:53)۔ یہ آیتِ مبارکہ پردے کے بارے میں صریح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ) "اے نبی ﷺ، کہو اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنوں کی عورتوں سے کہ وہ اپنے اوپر چادر کے پلّو لٹکا لیا کریں، یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں" (سورۃ الاحزاب:59)۔ ان اصحاب کا (اپنے اوپر چادر کے پلّو لٹکا لیا کریں) کے بارے میں موقف یہ ہے کہ عورتیں اپنے پلّو اپنے جسم اور چہرے کے اوپر لٹکا لیا کریں۔ اُن کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں خواتین وہی

ایّام جاہلیت کے طور طریقہ پر عمل کرتیں تھیں اور بے ڈھنگے پن سے کرتا اور خمار پہن لیا کرتی تھیں جس سے ایک آزاد عورت اور ایک کنیز میں تمیز نہیں ہوتی تھی۔ کنیز لڑکیاں رات کے وقت جب رفع حاجت کی غرض سے کھجوروں کے درختوں کی جانب جاتیں تھیں تو مدینہ کے بھٹکے ہوئے آوارہ نوجوان اُنھیں چھیڑتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ یہ لڑکے آزاد عورتوں کو چھیڑ دیتے اور بہانا کرتے کہ ہم نے اُنھیں کنیز سمجھا تھا۔ لہٰذا آزاد خواتین کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے لباس کنیزوں سے مختلف رکھیں اور اپنے اوپر ایک ڈھیلا لباس (اردیہ) اور ملاحف پہنیں جس سے اُن کا سر اور چہرہ چھپ جائے اور وہ باحیا نظر آئیں اور ایسے اوباش لڑکے اُن سے دور رہیں۔ یہ طریقہ زیادہ مناسب تھا کہ ایسی عورتیں پہچان لی جائیں اور چھیڑی نہ جائیں۔ اِس موقف کے حامیوں میں سے بعض کا کہنا ہے کہ اس آیت میں (لا) یعنی نفی محذوف ہے جس سے مراد یہ ہوگی کہ یہ طریقہ بہتر ہے تاکہ خوبصورت اور بدصورت میں تمیز نہ ہو اور وہ چھیڑی نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى) "اور اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور سابقہ دورِ جاہلیت کی طرح اپنی سج دھج دکھاتی نہ پھرو" (سورۃ الاحزاب:33)۔ اس طرح اُن کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو گھروں میں رہنے کا جو حکم دیا ہے جو اُن کے حجاب کی دلیل ہے۔

سنتِ نبوی سے اُن کی رائے کی بنیاد اس دلیل پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (المراة عورة) "عورت کا پورا جسم اس کا ستر ہے"، اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں عبد اللہ ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی دلیل ہے جو ام سلمہ سے ترمذی میں مروی ہے کہ (إذا كان لإحداكنّ مكاتَب فملك ما يؤدي فلتحتجب منه) "اگر تمہارے پاس ایسا خادم غلام ہو جو خود کو آزاد کرانا چاہتا ہو اور اس کے پاس اپنی رہائی کیلئے مال بھی ہو، تو تم اس سے پردہ کرو"۔ اس کے علاوہ ام سلمہ سے سنن ابی داؤد میں نقل ہے، وہ کہتی ہیں وہ میمونہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ ہم اُن سے پردہ کریں، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ، وہ تو نابینا ہیں دیکھ نہیں سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: (أفعمياوان أنتما لا تبصرانه) "کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، دیکھ نہیں سکتیں؟"۔ اسی طرح بخاری میں عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ (كان الفضل رديف رسول الله ﷺ فجاءت امرأة من خثعم فجعل الفضل ينظر إليها وتنظر إليه

وجعل النبي ﷺ يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر)"الفضل رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے کہ بنی خثعم کی ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ الفضل اُن کی طرف دیکھنے لگے اور وہ الفضل کی جانب دیکھنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے الفضل کی گردن کا رخ دوسری جانب پھیر دیا"۔ نیز مسلم میں جریر ابن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ (سألت رسول الله ﷺ عن نظر الفجاءة فأمرني أن أصرف بصري) "اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا تو حکم فرمایا کہ میں فوراً نظر پھیر لوں"۔ علی سے مسند احمد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا:(لا تتبع النظرة النظرة فإنما لک الاولی و لیست لک الآخرة)"اپنی پہلی نظر پڑ جانے پر دوبارہ نظر نہ ڈالو، پہلی (نادانستہ) نظر جائز ہے لیکن دوسری نہیں"۔

یہ دلائل وہ تھے جو حجاب کے قائل حضرات پیش کرتے ہیں جن کا موقف یہ ہے کہ عورت کا پورا جسم اُس کا ستر ہے۔ البتہ یہ دلائل وہ ہیں جو زیرِ بحث موضوع پر منطبق نہیں ہوتے کیونکہ یہ دلائل اس موضوع سے متعلق نہیں ہیں۔ جہاں تک آیتِ حجاب (وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ)"اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو" کی بات ہے تو ان کا عام مسلم عورتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ آیات ازواجِ مطہرات کیلئے خاص ہیں اور اِن کی مکمل تلاوت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ یہ ایک آیت کا حصہ ہے جو لفظ اور معانی کے اعتبار سے جڑی ہوئی ہے، آیت کے الفاظ یوں ہیں :(يَأَيُّهَا ٱلَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَدْخُلُواْ بُيُوتَ ٱلنَّبِيِّ إِلاَّ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَٱدْخُلُواْ فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَٱنْتَشِرُواْ وَلاَ مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى ٱلنَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِى مِنكُمْ وَٱللَّهُ لاَ يَسْتَحْيِى مِنَ ٱلْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَٱسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُواْ رَسُولَ ٱللَّهِ وَلاَ أَن تَنكِحُوٓاْ أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَداً إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِندَ ٱللَّهِ عَظِيماً)- "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے پر بلایا جائے اور نہ کھانے کا وقت تاکتے رہا کرو۔ ہاں جب تمہیں بلایا جائے تو ضرور جاؤ۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتیں کرنے کیلئے بیٹھے نہ رہا کرو۔ یقیناً تمہاری یہ حرکتیں نبی ﷺ کو تکلیف دیتی ہیں مگر وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے، لیکن اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ اور اگر تمہیں نبی ﷺ کی بیویوں سے کوئی سامان مانگنا ہو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے اور اُن کے دلوں کی پاکیزگی کیلئے زیادہ مناسب ہے، اور

تمہارے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی بیویوں سے اُن کے بعد کبھی نکاح کرو، بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔(سورۃ الاحزاب:53)۔ چنانچہ یہ آیتِ مبارکہ ازواجِ مطہرات کے بارے میں ہے اور اُن ہی کیلئے خاص ہے، اس کا عام مسلم خواتین سے کوئی تعلق نہیں۔ اس آیت کے عام مسلم عورتوں سے کوئی تعلق نہ ہونے کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں، (**كنت آكل مع النبي ﷺ حيساً في قصعة، فمر عمر فدعاه فأكل، فأصابت أصبعه أصبعي، فقال عمر: أواه، لو أُطاع فيكن ما رأتكن عين، فنزل الحجاب**)"وہ نبی ﷺ کے ساتھ برتن سے حیس کھا رہی تھیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا اور نبی ﷺ نے اُنھیں بھی کھانے پر بلایا تو وہ آگئے اور کھانے لگے اور اُن کی انگشت میری انگشت سے لگی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میری رائے سنی جائے تو آپ لوگوں کو کوئی نہ دیکھ پائے۔ اس کے بعد حجاب کی آیت نازل ہوئی"۔ نیز بخاری ہی میں عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ،(**قلت: يا رسول الله، يدخل عليك البَرُّ والفاجر فلو حجبت أمهات المؤمنين. فأنزل الله آية الحجاب**) "اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ ﷺ کے پاس نیک اور فاجر دونوں ہی قسم کے لوگ حاضر ہوتے ہیں، مناسب ہے کہ آپ امہات المؤمنین کو پردے میں رکھیں۔ اس کے بعد حجاب کی آیت نازل ہوئی"۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا گزر مسجدِ نبوی میں ہوا جہاں امہات المؤمنین دیگر خواتین کے ساتھ بیٹھی تھیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (**إن احتجبتن فإن لكن على النساء فضلاً، كما أن لزوجكن على الرجال الفضل، فقالت زينب رضي الله عنها: يا ابن الخطاب، إنك لتغار علينا والوحي ينزل في بيوتنا، فلم يلبثوا يسيراً حتى نزلت**)"اگر آپ (امہات المؤمنین) باحجاب رہیں تو یہ دیگر عورتوں پر آپ کی فضیلت ہے جیسے آپ کے شوہر باقی مردوں پر افضل ہیں۔ زینب نے کہا: اے ابن خطاب، آپ کو ہماری بہت فکر ہے جبکہ وحی تو ہمارے ہی گھروں میں نازل ہوتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد زیادہ مدّت نہ گزری تھی کہ حجاب کی آیت نازل ہوئی"۔ لہٰذا واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ آیت اور یہ احادیث امہات المؤمنین کیلئے خاص ہیں اور دیگر خواتین کے بارے میں نازل نہیں ہوئیں۔

اسی طرح گھروں میں ٹکے رہنے والی آیتِ مبارکہ (وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ) بھی ازواجِ مطہرات کیلئے خاص ہے، یہ مکمل

آیت یوں ہے:(يٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِنِ ٱتَّقَيْتُنَّ فَلاَ تَخْضَعْنَ بِٱلْقَوْلِ فَيَطْمَعَ ٱلَّذِى فِى قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً - وَقَرْنَ فِى بُيُوتِكُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَاهِلِيَّةِ ٱلأُولَىٰ وَأَقِمْنَ ٱلصَّلواةَ وَآتِينَ ٱلزَّكواةَ وَأَطِعْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ ٱلرِّجْسَ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً)"اے نبی کی بیویوں!تم میں سے جو کھلی فحش حرکت کا ارتکاب کرے گی تو اسے دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ بات اللہ کیلئے بہت آسان ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبردار بن کر رہے گی اور نیک اعمال کرے گی، ہم اسے اس کا اجر بھی دہرا دیں گے اور ہم نے اُس کیلئے رزقِ کریم مہیّا کر رکھا ہے۔ اے نبی ﷺ کی بیویوں! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو، لہٰذا اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو اس طرح کہ کوئی ایسا شخص جس کے دل میں خرابی ہو، لالچ میں پڑ جائے۔ بلکہ صاف اور سیدھے طریقہ سے بات کیا کرو۔ اور اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور سابقہ دورِ جاہلیت کی طرح اپنی سج دھج دکھاتی نہ پھرو۔ اور نماز قائم کرتی رہو، زکوۃ دیتی رہو اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی، اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے"۔ (سورۃ الاحزاب:33-32)۔اس طرح یہ بات نہایت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ امہات المؤمنین کے حوالے سے نازل ہوئی اور اس کا خطاب خاص کر اُن ہی سے ہے، جیسا کہ آیت میں آیا، (يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ)"اے نبی ﷺ کی بیویوں! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو"۔ اس فقرے سے بڑھ کر واضح اور بلیغ کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت ازواجِ مطہرات کیلئے ہی خاص ہے۔ بہر حال چہرے کے حجاب کے قائل لوگ جو (وَقَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ) "اور اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو" سے استدلال کرتے ہیں، ان کیلئے یہی بات اگلی آیت سے بھی مستحکم ہو جاتی ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کیلئے خاص ہے۔ جس میں (تَطْهِيرًا) رجس ہٹا کر پاکیزہ کرنے کی بات کہی گئی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں،(وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا) "اور تمھارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا خبر دار ہے"(سورۃ الاحزاب:34)۔

لہٰذا یہ دونوں آیتیں ازواجِ مطہرات کیلئے ہی خاص ہیں اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ ازواجِ مطہرات کے سوا عام مسلم خواتین کیلئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جو ازواجِ مطہرات ہی کیلئے خاص ہیں جیسے، (وَلاَ أَن تَنكِحُوٓاْ

أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَداً) "کہ اُن کی بیویوں سے اُن کے بعد کبھی نکاح نہ کرو" (سورۃ الاحزاب:53)۔ ازواجِ مطہرات کیلئے جائز نہیں رکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد پھر نکاح کرلیں جبکہ عام مسلم خواتین کیلئے اپنے شوہروں کی موت کے بعد نکاح کرنا جائز رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حجاب کی دونوں آیاتِ مبارکہ امہات المومنین کیلئے خاص ہوئیں بالکل اسی طرح جیسے اس آیت میں اُن کیلئے رسول اللہ ﷺ کے بعد پھر نکاح کرنا ممنوع ٹھہرا۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں الفاظ کے عام معانی مراد ہے نہ کہ اُن کے خاص سبب سے، اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ آیت کا سببِ نزول ازواجِ مطہرات ہیں تاہم معانی کے اعتبار سے یہ عام ہیں اس لئے ان کا اطلاق ازواج مطہرات کے ساتھ ساتھ دوسری خواتین پر بھی ہوگا۔ یہ استدلال اس لئے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہاں ایک واقعہ سببِ نزول ہے اور ازواجِ مطہرات وہ واقعہ نہیں ہیں بلکہ یہ معاملہ ایک مخصوص آیت کے متن کا ہے جو معین افراد کیلئے وارد ہوئی جو کہ ازواجِ مطہرات ہیں۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، (يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ) "اے نبی ﷺ کی بیویوں! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو"۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مزید کہا کہ، (وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا) "اگر تمہیں نبی ﷺ کی بیویوں سے کوئی سامان مانگنا ہو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو"۔ یہاں لفظِ هُنَّ کا ضمیر (Pronoun) ازواجِ مطہرات کیلئے ہے نہ کہ کسی اور کیلئے۔ پھر اس کے بعد فرمایا (وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُواْ رَسُولَ ٱللَّهِ) "اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دو" (سورۃ الاحزاب:53)۔ اس سے ہمیں اس علت کا پتہ چلتا ہے کہ کیوں ازواجِ مطہرات کو پردے (حجاب) کے پیچھے ہونا چاہیے۔ ان تمام سے واضح ہوجاتا ہے کہ اِن دو آیتوں کی نص ازواجِ مطہرات کیلئے ہی ہیں اور اُس شرعی قاعدے کا یہاں ان دو آیات پر اطلاق نہیں ہوتا جس کے تحت موضوع عموم لفظ ہوتا ہے نہ کہ خصوصیتِ سبب (**العِبْرَة بِعُمُوم اللَّفظ لا بِخُصُوص السَبَبْ**)۔

اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جو خطاب ازواجِ مطہرات کیلئے ہے وہی تمام مسلم خواتین کیلئے بھی ہے، کیونکہ مخصوص خطاب مخصوص فرد کیلئے ہو اور اس میں تمام مؤمن بھی شامل ہوں، یہ صرف اُس خطاب پر صادق آتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کیلئے ہو۔ اس قاعدے میں ازواجِ مطہرات شامل نہیں ہیں۔ لہٰذا جو خطاب رسول اللہ ﷺ کیلئے ہو، وہ تمام مسلمانوں کیلئے بھی ہے۔ لیکن جو خطاب ازواجِ مطہرات کیلئے ہو، وہ اُن ہی کیلئے مخصوص ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر

خطاب، سکوت اور فعل میں اسوۃ اور مثال ہیں اِلاّ یہ کہ وہ خطاب، فعل یا سکوت صرف آپ ﷺ کیلئے ہی مخصوص ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،(لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) "یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔(سورۃ الاحزاب:21)۔ یہ صحیح نہیں کہ ازواجِ مطہرات کو اسوہ بنالیا جائے کہ کسی فعل کو اس لئے انجام دیا جائے کہ وہ انھوں نے انجام دیا تھا یا کوئی صفت اس لئے اختیار کی جائے کہ اُن کی صفت تھی۔ ایسا صرف رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کیلئے ہی کیا جاسکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے صرف وحی پر عمل فرمایا ہے۔

اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ وہ رسول کی بیگمات ہیں اور پاک دامن ہیں اور چونکہ آیات کا نزول اُن کے گھر میں ہوا ہے، اور اُن سے حجاب کا مطالبہ ہوا ہے چنانچہ عام مسلم خواتین کیلئے یہ اور بھی بدرجہ اولیٰ ہوا کہ وہ پردے میں رہیں۔ یہ دعویٰ اِن دو اسباب کے باعث نہیں کیا جاسکتا:

پہلا: یہاں معاملہ بدرجہ اولیٰ کا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی معمولی چیز سے منع فرمادیتے ہیں اور کوئی بڑی چیز اسی حکم کے تحت بدرجۂ اولیٰ آجاتی ہے، مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، (فَلاَ تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ) "تم انھیں اُف بھی نہ کہو" (سورۃ بنی اسرائیل:23)۔ لہٰذا اس حکم کے تحت بدرجہ اولیٰ ٹھہرا کہ والدین کو نہ مارا جائے۔ اولیٰ کو مضمون کے سیاق وسباق سے سمجھا جاتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، (وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ) "اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک خزانہ امانت رکھو تو وہ تم کو ادا کردے، اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو تم کو واپس نہ دے"۔(سورۃ آل عمران:75)۔ یہاں ایک خزانہ سے کم کی مقدار کا ادا کرنا بدرجہ اولیٰ سے ہوا اور ایک دینار سے بڑھ کر ادا نہ کرنا بھی بدرجہ اولیٰ سے ہوا۔ اس کے برعکس آیتِ حجاب اس نوعیت کی نہیں کیونکہ آیتِ حجاب میں سیاق وسباق ازواجِ مطہرات کے سوا کسی اور کی جانب اشارہ نہیں کرتیں اور نہ ہی کسی اور مفہوم کی طرف اس آیت کا اشارہ ہے۔ پھر "نبی کے بیویوں" کا خطاب جامد اسم ہے جس کے کوئی اور فہم یا معنی اخذ نہیں کئے جاسکتے خاص کر اس کا مفہوم مخالفہ۔ یہ خطاب صرف اسی کے لئے ہے جس کے لئے آیا ہے اور اس کا اطلاق کسی اور پر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کا کوئی اور مطلب نکلتا ہے۔ یہاں کوئی ایسا موضوع نہیں

ہے جس پر بدرجہ اولیٰ کا اطلاق ہو، نہ الفاظ کے حوالے سے اور نہ ہی سیاق وسباق کے اعتبار سے۔

دوسرا: دوسری بات یہ کہ یہ دونوں آیتیں ایک حکم پر مشتمل ہیں جو مخصوص اشخاص کیلئے ہے جن کا مخصوص وصف بیان کیا گیا اور اب اس کا اطلاق اُن معین اشخاص کے سوا کسی اور پر مطلقاً نہیں ہو سکتا، نہ کسی ایسے پر جو اُن سے بلند تر ہو یا کسی ایسے پر جو اُن سے ادنیٰ ہو کیونکہ وصف متعین کر دیا گیا ہے جو مخصوص اشخاص کیلئے خاص وصف ہے۔ یہ حکم ازواجِ مطہرات پر اُن کی اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی ازواج ہیں جو عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں اور اس عمل سے نبی ﷺ کو ایذاء پہنچتی ہے۔

یہاں تک شرعی قاعدہ(**العِبْرَة بِعُمُوم اللَّفظ لا بِخُصُوص السَبَبْ**)، ازواجِ مطہرات کا اقتداء اور یہ تصوّر کہ جو حکم ازواج کیلئے ہے وہ دیگر مسلم خواتین کیلئے من باب اولیٰ ہوا، اِن تینوں پر بحث ہو چکی اور ثابت ہو گیا کہ ان تینوں باتوں کا یہاں پر اطلاق نہیں ہوتا تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ مذکورہ آیات ازواجِ مطہرات کیلئے ہی خاص ہیں اور اس حکم میں مسلم خواتین کسی بھی زاویے سے شامل نہیں۔ لہٰذا یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ حجاب نبی ﷺ کی ازواج کیلئے خاص ہے اور گھروں میں ٹکے رہنا بھی اُن کیلئے خاص ہے۔ اس سے اس استدلال کے صحیح ہونے کی بھی نفی ہوئی کہ حجاب تمام مسلم خواتین کیلئے حکمِ عام ہے۔

اس کے بعد جہاں تک دوسری آیت کا تعلق ہے جہاں اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا، (**يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ**) "وہ اپنے اوپر چادر کے پلّو لٹکا لیا کریں" (سورۃ الاحزاب:59)۔ اس آیت سے کسی بھی طرح چہرے کو ڈھانکنے کی دلیل نہیں ہے، نہ آیت کے لفظِ منطوق کے لحاظ سے اور نہ ہی اس مفہوم کے اعتبار سے اور نہ ہی اس میں کوئی فقرہ یا لفظ ہے جو بذات خود یا جملے کے ساتھ مل کر اس جانب اشارہ کرتا ہو کہ یہی حکم سببِ نزول ہے۔ اس آیت میں کہا گیا ہے، (**يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ**) کہ وہ اپنے اوپر چادر کے پلّو لٹکا لیا کریں۔ اس آیت میں لفظِ **"مِنْ"** خصوصیت کیلئے نہیں بلکہ ایک بیانی کیفیت ہے کہ وہ اپنی چادر اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اپنے جلباب یا چادر سے اوپر سے نیچے تک ڈھانک لیں۔ جلباب ایک باہری لباس ہوتا ہے جو کپڑوں کو ڈھانک لیتا ہے یا یہ کوئی چادر ہو سکتی ہے جو پورے جسم کو ڈھک دے۔ قاموس المحیط میں کہا گیا ہے کہ جلباب ایک سنمار یا سرداب ہے جو ایک قسم کے خواتین کے ڈھیلے لباس (gown) کی طرح ہے جس

سے پورا جسم ڈھک جائے۔ الجوہری اپنی تصنیف الصحاح میں لکھتے ہیں کہ جلباب ایک ملحاف (جس سے ڈھک لیا جائے) یا ملاءہ (چادر) ہے۔ جلباب کا لفظ حدیث میں بھی ملاءہ (چادر) کے طور پر آیا ہے جس کو عورت اپنے لباس کے اوپر اوڑھ لیتی ہے۔ ام عطیہ سے مسلم میں مروی ہے کہ ((أمرنا رسولُ الله ﷺ أن نخرجهن في الفطر والأضحى، العواتق والحيض وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلاة ويشهدن الخير، ودعوة المسلمين. قلت: يا رسول الله، إحدانا لا يكون لها جلباب. قال: لتلبسها أختها من جلبابها)) "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ عیدین کے وقت ہم اپنی کنواری جوان لڑکیوں اور حیض والی عورتوں کو اور پردہ والیوں کو لے جائیں۔ سو حیض والیاں جدا رہیں نماز کی جگہ سے اور حاضر ہوں کارِ نیک میں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں۔ ام عطیہ کہتی ہیں کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر کسی کے پاس جلباب نہ ہو تو؟ فرمایا کہ وہ اپنی بہن کا لے کر پہن لے"۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اُن کے پاس جلباب نہیں تھا جو وہ اپنے لباس کے اوپر پہن لیتیں، لہٰذا اُنھیں حکم ہوا کہ وہ اپنی کسی بہن سے مستعار لے کر اپنے لباس کے اوپر پہن لے۔ چنانچہ مذکورہ آیت کے معانی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج، اپنی بیٹیوں اور مسلم خواتین سے کہیں کہ وہ اپنے لباس کے اوپر چادر یا جلباب پہن لیں جو جسم کے نیچے تک پہنچتا ہو۔ اس کی تائید ابن عباس والی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں کہا کہ جلباب (بڑی چادر) وہ لباس ہے جو اوپر سے نیچے تک ڈھک لیتا ہے۔ لہٰذا آیتِ مبارکہ صرف جلباب پہننے کا اشارہ کرتی ہے جو ایک ڈھیلا لباس ہے جو نیچے تک پہنچتا ہے۔ پس جب جلباب کے یہ معنی ہیں تو یہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ جلباب پہننے سے مراد چہرے کو ڈھک لینے کے ہوتے ہیں؟ خواہ لفظِ جلباب اور پہننے کے فعل لغوی اور شرعی معانی کے اعتبار سے کسی بھی طرح سمجھا جائے اس سے مراد صرف یہی ہو سکتی ہے کہ چادر یا جلباب کو نیچے تک پہنچانا ہے نہ کہ اوپر تک۔ چنانچہ اس آیت سے کسی بھی زاویہ سے حجاب پر استدلال نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم کے الفاظ و آیات کی تفسیر لغوی اور شرعی لحاظ ہی سے کی جا سکتی ہے نہ کہ کسی اور لحاظ سے۔ لغوی معنی واضح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جلباب اپنے اوپر ڈالیں جو اُن کے لباس ڈھکتے ہوئے نیچے تک پہنچیں اور اُن کے قدموں کو چھپا لیں۔ جلباب کے یہی معنی حدیث میں وارد ہوئے ہیں، ترمذی میں عبداللہ بن عمر سے نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (من جرَّ ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة، فقالت أُم سلمة: فكيف يصنعنَ النساء بذيولهن، قالَ يرخين شبراً فقالت إذا تنكشف

أقدامهن، قال: فيرخينه ذراعاً لا يزدن عليه) "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس شخص کی جانب نظر کرم بھی نہیں فرمائے گا جس نے اپنا لباس تکبّر میں پیچھے تک لٹکایا۔ ام سلمہ نے پوچھا کہ عورتیں اپنے حاشیہ کا کیا کریں؟ فرمایا وہ اپنے لباس کے حاشیہ کو ایک بالشت تک بڑھالیں۔ ام سلمہ نے پوچھا کہ اس طرح تو اُن کے قدم نظر آئیں گے۔ فرمایا: کہ پھر وہ اسے ایک ہاتھ کے برابر بڑھالیں لیکن اس سے زیادہ نہیں"۔

یہ بحث اُن آیات کے حوالے سے تھی جو لوگ یہ موقف رکھتے ہیں کہ چہرے کا نقاب اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ پھر جن احادیث سے نقاب پر استدلال کیا جاتا ہے وہ احادیث اس موقف کی حمایت نہیں کرتیں۔ مثلاً مذکورہ احادیث میں وہ حدیث جس میں اُن غلاموں کے بارے میں حکم ہے جن کے پاس اپنی آزادی حاصل کر لینے کیلئے مال موجود ہو تو اُن سے حجاب کیا جائے۔ یہ حدیث ازواجِ مطہرات کیلئے خاص ہے اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جو سنن بیہقی میں ابی قلابہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ (كان أزواج النبي ﷺ لا يحتجبن من مكاتَب ما بقي عليه دينار) "ازواجِ مطہرات غلاموں سے اُس وقت تک حجاب نہیں کرتی تھیں جب تک اُن کے پاس (اُن کی آزادی حاصل کرنے کی رقم سے) ایک دینار بھی کم ہوتا تھا"۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مسلم خاتون نقاب ڈالے۔ جہاں تک ام سلمہ کی حدیث کا تعلق ہے کہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ اور میمونہ کو حجاب کا حکم دیا، یہ حدیث بھی ازواجِ مطہرات کیلئے خاص ہے۔ یہ روایت ام سلمہ اور میمونہ کا ذکر کرتی ہے جسے ابن شہاب نے نبہان مولیٰ ام سلمہ سے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن صحیح بتایا ہے حدیث کی عبارت یوں ہے: (كنت عند رسول الله ﷺ وميمونة، فبينما نحن عنده أقبل ابن أم مكتوم فدخل عليه وذلك بعدما أُمِرْنا بالحجاب، فقال رسول الله ﷺ : «احتجبا منه فقلت: يا رسول الله أليس هو أعمى لا يبصرنا ولا يعرفنا. فقال رسول الله ﷺ : أفعمياوان أنتما ألستما تبصرانه) "میں (ام سلمہ) اور میمونہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھیں کہ ابن ام مکتوم پہنچے اور اجازت چاہی اور اندر داخل ہوئے۔ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب ہمیں حجاب کا حکم ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ابن ام مکتوم سے پردہ کر لیں، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ، وہ تو نابینا ہیں نہ وہ ہمیں دیکھ سکیں گے اور نہ ہی پہچان پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم اُنھیں نہ دیکھ پاؤں گی"۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جو

عائشہ سے بخاری میں مروی ہے، وہ کہتی ہیں، (**كان الركبان يمرون بنا ونحن مع رسول الله محرمات فإذا حاذى بنا سدلت إحدانا جلبابها من رأسها على وجهها فإذا جاوزنا كشفناه**) "ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حالتِ احرام میں تھے اور گھوڑ سوار ہمارے سامنے سے گزرتے تھے۔ جب کوئی ہمارے قریب پہنچتا تو ہم اپنا جلباب سر سے کھینچ کر چہرے پر کر لیا کرتے تھے اور جب وہ چلا جاتا تو ہم چہرہ کھول لیا کرتے"۔ یہ حدیث بخاری ہی کی اُس حدیث سے متناقض (ٹکراتی) ہے جو ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (**لا تنتقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازين**) "محرمہ (وہ عورت جو حالتِ احرام میں ہو، وہ) چہرے پر نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے"۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی تصنیف فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ "نقاب وہ خمار (اوڑھنی) ہے جو سر سے کھینچ کر کانوں اور آنکھوں کے نیچے تک آتی ہے"۔ لہٰذا حدیثِ عائشہ میں کہا گیا ہے جب گھوڑ سوار اُن کے پاس سے گزرتے تو عورتیں احرام کی حالت میں اپنے چہروں کو چھپا لیتی تھیں۔ جبکہ ابن عمر سے مروی حدیث سے نقاب کی ممانعت کا اشارہ ملتا ہے اور نقاب وہ ہوتا ہے جو چہرے کا اسفل نصف (نچلا آدھا) ڈھانک لے۔ اب کیونکر یہ دونوں چیزیں ہم آہنگ ہو سکتی ہیں کہ پورے چہرے پر جلباب ڈھانک لیا جائے؟ اب دونوں احادیث سے رجوع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حدیثِ عائشہ میں نقص ہے کیونکہ یہ حدیث مجاہد سے مروی ہے۔ یحییٰ ابن سعید القطان، یحییٰ ابن معین اور ابو حاتم الرازی کہتے ہیں کہ مجاہد نے یہ حدیث براہِ راست عائشہ سے نہیں سنی۔ بہر حال اگر اس کا امکان بھی ہے کہ ایسا ہوا ہو جیسا کہ علی بن المدینی کہتے ہیں کہ میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجاہد بعض صحابہ سے ملے تھے لہٰذا ممکن ہے کہ اُنھوں نے عائشہ سے سنی ہو یا بخاری کی ایک روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ مجاہد نے براہِ راست عائشہ سے سنی ہو۔ لیکن ابو داؤد نے گھوڑ سواروں والی حدیث کے بعد اس موضوع پر سکوت اختیار کیا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ ابو داؤد اگر کسی حدیث کو نقل کرنے کے بعد سکوت اختیار کرتے ہیں تو وہ حدیث معتبر ہے اور اُس پر حجت ہے جب تک کہ کوئی اور اس سے زیادہ مستند صحیح حدیث اس سے متناقض نہ ہو، ایسی صورت میں یہ حدیث ترک ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ابن عمر والی حدیث صحیح ہے اور بخاری نے روایت کی ہے تو یہ حدیث عائشہ والی حدیث سے روایت کے لحاظ سے صحیح تر ہے۔ لہٰذا حدیثِ عائشہ صحیح حدیث سے متعارض ہونے کے باعث ردّ ہو گی اور اُس سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ مندرجہ بالا احادیث میں فضل ابن عباس کی جو حدیث گزری اس سے بھی نقاب کے فرض ہونے کی دلیل نہیں آتی بلکہ نقاب کا عدم وجوب ہی ثابت ہوتا ہے،

کیونکہ اس حدیث میں بنی الخثعمیۃ کی خاتون رسول اللہ ﷺ سے سوال کر رہیں تھیں اور اُن کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ فضل ابن عباس نے اُن کی جانب دیکھا اور ہم اسی حدیث کی ایک اور روایت میں دیکھ سکتے ہیں (**فأخذ رسول الله ﷺ الفضل فحوّل وجهه من الشق الآخر**)" کہ رسول اللہ ﷺ نے فضل ابن عباس کی داڑھی پکڑی ان کے چہرے کا رخ دوسری جانب پھیر دیا"۔ اس واقعہ کو علی ابن ابی طالب نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ، (**فقال له العباس: يا رسول الله، لِمَ لويت عنق ابن عمك؟ قال: رأيت شاباً وشابة فلم آمن الشيطان عليهما**) "پھر فضل بن عباس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے چچازاد بھائی کی گردن کیوں پھیر دی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ایک نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکی کو ایسی حالت میں دیکھا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ شیطان انھیں چین سے نہ رہنے دے گا"۔ الخثعمیۃ کی خاتون والی حدیث نقاب کے نہ ہونے کی دلیل ہے نا کہ نقاب کے ہونے کی۔ جہاں تک آپ ﷺ کا الفضل کی نظر موڑنے کا تعلق ہے تو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا کہ وہ اس خاتون کو اور وہ خاتون انہیں شہوت سے دیکھ رہی تھی، جیسا کہ علی کی روایت سے واضح ہے کہ (**فلم آمن الشيطان عليهما**)" کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ شیطان انھیں چین سے نہ رہنے دے گا"۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے الفضل کی نگاہ کا رخ پھیر دیا کیونکہ وہ انہیں محض دیکھ نہیں رہے تھے بلکہ خواہش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ خواہش کی نظر خواہ وہ ہاتھوں اور چہرے ہی پر پڑے، حرام ہے۔ جہاں تک اچانک یا بے ارادہ نظر (**نظر الفجاءة**) والی حدیث میں آپ ﷺ نے جریر بن عبداللہص سے کہا کہ وہ اپنی نظر پھیر لیں یعنی جھکا لیں جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے: (**قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّواْ مِنْ أَبْصَارِهِمْ**) "اور مؤمن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں" (سورۃ النور:30)۔ یہاں بے ارادہ نظر سے مراد ہاتھ اور چہرے کے ستر کے علاوہ حصوں پر نگاہ پڑنا ہے نہ کہ چہرے یا ہاتھوں پر نگاہ کا پڑنا کیونکہ چہرے اور ہاتھوں پر نگاہ پڑنا ویسے ہی جائز ہے جیسا کہ سابقہ حدیثِ الخثعمیۃ سے واضح ہوا ہے۔ مزید یہ کہ بیعت کے وقت اور اُنھیں تعلیم دیتے وقت رسول اللہ ﷺ نے بھی عورتوں کے چہروں کو دیکھا۔ اِن تمام سے واضح ہوا کہ پکڑ اُس نظر پر ہے جو بے ارادہ چہرے اور ہاتھ کے ماسوا پڑی ہو۔ جہاں تک علی کی حدیث کا تعلق ہے کہ (**لا تتبع النظرة النظرة**)" ایک نظر پڑ جانے پر دوسری نگاہ نہ ڈالو"، اس میں بھی ممانعت اس بات کی ہے کہ دوبارہ یا بار بار نظر نہ ڈالی جائے، نہ کہ ممانعت اس بات کی ہے کہ بے ارادہ نگاہ پڑ

جائے۔

الغرض ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس سے نقاب کے فرض ہونے پر استدلال کیا جاسکے۔ اس طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مسلم خواتین کیلئے نقاب کے فرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں یا یہ کہ چہرہ اور ہاتھ ستر کا حصہ ہیں خواہ حالتِ نماز میں ہوں یا اس کے علاوہ۔ پھر جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے اُن سے ایسا استدلال ثابت نہیں ہوتا۔

عورت کے ہاتھ اور اس کے چہرے کا اُس کا ستر نہ ہونے اور انھیں کھلا رکھ کر بازار یا سڑک پر نکلنے کی دلیل کا جہاں تک تعلق ہے، تو یہ چیز قرآن اور حدیثِ نبوی سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (وَلاَ يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ) "اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔ اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں" (سورۃ النور: 31)۔ اللہ تعالیٰ نے خواتین کو اپنی زینت کے دکھاوے کی ممانعت فرمائی ہے یعنی ایسی جگہ جہاں زینت ظاہر ہو اسے چھپانے کا حکم ہے۔ اس حکم سے اس شئے کو مستثنیٰ رکھا ہے جو بہر حال ظاہر ہی ہوتی ہو۔ حکم کا یہ استثنیٰ (Exception) صریح ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ عورت کے بدن کا کچھ حصہ ہے جس کا ظاہر ہونا یا کھلا رہنا اس حکم میں داخل نہیں۔ اب اس کے بعد کسی اور کلام کی یا اس میں کسی قسم کے تامل کی گنجائش کہاں رہی جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عورت کو اپنے جسم کی زینت کے دکھاوے سے ممانعت کر دی اور کچھ حصہ کو اس حکم سے مستثنیٰ فرما دیا۔ اب رہی بات اُن حصوں کی جن کو یہ کہہ کر مستثنیٰ رکھا گیا کہ (إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا) "سوائے اس کے جو ظاہر ہے" (سورۃ النور: 31)۔ اس استثنیٰ کے صحیح فہم یا اس کی تفسیر کیلئے دو امور قابلِ لحاظ ہوں گے: پہلا تو یہ کہ اس کی منقول تفسیر کیا ہے؟ اور دوسرا امر یہ کہ اس استثنیٰ سے خود رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں کیا مراد لی گئی اور اس آیت کے نزول کے وقت مسلم خواتین کے بدن کا کیا حصہ ظاہر رہا۔

جہاں تک تفسیرِ منقول کا سوال ہے، تو ابن عباس اس آیت (إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا) کی تفسیر میں ہاتھ اور چہرے سے مراد لیتے ہیں۔ مفسرین کی اکثریت نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام ابن جریر الطبری فرماتے ہیں: "اِن تمام آراء میں صحیح تر قول وہ ہے جو کہتا ہے کہ میرے نزدیک اس سے مراد ہاتھ اور چہرہ ہے"۔ مفسر قرآن امام القرطبی فرماتے ہیں: "کیونکہ عادتاً اور عبادات

جیسے حج اور نماز میں ہاتھ اور چہرہ کھلا رہتا ہے، لہٰذا صحیح یہی ہے کہ یہ استثنیٰ اِن ہی سے منسوب ہو"۔ امام الزمخشری فرماتے ہیں: "کہ کیونکہ عورت کیلئے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے کام کاج کیلئے ہاتھ کھلے رکھے اور اپنا چہرہ خاص کر اُس وقت کھلا رکھے جب وہ گواہی دے، نکاح ہو، وہ راستوں پر چلنے پر مجبور ہو اور اس کے قدم کھلے رہیں خاص طور پر غریب خواتین۔ یہ ہے اس " سوائے اس کے جو ظاہر ہے" آیت کا مطلب یعنی عام زندگی میں صورتحال اسے جس چیز کے لئے مجبور کرے"۔ تو اس آیت کا یہ مطلب ہے۔

اب رہا دوسرا پہلو کہ آیتِ مبارکہ (إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا) سے اس کے نزول کے وقت کیا مراد لی جاتی تھی، تو یہ بات روشن ہے کہ اس سے مراد ہاتھ اور چہرہ ہی تھا۔ اُس وقت خواتین رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے ہاتھ اور اپنا چہرہ کھلا رکھتی تھیں اور آپ ﷺ نے اس فعل پر کبھی اعتراض نہیں فرمایا۔ بازاروں اور سڑکوں پر خواتین کے چہرے اور ہاتھ کھلے رہتے تھے، ایسے متعدد واقعات کی بعض مثالیں یوں ہیں:

1. مسلم میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں "میں ایک بار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کے موقع پر تھا، آپ ﷺ نے بغیر اذان یا اقامت کے نماز پڑھائی پھر بلال پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور خطبے میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کرنے کی تاکید فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو مزید نصیحت کی۔ پھر عورتوں کی جانب پہنچے اور کہا کہ (**تصدقن فإن أكثركن حطب جهنم، فقامت امرأة من سطة النساء سفعاء الخدين، فقالت: لم يا رسول الله؟ قال: لأنكن تكثرن الشكاة وتكفرن العشير**)'تم خیرات دیا کرو، تم میں سے اکثر جہنّم کا ایندھن ہو'، سو ایک خاتون اُن کے درمیان سے کھڑی ہوئیں، اُن کے رخسار کالے تھے، اُنھوں نے دریافت کیا کہ 'اے اللہ کے رسول، ایسا کیوں ہے؟' فرمایا کہ 'تم عورتیں شکایت بہت کرتی ہو اور شوہر کی اچھائیوں کو ماننے سے انکار کرتی ہو"۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد خواتین نے بلال کے پھیلے ہوئے کپڑے پر اپنے زیورات اتار اتار کر رکھنے شروع کر دیے۔

2. طبرانی نے معجم الکبیر میں عطاء ابن ابی رباح سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے اُن سے کہا کہ "کیا میں تمہیں ایک ایسی خاتون دیکھاؤں جو جنّت میں جائے گی"، میں نے عرض کیا کہ "ضرور"۔ فرمایا کہ یہ سیاہ فام عورت جو رسول اللہ ﷺ

کے پاس حاضر ہوئیں اور کہا کہ (إني أصرع، وإني أنكشف، فادعُ الله لي. فقال لها: إن شئت صبرت ولك الجنة، وإن شئت دعوت الله أن يعافيك. فقالت: أصبر. فقالت: إني أنكشف فادعُ الله لي أن لا أنكشف. فدعا لها) "مجھے مرگی کے دورے پڑتے ہیں جس کی وجہ سے میں اپنے کپڑے ہٹا کر منکشف ہو جاتی ہوں۔ آپ ﷺ میرے لئے اللہ سے دعا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے جنت ہے اور اگر چاہے تو تیرے لئے اللہ سے دعا کروں کہ اللہ تجھے اپنی عافیت میں رکھے، تو اس عورت نے کہا: میں صبر کروں گی، پھر کہا: کہ میں منکشف ہو جاتی ہوں لہٰذا آپ ﷺ اللہ سے دعا کیجئے کہ میرے ساتھ ایسا نہ ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کیلئے دعا فرمائی"۔

.3 جس چیز سے یہ بات واضح ہوتی کہ ہاتھ عورت کا ستر نہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کا خواتین سے بیعت کے وقت مصافحہ کرنا ہے۔ بخاری میں ام عطیہ سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ (بايعنا النبي ﷺ فقرأ علينا أن لا يشركن بالله شيئاً ونهانا عن النياحة، فقبضت امرأة منا يدها فقالت: فلانة أسعدتني وأنا أريد أن أجزيها. فلم يقل شيئاً فذهبت ثم رجعت) "ہم نے نبی ﷺ سے یہ بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ ہمیں نوحہ وزاری کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور عرض کیا کہ فلاں عورت نے مجھے نوحہ سنا کر خوش کیا تھا اور میں اُس کا بدلہ اُتارنا چاہتی ہوں، آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا، وہ چلی گئی اور پھر لوٹ آئی"۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ خواتین ہاتھ سے بیعت کرتی تھیں کیونکہ یہاں بتایا گیا کہ فلاں عورت نے جب اُس کی بیعت کی باری آئی تو اپنا ہاتھ روک لیا۔ یہ حقیقت کہ جب اُس خاتون نے بیعت کی شرائط سنیں تو اُس نے اپنا ہاتھ روک لیا واضح کر دیتی ہے کہ بیعت ہاتھ پر ہوئی تھی اور رسول اللہ خواتین کے ہاتھ پر اپنے دستِ مبارک سے بیعت لیتے تھے۔ اب رہی بات اُس متفق علیہ حدیث کی جو عائشہ رضی اللہ عنہم روایت کرتی ہیں کہ (وما مست يد رسول الله ﷺ امرأة إلا امرأة يملكها) "رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ اپنی بیویوں کے علاوہ کسی اور خاتون سے نہیں چھوا"۔ یہ عائشہ کی رائے تھی جو صرف اُن کی معلومات کی حد تک تھی۔ لہٰذا اِن دونوں احادیث کے مطالعہ پر ام عطیہ کی روایت کردہ حدیث راجح ہو گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس حدیث میں جو فعل روایت کیا گیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہوا جو اُن کے فعل پر دلیل اور مذکورہ حدیث پر راجح ہے۔

اِن تینوں واقعات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ خواتین کے جسم کا جو حصہ ظاہر رہتا تھا وہ اُن کے ہاتھ اور چہرہ تھے، یعنی یہی مذکورہ

آیت (إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) "سوائے اس کے جو ظاہر ہے" کے استثنیٰ تھے اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ ہاتھ اور چہرہ عورت کے ستر میں شامل نہیں ہیں چاہے وہ حالتِ نماز میں ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ آیت عام ہے: (وَلاَ يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا) "اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے" (سورۃ النور: 31)

اس آیت کا اگلا حصہ بھی دلالت کرتا ہے کہ عورت کے ہاتھ اور اُس کا چہرہ عورت کے ستر کا حصہ نہیں:۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: (وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ) "اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں" (سورۃ النور: 31) خمر جمع ہے خمار کی اور یہ وہ کپڑا ہے جس سے سر ڈھانکا جائے۔ جیوب جمع ہے جیب کے۔ یہ وہ کپڑا ہے جو سینے پر ڈالا جائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ خمار کو گردن اور سینے پر اوڑھا جائے۔ یہ حکم اشارہ کرتا ہے کہ اِن دونوں حصوں کو ڈھانکا جائے۔ لیکن یہاں حکم یہ نہیں ہے کہ چہرے کو ڈھانکا جائے جو اس بات پر دلیل ہوا کہ چہرہ ستر کا حصہ نہیں۔ جیب درحقیقت سینہ نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ جیب سے مراد سینے کا اوپری حصہ ہے جس میں گردن کے اطراف کا حصہ شامل ہے۔ خمار پہننے سے مراد اسے اپنے کرتے یا قمیص کے اوپر پہننا ہے جس سے سینہ اور گردن ڈھنک جائے۔ چنانچہ سر ڈھانکنے کے حکم میں گردن اور سینہ شامل ہے لیکن چہرہ شامل نہیں ہے، واضح ہوا کہ چہرہ ستر کا حصہ نہیں۔ لہٰذا نقاب ثابت نہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اسے فرض نہیں فرمایا۔

یہاں تک اس سلسلے میں قرآنی دلائل ہوئے۔ اس کے علاوہ احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نقاب کو فرض نہیں فرمایا ہے اور یہ کہ ہاتھ اور چہرہ عورت کی ستر کا حصہ نہیں ہیں۔ سنن ابی داؤد میں قتادہ سے روایت نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إن الجارية إذا حاضت لم يصلح أن يُرى منها إلا وجهها ويداها إلى المفصل) "جب کسی دوشیزہ کو حیض آنے کی عمر ہو جائے، تو اُس کے چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ دکھنا صحیح نہیں ہے"۔ اس حدیث سے ہاتھوں اور چہرے کا ستر میں شامل نہ ہونا صراحتاً ثابت ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہاتھ اور چہرے کو ڈھانکنے اور نقاب کا حکم نہیں دیا۔

اس طرح اوپر بیان کیے گئے کتاب اللہ اور سنتِ نبوی ﷺ کے دلائل واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ مسلم خاتون اپنا چہرہ

اور ہاتھ کھلے رکھ کر بازار جاسکتی ہیں اور غیر مردوں سے گفتگو کر سکتی ہے۔ نیز خرید و فروخت، کرائے داری، نمائندگی وغیرہ جیسے اپنے تمام جائز معاملات کی پیروی کر سکتی ہے۔ اِن سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نقاب کو صرف ازواجِ مطہرات کیلئے فرض فرمایا ہے۔ گو کہ نقاب کے فرض ہونے کی رائے شبہۃ دلیل ہونے کے سبب بہر حال اسلامی رائے ہے اور فقہی مسلکوں کے بعض ائمہ نے اسے اختیار بھی کیا ہے، تاہم اس کے قائل، دلیل کے جس شائبہ پر انحصار کئے ہوئے ہیں اس سے استدلال کا اعتبار بس نام بھر بغیر کسی قابلِ لحاظ استدلال کے ہے۔

اب جو مسئلہ باقی رہا وہ یہ کہ بعض مجتہدین کہتے ہیں کہ عورتوں کیلئے نقاب کی فرضیت فتنے کے خوف سے ہے۔ اُن کا موقف یہ ہے کہ خواتین کیلئے مردوں کے درمیان نقاب ہٹانے کی ممانعت اس سبب نہیں ہے کہ چہرہ ستر کا حصہ ہے بلکہ اس لئے کہ نقاب اُٹھانے سے فتنے کا خوف ہے۔ یہ قول مختلف وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔

سب سے پہلے تو یہ کہ فتنے کے خوف سے نقاب کرنے کیلئے کوئی شرعی نصوص نہ کتاب اللہ میں اور نہ ہی سنتِ نبوی ﷺ میں وارد ہوئے اور نہ ہی صحابہ کرام کے اجماع میں اِس کا ذکر ہے اور نہ ہی کوئی ایسی شرعی علت وارد ہوئی ہے جس سے یہ قیاس حق بجانب گردانا جاسکے۔ لہٰذا اس موقف کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور یوں یہ شرعی حکم تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شرعی حکم تو شارع کا بندوں سے خطاب ہے اور فتنے کے خوف سے چہرے کو کھلا رکھنے کی ممانعت شارع کے خطاب میں کہیں وارد نہیں ہوئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعی دلائل جو اس باب میں وارد ہوئے ہیں وہ سب چہرے کے ڈھانکنے کی فرضیت سے متعارض ہیں، نیز آیات و احادیث میں چہرے اور ہاتھوں کا کھلا رکھنا مطلقاً جائز رکھا گیا ہے، اس اباحت کو کسی خاص حالت میں مخصوص نہیں کیا گیا۔ لہٰذا چہرے کے کھلا رکھنے کو حرام کہنا درحقیقت اُس چیز کو حرام کرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال رکھا ہے اور چہرے کے چھپائے جانے کو فرض کہنا فی الحقیقت اُس شئے کو فرض قرار دینا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرض نہیں فرمایا۔ یہ موقف بحیثیت حکمِ شرعی قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے وہ شرعی احکام باطل ہو جاتے ہیں جو صریح نصوص سے ثابت شدہ ہیں۔

دوسرا سبب: اگر فتنے کے خوف کو چہرہ کھلا رکھنے کی تحریم اور اس کو چھپانے کی فرضیت کیلئے علت بنایا جائے تو اس کیلئے کوئی شرعی نص نہ تو صراحتاً وارد ہوئی ہے نہ دلالتاً، نہ استنباطاً اور نہ ہی قیاساً وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا ایسی علت کسی بھی اعتبار سے شرعی

علت نہیں ہو گی بلکہ یہ محض ایک عقلی علت ہو گی جس کا شرعی احکام میں کوئی لحاظ نہیں ہو سکتا، اعتبار تو صرف شرعی علت ہی کا ہو سکتا ہے کیونکہ فتنے کے خوف کو چہرہ کھلا رکھنے کی تحریم اور چھپانے کی فرضیت شرع میں وارد نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔

تیسرا سبب: یہ قاعدہ کے جس کی رو سے ہر وہ چیز جو کسی حرام کا باعث بنتی ہو، خود حرام ہو جاتی ہے، (**الوسيلة لى الحرام محرمة**) یہاں پر لاگو نہیں ہوتا کہ فتنے کے خوف سے چہرہ کھلا رکھنے کی ممانعت کر دی جائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس قاعدے کے اطلاق کیلئے دو شرائط مطلوب ہوتی ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ وسیلے کے حرام تک پہنچنے کا گمان غالب ہو اور دوسری یہ کہ وسیلے کے نتائج حرام ہونے کیلئے شرعی نص موجود ہو نہ کہ عقلاً حرام ہو۔ یہ دونوں باتیں فتنے کے خوف سے چہرے کے کھلے رہنے کے حرام ہونے والے اس معاملہ میں مفقود ہیں۔ لہٰذا اس قاعدے کا یہاں انطباق نہیں ہو سکتا کیونکہ جیسا کہ ان لوگوں کا موقف ہے کہ چہرہ کھلا رکھنے سے فتنے کا اندیشہ اور امکان ہے نہ کہ یقینی فتنہ ہے اور یہ صورتِ حال بھی اُس وقت ہے جب یہ فرض کر لیا جائے کہ فتنہ اس کیلئے حرام ہے جو اس کا شکار ہو کیونکہ یہاں صرف فتنے کے امکان کی بات ہے یقینی نہیں۔ مزید یہ کہ شرعاً ایسی کوئی نص موجود نہیں جس کے تحت فتنے کا امکان ہی حرام قرار دے دیا جائے۔ اس کے بر خلاف شریعت نے فتنے کے سبب کو حرام قرار نہیں دیا ہے بلکہ دیکھنے والے کی نظر کو حرام قرار دیا ہے نہ کہ اس کو جسے دیکھا جا رہا ہو۔ بخاری میں عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ (**كان الفضل رديف رسول الله ﷺ فجاءت امرأة من خثعم فجعل الفضل ينظر إليها وتنظر إليه وجعل النبي ﷺ يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر**) "فضل ابن عباس رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے کہ بنی خثعم کی ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ فضل اُن کی طرف دیکھنے لگے اور وہ فضل کی جانب دیکھنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فضل کی گردن کا رخ دوسری جانب پھیر دیا"۔ یعنی آپ ﷺ نے فضل کا چہرہ خاتون کی جانب سے دوسری جانب موڑ دیا جیسا کہ اسی حدیث کی ایک اور روایت سے ظاہر ہے (**فأخذ رسول الله ﷺ الفضل فحول وجهه من الشق الآخر**) "لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے الفضل کی داڑھی اور ان کا چہرہ دوسری جانب کر دیا"۔ اس واقعہ کو علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ (**فقال له العباس: يا رسول الله، لم لويت عنق ابن عمك؟ قال: رأيت شاباً وشابة فلم آمن الشيطان عليهما**)"پھر فضل

ابن عباس نے رسول اللہ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے چچازاد بھائی کی گردن کیوں پھیر دی؟ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایک نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکی کو ایسے دیکھا کہ ڈر ہوا کہ شیطان انھیں چین سے نہ رہنے دے گا"۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فضل ابن عباس کے چہرے کا رخ پھیر دیا اور بنی خثعم کی خاتون کو اپنا چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں دیا جبکہ اُن کا چہرہ نظر آرہا تھا۔ اگر فتنہ باعث حرام ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اُس خثعمی خاتون کو اپنا چہرہ ڈھانکنے کا حکم فرماتے جبکہ آپ ﷺ نے خاتون کو حکم نہیں دیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فضل ابن عباس کے چہرے کا رخ پھیر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرمت دیکھنے والے کی ہے نہ کہ اُس کی جس کو دیکھا جارہا ہے۔ لہٰذا ایسی عورت کے بارے میں جس سے لوگوں میں فتنے کا اندیشہ ہو، اس کو حرام کہے جانے کی کوئی نص نہیں ہے بلکہ اس کے حرام نہ ہونے کی نص موجود ہے پس یہ حرام نہیں ہوگا۔ البتہ ایک ایسی اسلامی ریاست جو عملاً فعال ہو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ ایسے معین اشخاص کو جن سے عام لوگوں میں فتنے پھلتے ہوں اُنھیں ایسے لوگوں کے درمیان سے ہٹادیں جو ان کے فتنے میں پڑ رہے ہوں۔ عمر بن خطاب نے نصر بن حجاج کو شہر بدر کرکے بصرہ بھیج دیا تھا کیونکہ عورتیں اُن کی شکل و وجاہت سے فتنے میں پڑ رہی تھیں۔ یہ بات مرد اور عورت دونوں پر صادق آتی ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عورتوں کیلئے چہرہ کھلا رکھنا حرام ہے کیونکہ اس سے فتنے کا امکان ہے، اس لئے کہ یہاں حرام کا وسیلہ حرام ہونے کا قاعدہ منطبق نہیں ہوتا۔

عورت اور مرد کا شرعاً مکلف ہونا

اسلام نے شرعی ذمہ داریاں (اوامر و نواہی) بیان کی ہیں جو مرد اور عورت دونوں پر عائد ہوتی ہیں۔ پس جب اسلام نے شرعی احکام بیان کئے ہیں جو مرد اور عورت دونوں کے افعال کو منظم کرتے ہیں تو اس دوران اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان مساوات یا افضلیت کو قطعاً مدِ نظر نہیں رکھا۔ بلکہ اس کے پیشِ نظر ایک معاملہ یا مسئلہ ہوتا ہے جس کا حل

مقصود ہوتا ہے۔ پس اسلام ایک مخصوص مسئلے کا حل بتاتا ہے اس بات سے قطع نظر کہ وہ مسئلہ مرد کا ہے یا عورت کا۔ کیونکہ انسانی فعل کے متعلق حل کی ضرورت ہے نہ کہ عورت یا مرد کے مسئلے کا بحیثیت عورت یا مرد حل درکار ہے۔ یہاں مرد اور عورت کے درمیان مساوات یا عدم مساوات قابلِ لحاظ اور موضوعِ بحث نہیں ہوتا۔ مساوات کا لفظ اسلامی قانون میں موجود نہیں ہے، یہاں جو شئے موجود ہے وہ کسی انسان سے جنم لینے والی صورتِ حال سے متعلق حکمِ شرعی ہے، قطع نظر کہ وہ انسان مرد ہے یا عورت۔

لہٰذا مرد اور عورت کے درمیان مساوات بحث کا موضوع ہی نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی ایسا مسئلہ ہے جو نظامِ معاشرت کا موضوع ہو کیونکہ عورت کا مرد کے مساوی ہونا یا مرد کا عورت کے ہم پلہ ہونا ایسی اہمیت کا حامل موضوع نہیں جو معاشرتی زندگی پر اثرانداز ہوتا ہو اور نہ ہی یہ معاملہ کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے اثرات اسلامی طرزِ زندگی میں کوئی امکانی مسئلہ پیدا کرتے ہوں۔ مساوات کی نعرہ مغربی تہذیب کا شاخسانہ ہے اور مسلمانوں میں اس کی وکالت صرف اُن لوگوں کی جانب سے ہی ہوتی ہے جو مغرب زدہ ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مغربی تہذیب نے عورت کے انسان ہونے کے اعتبار سے جو فطری حقوق ہیں اُنھیں سلب کر لیا ہے نتیجتاً خواتین اُن فطری حقوق کا مطالبہ کرتیں ہیں اور انھیں حاصل کرنے کیلئے مساوات کے لفظ کا سہارا لیا گیا ہے تاکہ وہ قدرتی اور فطری حقوق بحال ہو سکیں۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اسے ایسی اصطلاحات سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ اسلام کا معاشرتی نظام ایسی قوی اور پائیدار بنیاد پر قائم ہے جو اجتماعیت اور معاشرے کے ربط، نظم اور اس کی بلندی و رفعت کا ضامن ہے اور یہ نظام مرد اور عورت دونوں کو حقیقی آسودگی اور ایسی راحت فراہم کرتا ہے جو بنی نوعِ انسان کے شایانِ شان ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ) "اور بے شک ہم نے بنی آدم کو بڑی عزت دی ہے" (بنی اسرائیل:70)

لہٰذا اسلام نے عورت کو حقوق عطا کئے اور اس پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور مردوں کے ساتھ بھی یہی کیا ہے، جس سے ان کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے جو شارع نے طے کئے ہیں۔ اس نظام نے اُن کے بحیثیت انسانی افعال ہونے کے، حل بھی مہیا کئے ہیں۔ لہٰذا مرد اور عورت کے حقوق اور فرائض یکساں رکھے گئے جہاں انسانی فطرت کے لحاظ سے تقاضا تھا کہ یہ یکساں ہوں اور جہاں تقاضا تھا کہ یہ حقوق و فرائض جدا جدا ہوں وہاں انہیں مختلف رکھا گیا۔ جہاں اِن حقوق و واجبات

میں مرد و عورت کیلئے یکسانیت رکھی، اسے مساوات نہیں کہا جائے گا اور بالکل اسی طرح جہاں اِن میں فرق رکھا گیا تو اسے عدمِ مساوات نہیں سمجھا جائے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام معاشرے کو محض اس لحاظ سے دیکھتا ہے کہ یہ انسانوں پر مشتمل معاشرہ ہے نہ کہ اس کے عورت و مرد ہونے کے لحاظ سے۔ یہ تو معاشرے کا ایک وصف ہے کہ اس میں عورتیں اور مرد ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: (يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً) "اے انسانو! ڈرو اپنے ربّ سے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اِن دونوں سے پھیلائے بہت سے مرد اور عورتیں" (النساء: 1)

اسی نقطہ نظر کی بنا پر مرد اور عورتوں پر شرعی احکامات متعین کیے گئے ہیں اور اسی نقطہ نظر کی بنا پر اُن کے حقوق و فرائض طے کیے گئے ہیں۔ لہٰذا جب یہ حقوق و اجبات اُن پر بحیثیت انسان مقرر کئے گئے ہیں تو آپ اِن حقوق و واجبات میں یکسانیت پائیں گے اور یہ حقوق و واجبات تمام مرد و عورت پر یکساں ہوں گے اور اِن میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ اسلام نے جب انسانوں کو ایمان کی دعوت دی تو مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں رکھا اور نہ ہی اسلام کی طرف دعوت دینے کی ذمہ داری کے لحاظ سے اِن میں کوئی فرق ہے، یہاں تک کہ عبادات جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی شرعی ذمہ داری بھی دونوں پر یکساں ہے۔ اسی طرح اسلام نے اخلاقی اوصاف جن کے احکام وارد ہوئے ہیں، اُن کا بیان مرد اور عورت کیلئے بلا تفریق یکساں کیا ہے۔ معاشرتی معاملات جیسے خرید و فروخت، کرائے داری، نیابت و کفالت وغیرہ اور دیگر تمام انسانی معاملات عورت اور مرد کیلئے یکساں رکھے ہیں۔ پھر اللہ کے احکام کی خلاف ورزی پر حدود، جنایات اور تعزیری سزائیں بھی بحیثیت انسان یکساں رکھی گئیں ہیں جن میں مرد اور عورت کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مزید یہ کہ علم سیکھنا اور سکھانا بھی بلا امتیاز مرد اور عورت پر یکساں عائد کیا گیا ہے۔ یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ نے انسان پر بحیثیت انسان عائد کیے ہیں جن میں مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں ہے اور اس لحاظ سے تمام احکام اور حقوق و واجبات یکساں ہیں۔ اِن احکام اور حقوق و واجبات سے متعلق آیات اور احادیث بھی صیغۂ عام اور شمولی انداز سے انسانوں کے لیے بحیثیت انسان اور ایک مومن کے لیے بحیثیت مومن وارد ہوئی ہیں۔ قرآن کی بہت سی آیات اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ مرد و عورت دونوں شرعی احکامات کے مکلف ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ

وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا)"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور اللہ کے آگے جھکنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں۔ اِن سب کیلئے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم مہیّا کر رکھی ہے"(الاحزاب:35)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِ هِمْ)"اور کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کی لیے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ فرمادیں، تو اُن کے پاس اپنے معاملہ کا کوئی اختیار باقی رہے"(الاحزاب:36)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ)"جو کوئی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو ضرور ہم اسے دنیا میں اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ہم اُنھیں اُن اعمال کا جو وہ کرتے تھے، اُن کا بدلہ کہیں بہتر اجر دیں گے"(النحل:97)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(وَمَن يَعْمَلْ مِنَ ٱلصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُوْلَٰئِكَ يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ وَلاَ يُظْلَمُونَ نَقِيراً)"اور جو شخص نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اِن کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہیں ہوگی"(النساء:124)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(فَٱسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لاَ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ)"پس ان کے ربّ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور جواب دیا کہ بلاشبہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، وہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو"(آل عمران:195)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَالِدَانِ وَٱلأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَالِدَانِ وَٱلأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً)"مردوں کیلئے اس ترکہ میں سے حصہ ہے جو

والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں اور عورتوں کیلئے بھی اس ترکہ میں سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں، وہ حصہ کم ہو یا زیادہ، یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے "(النساء:7)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبْنَ وَٱسْأَلُواْ) "مردوں کیلئے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کیلئے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا"(النساء:32)۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تمام کے تمام شرعی احکام خواہ یہ احکام کوئی بھی ہوں یا کتنے بھی ہوں، یہ سب انسانوں سے بحیثیت انسان متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو مرد اور عورت پر یکساں طے کیا ہے۔ تاہم احکام کی یہ یکسانیت مرد اور عورت کے درمیان مساوات کے حوالے سے نہیں ہے، یہ تو احکام ہیں جو انسان پر بحیثیت انسان جاری کئے گئے کیونکہ مرد اور عورت دونوں انسان ہیں۔ اور یہ احکام انسان کے افعال سے متعلق اللہ تعالیٰ کا خطاب ہیں۔

جب صورتِ احوال یہ ہو کہ یہ حقوق و واجبات اور یہ شرعی ذمہ داری صنفِ عورت سے متعلق ہوں اور عورت کے بحیثیت نسوانی صنف ہونے کے، معاشرے میں اس کا مخصوص مقام ہونے کے اعتبار سے؛ یا یہ حقوق و واجبات اور شرعی تکالیف مرد سے متعلق ہوں اور مرد کے بحیثیت صنفِ مرد ہونے اور اور اس کے معاشرے میں مقام کے اعتبار سے متعلق ہوں تو ایسی شکل میں یہ حقوق و واجبات اور شرعی تکالیف مرد اور عورت کیلئے مختلف ہوں گی۔ اس کا سبب یہ ہے یہ احکام، حقوق و واجبات تمام انسانوں کیلئے عمومی نہیں ہیں بلکہ اس مخصوص انسان یا صنف کیلئے خاص حل ہیں جو دوسری صنف سے مختلف ہے اور اس کیلئے ایک حل درکار ہے۔ چنانچہ اُن معاملات میں جو عام زندگی میں مردوں کے معاشرے میں واقع ہوتے ہیں، وہاں دو عورتوں کی شہادت (گواہی) کو ایک مرد کے برابر رکھا گیا، جیسے کہ معاملات اور حقوق میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَٱسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إْحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا ٱلأُخْرَىٰ) "اور دو گواہ بنالو اپنے مردوں میں سے، پھر اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں، ایسے لوگوں میں سے جنہیں تم بطورِ گواہ پسند کرتے ہو تا کہ اگر ایک بھول بھٹک جائے تو دوسری ایک کو یاد دہانی کرا دے "(البقرۃ:282)۔ پھر اُن معاملات میں جو عورتوں کے معاشرے میں وقوع پزیر ہوتے ہیں جہاں مردوں کا دخل نہیں ہے، وہاں صرف عورت کی گواہی قبول کی گئی ہے جیسے عورتوں کے معاشرے میں واقع ہونے والے جرائم کے معاملات ، جن سے عورتیں ہی واقف ہوتی ہیں وہاں ایک ہی عورت کی گواہی کافی ہے۔ مثلاً عورت کے باکرہ

(Virgin)ہونے کی گواہی، عورتوں کے امور کی نگرانی(Matronship) یا بچے کی شیر خواری وغیرہ میں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے رضاعت کے معاملے میں ایک ہی عورت کی گواہی قبول فرمائی تھی۔ صحیح بخاری میں عقبہ بن حارث سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ (تزوجت امرأة فجاءت امرأة فقالت: إني قد أرضعتكما. فأتيت النبي فقال ، وكيف وقد قيل؟ دعها عنك، أو نحوه، وفي رواية، فنهاه عنها)"میں نے ایک عورت سے شادی کی، تو ایک حبشی عورت آئی اور کہا کہ میں نے تم دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اُنھیں بتایا، آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد تم اس عورت کو اپنے نکاح میں کیسے رکھ سکتے ہو، پس اس عورت کو چھوڑ دو(یعنی طلاق دے دو)۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص کو اس عورت سے (نکاح برقرار رکھنے سے) منع فرمادیا"۔ اور بعض صورتوں میں اسلام نے میراث میں عورت کا حصہ مرد کے حصے سے آدھا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوْلَٰدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ)"اور اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں ہدایت کرتا ہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے"(النساء:11)۔ یہ صورتِ حال عصبات کے معاملے میں ہے جس میں بیٹے، سگے بھائی اور سوتیلے بھائی جو ایک ہی باپ سے ہوں شامل ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عورت اگر محتاج ہے تو اس کا نفقہ بھائی پر رکھا گیا ہے خواہ وہ کام کرنے کی قابلیت بھی رکھتی ہو۔ پھر بعض اور حالات میں عورت کا حصہ مرد کے حصہ کے برابر رکھا، فرمایا:(وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَٰلَةً أَوِ ٱمْرَأَةٌ وَلَهُۥ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا ٱلسُّدُسُ فَإِن كَانُوٓاْ أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى ٱلثُّلُثِ)"پھر اگر کسی مرد جس کی میراث تقسیم طلب ہے، ایسا بے اولاد ہے کہ اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، یا ایسی کوئی عورت ہو، جس کا صرف ایک بھائی یا صرف ایک بہن ہو تو اِن دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ہے۔ پھر اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی(1/3) میں شریک ہیں"(النساء:12)۔ یہ آیت کلالہ کے باب میں نازل ہوئی ہے کہ ایسے سوتیلے بہن بھائی کہ جن کی ماں ایک ہے تو ایسی عورت کے اس بھائی پر عورت کے نفقہ کی ذمہ داری نہیں جو اسی ماں سے ہے لیکن اس کا باپ مختلف ہے، گو کہ یہ بھائی بھی اس کا محرم ہے تاہم وہ نفقہ کا ذمہ دار نہیں۔

اسلام نے حکم دیا کہ عورت کا لباس مرد کے لباس سے اور مرد کا لباس عورت کے لباس سے مختلف ہو، اور اس بات سے بھی دونوں کو روکا ہے کہ وہ لباس اور اپنے اپنے امتیازات میں جیسے جسم کے مخصوص حصوں کی زینت میں ایک

دوسرے سے مشابہت اختیار کریں۔ حاکم نے مستدرک میں ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے اور اس روایت کو صحیح بتایا ہے کہ (**لعن رسول الله ﷺ الرجل يلبس لبسة المرة والمرة تلبس لبسة الرجل**)"رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت کی ہے جو عورت کی طرح کا لباس پہنے اور اس عورت پر بھی لعنت کی ہے جو مردوں کی طرح کا لباس زیب تن کرے"۔ ذہبی نے ابن ابی ملیکہ سے اس روایت تخریج کی ہے اور اس کی سند کو حسن بتایا ہے کہ عائشہ سے دریافت کیا گیا کہ (**إن المرأة تلبس النعل ؟ فقالت: لعن رسول الله ﷺ الرجلة من النساء**) "کیا عورتیں جوتے پہنتی تھیں؟ آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردانہ پن اختیار کرتی ہوں"۔ اور عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: (**ليس منا من تشبّه بالرجال من النسا**) "وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں، وہ ہم میں سے نہیں ہیں"(طبرانی)۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے: (**لعن الرسولا المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء و قال اخرجوهُم من بيوتكم**) "رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی طرح زنانہ پن اختیار کرتے ہیں اور اُن عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردانہ طور اختیار کرتی ہیں، اور حکم دیا کہ اُن کو اپنے گھروں سے نکال دو"اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں کو اور عمر بن الخطابؓ نے فلاں کو گھر سے نکلوا دیا تھا۔ اسی روایت کو بخاری نے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ ہیں: (**لعن رسول المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال**) "رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی شکل اختیار کرتے ہیں اور اُن عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں"۔

اس کے علاوہ اسلام نے مہر کو مرد پر عورت کا حق رکھا ہے جبکہ جنسی لذت محض مرد کا نہیں بلکہ دونوں کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (**وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا**)"اور عورتوں کو اُن کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو، پھر اگر وہ از خود مہر کا کچھ حصہ تمہارے لئے چھوڑ دیں تو اسے بے کھٹکے خوشگوار سمجھ کر کھاؤ"(النساء:04)۔ اس آیتِ مبارکہ میں لفظ نِحْلَةً کے معنی تحفے کو خوش دلی سے دینے کے ہیں کیونکہ مہر ایک تحفہ ہی ہے، اور جیسا کہ بعض کو وہم ہوا ہے، یہ کسی چیز کا بدلہ یا عوض نہیں ہے۔ بخاری میں سہل ابن سعد الساعدی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی سے، جنہیں کسی عورت سے شادی کرنا تھی، فرمایا کہ (**هل من شيءٍ**

تصدقها؟ فالتمس ولم يجد قال: التمس ولو خاتماً من حديدٍ فلم يجد شيئاً. فزوجه إياها بما معه من القرآن) "کیا تمہارے پاس اسے دینے کیلئے کچھ ہے؟ اُنھوں نے تلاش کیا اور اُنھیں کچھ نہ ملا تو پھر فرمایا کہ ڈھونڈو، کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے، وہ بھی نہ ملی تو پھر اُنھیں جس قدر قرآن حفظ تھا، اسی پر اُن کا نکاح کر دیا"۔

اللہ تعالیٰ نے مال کمانے کیلئے محنت کرنا مرد پر فرض قرار دیا ہے نہ کہ عورت پر، عورت کیلئے کمانے کی خاطر کام کرنا مباح رکھا ہے کہ وہ چاہے تو کرے اور مرضی نہ ہو تو نہ کرے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **(لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ)** "اور چاہئے کہ خوشحال شخص اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے" (الطلاق:07)۔ اس آیتِ مبارکہ میں لفظ **ذو** وارد ہوا جس کا اطلاق صرف مرد پر ہی ہوتا ہے۔ نیز فرمایا: **(وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ)** "اور باپ کے ذمہ اُن کا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے مطابق" (البقرۃ:233)۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مالی نفقہ مرد کی ذمہ داری بنائی ہے۔ اسلام نے مردوں کو عورتوں پر نگہبان (Guardian) مقرر فرمایا ہے اور سربراہ کی حیثیت سے حکم کرنے اور منع کرنے کا حق بھی اُسی کو دیا ہے، ارشاد فرمایا: **(الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا)** "مرد عورتوں کے سرپرست اور نگہبان ہیں اس بناء پر کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس بناء پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں، پس نیک عورتیں اطاعت شعار، مردوں کی غیر حاضری میں ان سب چیزوں کی جنہیں اللہ نے محفوظ بنایا ہے، کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں۔ اور وہ عورتیں جن سے تمہیں نافرمانی کا اندیشہ ہو اُن کو نصیحت کرو اور (اگر وہ نہ مانیں تو) اُن کو بستروں پر تنہا چھوڑ دو اور پھر بھی نہ مانیں تو اُن کو مارو اور پھر اگر اطاعت کرنے لگیں تو اُن پر زیادتی کرنے کی راہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ سب سے بالاتر اور بڑا ہے" (سورۃ النساء:34)۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا کہ مردوں کو خواتین پر سرپرستی اور قیادت حاصل ہے کیونکہ اللہ نے مردوں پر بوجھ زیادہ رکھا ہے، جیسے زمامِ حکومت، نماز کی امامت، نکاح کی وکالت اور یک طرفہ طلاق کا اختیار۔ اِس آیتِ مبارکہ میں کہا گیا ہے: **(بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْض)** "اس بناء پر کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی

ہے"۔ سرپرستی کی یہ ذمہ داری مہر کے حوالہ سے بھی ہے اور گزر بسر کے اخراجات کے اعتبار سے بھی۔ لہٰذا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: (وَبِمَآ اَنفَقُواْ مِنْ اَمْوَالِهِم) "اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں"۔ نیز شوہر کو یہ حق دیا ہے کہ وہ عورت کی تأدیب کیلئے اسے حسنِ سلوک سے سمجھائے، اپنا بستر علیحدہ کرلے اور خطاء کی شدّت کی نسبت اسے ہلکی مار مارے۔ یہ اُن حالات میں ہے کہ جب عورت شوہر سے سرکشی کرے۔ اس کے ساتھ اسلام نے عورت کو چھوٹے بچوں کی کفالت (custody) کا حق دیا ہے اور شوہر کو اس حق سے روک دیا ہے۔ اسلام نے عورت کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر شوہر مال خرچ کرنے میں تاخیر، سُست رَوی اور بخل کرتا ہو تو عورت اخراجات کی نگرانی کرے اور ایسی صورت میں مرد کو اس نگرانی اور اہتمام کا حق نہیں رہ جاتا۔ صحیحین میں عائشہ سے مروی ہے کہ (**يا رسول الله، إن أبا سفيان رجل شحيح، وليس يعطيني من النفقة ما يكفيني وولدي. فقال: خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف**) "ہند بنت عتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ ابوسفیان بخیل شخص ہے اور مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچے کیلئے کافی ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اتنا لے لو جو معروف طریقے پر تمہارے اور تمہارے بچوں کیلئے کافی ہو"۔ یہ کام قاضی کا ہے کہ وہ شوہر کو نفقہ ادا کرنے پر مجبور کرے اور عورت کو اس نفقہ پر نگرانی کا حق دلائے۔ ایسی صورت میں نفقہ کی نگرانی کا اختیار شوہر کو نہیں ہوتا۔

اس طرح اسلام میں مختلف قسم کے احکام وارد ہوئے ہیں، اِن میں بعض مردوں کیلئے خاص ہیں تو بعض خواتین کیلئے مخصوص ہیں۔ بعض میں مرد اور عورتوں میں فرق رکھا گیا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ مرد اور عورتیں دونوں انھیں دل سے قبول کریں جو اللہ نے اُن کیلئے مخصوص فرمائے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ مزید یہ کہ وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے سے حسد نہ کریں اور نہ ہی اُس کی تمنا کریں جو دوسرے کو دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (**وَلاَ تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ**) "اور ایسی بات کی تمنا مت کرو جس میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کیلئے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کیلئے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا" (النساء:32)۔ اسلام کے احکام کا مردوں اور عورتوں کیلئے اس طرح مخصوص ہونے کے معنی اُن کے درمیان عدم مساوات (Inequality) نہیں ہیں۔ یہ تخصیص عورت کے افعال کو اُس کے عورت ہونے کے اعتبار

سے حل کرتی ہے اور مرد کے افعال کو اس کے مرد ہونے کے لحاظ سے حل کرتی ہے۔ ان تمام افعال کے متعلق انسانی افعال ہونے کے لحاظ سے شارع نے خطاب کیا ہے۔ جب اِن تمام احکام کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ حل ایک انسان کی ایک قسم کیلئے خاص ہے اور یہ لازم ہے کہ یہ حل انسان کی دوسری قسم سے مختلف ہو اور اس حل میں مساوات یا عدمِ مساوات کے کسی پہلو کا لحاظ نہیں رکھا گیا کیونکہ یہاں یہ پہلو زیرِ بحث ہی نہیں ہے۔ یہاں تو صرف یہ موضوع زیرِ غور ہے کہ یہ حل ایک مخصوص انسان کے مخصوص فعل کیلئے ہے۔ مرد اور عورت کے مخصوص احکام میں فرق کی یہی حقیقت ہے اور بہر حال یہ احکام ایک انسانی مسئلے کا حل ہیں خواہ یہ وہ احکام ہیں جو مرد اور عورت دونوں کیلئے ہوں جیسے علم حاصل کرنے کی فرضیت، یا وہ احکام ہوں جن میں مرد اور عورت کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے جیسے دونوں کی ستر کا فرق ہونا۔ اس فرق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان فرق یا تمیز ہے یا پھر مساوات یا عدمِ مساوات ہے۔ اب جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس میں خواتین کو اُن کی عقل و خرد (intellect) یا اُن کے دین کے لحاظ سے کمتر بتایا ہے تو ان کے معانی محض اثرات کے حوالے سے ہیں۔ اِس کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ اُن کی عقل کمتر ہے یا دین میں کمی ہے کیونکہ جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو یہ باعتبارِ فطرت دونوں میں ایک ہی ہے اور دین کی پابندی مرد اور عورت کے ایمان اور افعال کے لحاظ سے ایک جیسی ہی ہے۔ اِن روایات میں جس کمی کا ذکر ہے وہ عورت کی شہادت یا گواہی کے حوالے سے ہے کیونکہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور عورتوں کے نماز کے ایام حیض اور نفاس کے دنوں میں نماز نہ پڑھ سکنے کے سبب مردوں سے کم ہیں اور رمضان کے ماہ میں بھی حیض و نفاس کے سبب عورت روزہ رکھنے سے معذور ہوتی ہے۔

یہ ہے حقوق اور واجبات کا تناظر یعنی وہ احکامِ شریعہ کہ جن کا اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان ہونے کے لحاظ سے مکلف بنایا ہے اور انسان کی ایک جنس یعنی مرد یا عورت ہونے کے اعتبار سے اُس جنس کی رعایت روا رکھی ہے۔ اسلامی قانون سازی میں جہاں کسی شخص کا مرد یا عورت ہونا ملحوظ ہے، وہیں اس کا انسان ہونا بھی ملحوظ ہے اور اس حوالے سے اُن کے درمیان نہ کوئی تمیز قابلِ لحاظ ہے اور نہ ہی مساوات اور عدم مساوات کا پہلو قابلِ غور ہے۔

خواتین کی سرگرمیاں

اسلام کی فطرت اُن اعمال کا تعیّن کرتی ہے جو مرد اور عورت دونوں کیلئے بحیثیتِ انسان یکساں طور پر اور بغیر کسی تفریق و تمیز کے سرانجام دینا مباح یا جائز ہیں۔ اسی طرح اسلام بغیر کسی تفریق و تمیز کے مختلف اعمال کو اُن کیلئے فرض، حرام، مکروہ یا مندوب ٹھہراتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ افعال جو ایک مرد، انسان ہونے کے علاوہ مرد ہونے کی حیثیت سے، یا خاتون انسان ہونے کے علاوہ عورت ہونے کی حیثیت سے ادا کرتی ہے، شریعت نے اُن میں تفریق و تمیز کی ہے، خواہ یہ فرائض میں سے ہوں، مندوب ہوں، مکروہ یا مباح ہوں یا حرام ہوں۔ چنانچہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ شریعت نے حکومت و اقتدار کے امور مردوں کیلئے خاص کر دیے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اولاد کی پرورش کا حق خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، اُنھیں مردوں کو نہ سونپ کر عورت کو سونپا ہے۔ لہٰذا یہ ناگزیر ہے کہ وہ افعال جو عورت سے بحیثیتِ عورت متعلق ہیں، وہ خواتین کے ذمے رہیں اور جو مردوں سے مرد ہونے کی حیثیت سے تعلق رکھتے ہوں وہ مرد کے حوالے کئے جائیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی مرد اور عورت دونوں کی تخلیق کرنے والا ہے، وہی مرد اور عورت کو بہتر جانتا ہے، لہٰذا ہمارے لئے یہی صحیح ہے کہ ہم اُس کی طے کردہ حدود سے تجاوز نہ کریں بلکہ اُن حدود کی پابندی کریں، خواہ یہ افعال مردوں کے ہوں یا عورتوں کے کیونکہ وہی اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس چیز میں انسان کیلئے خیر و بھلائی ہے۔ لہٰذا ایسی کوئی بھی کوشش کہ عقل کے ذریعہ طے کر کے کسی فعل کو جو عورت کیلئے خاص ہے اُس سے عورت کو روک دینا اور یہ کہنا کہ اس کا عورت سے کوئی تعلق نہیں یا عورت کو انصاف دینے کے حوالے سے اس کے سپرد کوئی ایسا کام کر دینا جو مرد کیلئے خاص ہے اور یہ کہنا کہ یہ مساوات کا تقاضا ہے، یہ دونوں باتیں شریعت

سے تجاوز کرنا ہے، یہ یکسر غلط اور فساد و بگاڑ کی جڑ ہے۔

شریعت نے عورت کو ماں اور خانہ دار (housewife) بنایا ہے، لہٰذا شریعت میں حمل، ولادت، دودھ کا پلانا، چھوٹے بچوں کی پرورش و کفالت اور عدت کے احکام وارد ہوئے اور یہ مرد کیلئے نہیں ہیں کیونکہ یہ احکامات عورت کیلئے بحیثیت عورت نازل ہوئے ہیں۔ عورت پر بچے کی ذمہ داری ڈالی گئی، اُس کا حمل، ولادت پھر اس کی شیر خواری اور پرورش کا ذمہ دیا گیا۔ یہ افعال عورت کی بڑی اہم اور عظیم ذمہ داریاں ہیں۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ عورت کا بنیادی اور اصل کام یہ ہے کہ وہ ایک ماں اور خانہ دار ہے کیونکہ اسی کام کے ذریعے بنی نوعِ انسان کی بقاء ہے اور کیونکہ یہ ذمہ داری عورتوں کیلئے مخصوص ہے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ جو بھی افعال عورت کیلئے مخصوص ہیں یا جو بھی ذمہ داریاں اُس پر ڈالی گئی ہیں، یعنی ماں ہونے اور اولاد کی پرورش، عورت کو ان ذمہ داریوں پر برقرار رہنا چاہئے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت نے عورت کو، اگر وہ حاملہ ہو یا دودھ پلاتی ہو تو وہ رمضان کے روزے چھوڑ سکتی ہے اور ایامِ حیض اور نفاس کے دوران نماز کی بھی چھوٹ دی ہے اور مرد پر اپنے بچے کو لے کر اُس شہر سے باہر سفر کرنے سے روک دیا ہے، جہاں ماں رہتی ہو، جبکہ بچہ ماں کے زیرِ کفالت ہو۔ یہ تمام اس لئے ہے تاکہ عورت اپنی بنیادی ذمہ داری یعنی ماں ہونے اور خانہ داری کی ذمہ داریوں کو مکمل کر سکے۔

البتہ اِن ذمہ داریوں کے عورت کی بنیادی ذمہ داری ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بس ان ہی میں محدود ہے اور اِن کے علاوہ دیگر افعال سے اسے روک دیا گیا ہے، بلکہ اس کے معانی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی تخلیق اس لئے کی ہے کہ مرد اس کے ساتھ راحت و اطمینان سے رہے اور اس سے اس کی نسل آگے بڑھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً) "اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس میں سے بیویاں بنائی ہیں اور پھر تمہاری بیویوں میں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کئے" (النحل:72)۔ اور فرمایا: (وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا) "اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری جنس میں سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو" (روم:21)۔ لیکن اس کے ساتھ اس کی تخلیق اس لئے بھی کی گئی کہ وہ خانہ داری سے باہر عمومی زندگی میں بھی حصہ لے جیسے وہ خانگی زندگی میں حصہ لیتی ہے۔ چنانچہ عورت پر دعوت کا پہنچانا فرض کیا گیا اور اپنی زندگی میں پیش آنے والے معاملات کیلئے ضروری علم کا حاصل کرنا فرض کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ

نے عورت کو اسی طرح تجارت، کرایہ داری اور وکیل و نمائندہ بننے کی اجازت دی ہے اور اس پر جھوٹ، دغا، اور خیانت کو حرام رکھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اِن چیزوں کو مردوں کیلئے فرض یا حرام کیا ہے یا اِن کی اجازت دی ہے۔ نیز عورت کے لئے زراعت و صنعت میں کام کرنا اسی طرح جائز ہے جیسا کہ تجارت کرنا اور وہ عقود (contracts) طے کر سکتی ہے، ہر قسم کی ملکیت رکھ سکتی ہے اور اپنے مال کو فروغ دے سکتی ہے۔ اس کے لیے یہ بھی جائز کہ وہ زندگی کے اپنے معاملات خود نمٹائے، شراکت (partnership) کرے یا ملازمت کرے، لوگوں کو ملازمت پر رکھے، جائداد کرائے پر لے یا چیزوں کو کرائے پر لے اور تمام معاملات خود ہی طے کرے۔ یہ سب اس لئے ہے کیونکہ شارع (اللہ تعالیٰ) کا خطاب عام ہے اور اس خطاب میں عورتوں کو ان کاموں سے روکا نہیں گیا۔ البتہ عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ حکومت کرے چنانچہ وہ ریاست کی سربراہ (خلیفہ)، معاون، والی (گورنر) یا عامل (mayor) نہیں بن سکتی کیونکہ بخاری میں ابی بکرۃ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ فارس کے لوگوں نے کسریٰ کی بیٹی کو ملکہ بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: **(لن یفلح قوم ولّو امرھم امرۃ)** "وہ قوم جو عورت کو اپنے معاملات کا والی بنالے کبھی فلاح یاب نہیں ہوگی"۔ یہ حدیث واضح طور پر عورت کے حاکم بننے کو حرام قرار دیتی ہے، کیونکہ اس میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو عورت کو اپنے امور پر نگران اور حاکم بنائیں۔ یہاں ولی امر سے مراد حاکم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: **(یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اَطِیْعُواْ اللّٰہَ وَاَطِیْعُواْ الرَّسُولَ وَاُوْلِیْ الاَمْرِ مِنکُمْ)** "اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور صاحبانِ اقتدار و اختیار کی جو تم میں سے ہوں"۔ (سورۃ النساء:59)۔ لہٰذا حکومت و اقتدار کا عورتوں کو سونپنا جائز نہیں، البتہ حکمران کے علاوہ دیگر عہدوں پر عورتوں کیلئے کام کرنا جائز ہے۔ عورت ریاستی ملازم بن سکتی ہے کیونکہ یہ حکمرانی کرنا نہیں بلکہ اجارۃ (ملازمت) کے زمرے میں آتا ہے۔ ایک ریاستی ملازم حکومت کا مخصوص ملازم ہوتا اور اُس کی حیثیت کسی شخص یا کسی کمپنی کے ملازم کی طرح ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح عورت کیلئے قاضی بننا بھی جائز ہے کیونکہ قاضی حکمران نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگوں کے درمیان تنازعات کے فیصلے کرتا ہے اور فریقین کو اُن کے معاملے میں شرعی حکم سے آگاہ کرتا ہے جس پر عمل کرنا اُن پر لازم ہوتا ہے، چنانچہ قضاء (عدلیہ) کی تعریف یہ ہے کہ یہ شرعی حکم کی خبر ہے جس کا لاگو ہونا لازم ہو۔ الغرض قاضی ملازم ہوتا ہے نہ کہ حاکم اور وہ ریاست کے دوسرے ملازمین کی طرح حکومت کی ملازمت کرتا ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے

بارے روایت ہے کہ اُنھوں نے اپنے لوگوں میں سے شفاء نام کی ایک خاتون کو بازار کا قاضی مقرر فرمایا تھا یعنی قاضی حسبہ کہ وہ قانون شکنی کے تمام معاملات پر فیصلے کرے۔ عورت کے قاضی بننے کا جواز حدیث کا متن اور قاضی کے کام کی حقیقت ہے۔ اگر عورت کے حاکم نہ بننے سے متعلق حدیث کو قضاء کے معاملے پر منطبق (apply) کیا جاسکتا ہو تا تو عورت کا قاضی بننا جائز نہ ہو تا، اور اگر یہ حدیث قضاء کے معاملہ پر منطبق نہیں ہوتی تو اس حدیث کو دلیل بنا کر عورت کو قاضی بننے سے روکنا صحیح نہیں۔ اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہو تا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس قوم کی مذمت فرمائی جو اپنے امور کی دیکھ بھال عورت کے سپرد کر دیں۔ آپ ﷺ کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے ایک عورت کو اپنی ملکہ بنالیا ہے اور آپ ﷺ کا یہ قول اس خبر پر ردِ عمل اور پوچھے گئے سوال کا جواب تھا۔ یہ ردِ عمل اسی موضوع سے متعلق ہے اور اسے کسی اور موضوع پر منطبق نہیں کیا جائے گا۔ اس واقعہ میں خبر کا موضوع ریاست اور اس کا اقتدار و حکومت ہے۔ یہ بات ایک زاویے سے ہوئی۔ دوسری طرف دیکھیں تو یہاں ممانعت ولایتِ عامہ کی ہے جو کہ لوگوں کے امور کے متعلق اختیار ہے اور یہی حدیث کے معانی ہیں اور اسی کی طرف حدیث اشارہ کرتی ہے۔ جہاں تک عدلیہ کا تعلق ہے، تو اس کی حقیقت خلیفہ یا والی کے عمل سے مختلف ہوتی ہے۔ خلیفہ یا والی کا کام یہ ہو تا ہے کہ وہ براہِ راست قانون کو نافذ کریں، اس میں کسی معاملے کا اُن کے روبرو پیش کیا جانا، یا قاضی کے فیصلے کا اُن تک پہنچنا شرط نہیں ہو تا، وہ خود شریعت کی کسی بھی خلاف ورزی پر فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ حاکم کسی بھی مدعی کی عدم موجودگی میں بھی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف حکم صادر کرتا ہے اور اس حکم کو لاگو کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایک قاضی کسی معاملے پر اسی صورت میں ہی حکم صادر کرتا ہے جب کسی کی جانب سے وہ معاملہ اس کے روبرو پیش کیا جائے اور دونوں فریق اس کے سامنے ہوں۔ قاضی کسی معاملہ کی اس وقت سنوائی کرتا ہے جب کوئی معاملہ اس تک لایا جائے۔ لیکن اگر معاملہ اس تک نہ لایا جائے تو قاضی کوئی حکم صادر نہیں کرتا۔ قاضی کا کام یہ ہو تا ہے کہ وہ اُس معاملے میں حکمِ شرعی بیان کرتا ہے جو قابلِ التزام ہو تا ہے۔ قاضی کو حکم کے نفاذ کا اختیار نہیں ہو تا تاوقیکہ اسے قاضی و حاکم مقرر کیا گیا ہو۔ جب اسے قاضی و حاکم دونوں منصبوں پر مقرر کیا گیا ہو تو وہ بحیثیتِ قاضی فیصلہ صادر کرتا ہے اور بطورِ حاکم اسے نافذ کرتا ہے۔ لہٰذا عدلیہ کی حقیقت حاکم سے مختلف ہوتی ہے اور مذکورہ حدیث کا اطلاق قاضی پر نہیں ہو تا۔ مزید یہ کہ قضاء کا کسی معاملے پر اتھارٹی سے کوئی تعلق نہیں اور جس جگہ پر قاضی کا تعین کیا گیا ہو اسے وہاں کے لوگوں پر اختیار اور اتھارٹی حاصل

نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اسے فریقین پر بھی اقتدار حاصل نہیں ہوتا۔ قاضی کی اطاعت بھی واجب نہیں ہوتی، ہاں اُس کا حکم نافذ کرنا فرض ہوتا ہے کیونکہ وہ اُس مخصوص معاملے کے متعلق حکمِ شرعی ہے نہ کہ یہ قاضی کا حکم ہے، یہاں تک کہ اُس کا کوئی فیصلہ جو مجلسِ عدالت سے باہر بیان کیا گیا ہو وہ قاضی کا فیصلہ نہیں گردانا جاتا۔ اگر قاضی کسی واقعہ کا مشاہدہ کرے یا اُس تک کسی واقعہ کی اطلاع پہنچے تو یہ امر اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اس پر کوئی فیصلہ صادر کرے جب تک کہ یہ سننا اور دیکھنا مجلسِ قضاء میں نہ ہوا ہو۔ جبکہ حکمران کا معاملہ مختلف ہے کہ جس کی اطاعت ہر حال میں فرض ہے اور اُسے حکم صادر کرنے کیلئے کسی متعین مجلس کی ضرورت نہیں۔ حاکم اپنے گھر میں بیٹھ کر حکم جاری کر سکتا ہے، سڑک پر کر سکتا ہے، ریاست کے مرکز میں کر سکتا ہے یا کسی بھی اور جگہ پر حکم جاری کر سکتا ہے، اُس کی اطاعت بہر حال فرض ہی ہوگی۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**ومن يطع الامير فقد اَطاعانی**)"اور جس نے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی"۔ چنانچہ وہ حدیث جس میں عورت کے حاکم بننے کی ممانعت کی گئی ہے اس کا اطلاق قاضی پر ہر گز نہیں ہوتا اور اس حدیث کی رُو سے عورت کیلئے قاضی بننے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ قاضی کی حقیقت یہ کہ وہ حکمران کا ایک ملازم ہوتا ہے جسے مخصوص اجرت پر معین کام کیلئے رکھا گیا ہے۔ اجرت اور اجیر کا لفظ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے۔ یہ ہر قسم کے اجیر یعنی ملازم اور ہر کام پر مشتمل ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید پڑھانے والے کو بھی اجیر بتایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: (**إن خيرَ ما أخذتم عليه أجراً كتاب الله**)"بے شک بہترین عمل جس پر تم اجرت لو، وہ اللہ کی کتاب (کا پڑھانا) ہے"بخاری نے اس حدیث کو ابنِ عباس سے روایت کیا۔ چنانچہ ایک قاضی بھی اجیر یا ملازم ہوتا ہے اور وہ رقم جو وہ بیت المال سے حاصل کرتا ہے وہ اُس کی اجرت ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قاضی حاکم کا معاون ہوتا ہے لہٰذا وہ حکمرانی کے زمرے میں ہوا، کیونکہ قاضی حاکم کا ملازم ہے نہ کہ اس کا معاون۔ قاضی کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ فریقین کے تنازعے کی حقیقت کو سمجھے، پھر اُس معاملے سے متعلق خلیفہ کی طرف سے تبنی کردہ شرعی احکام کے انطباق کا جائزہ لے اور اگر اس معاملے سے متعلق خلیفہ کی طرف سے کوئی حکمِ شرعی تبنی نہ کیا گیا ہو تو خود طے کرے کہ کیا حکمِ شرعی لاگو کرنا ہے۔ لہٰذا قاضی ایک ملازم ہے جسے ایک متعین اجرت پر مخصوص کام کیلئے رکھا گیا ہے۔

یہ گفتگو قاضی اور قاضیٔ حسبہ کے متعلق تھی۔ جہاں تک قاضیٔ مظالم کا سوال ہے، تو یہ جائز نہیں کہ عورت قاضیٔ

مظالم ہو کیونکہ یہ منصب اور اس کا کام حکمرانی کے ضمن میں ہیں اور اس پر اوپر بیان کی گئی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حاکم کی جانب سے واقع ہونے والے مظالم، خواہ کوئی مدعی اِنھیں اُٹھائے یا نہ اُٹھائے، یہ مظالم کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس میں قاضی کیلئے ضروری نہیں کہ وہ مدعی علیہ یعنی حاکم (defendant) کو طلب کرے۔ گو کہ قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اُنھیں اپنے سامنے پیش ہونے کیلئے بلائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ بلائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ وہ نہیں جہاں قاضی کو اس معاملہ میں حکم شرعی بیان کرنا ہے، بلکہ وہ مظلمہ جو حاکم کی جانب سے عوام پر واقع ہوا ہے، اُس کا ازالہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ مظالم کی عدلیہ کی حقیقتِ واقع یہ ہے کہ یہ شعبہ حکمرانی سے متعلق ہے اور اس لئے جائز نہیں کہ عورت اس منصب پر فائز ہو۔

اب مسئلہ یہ باقی رہا کہ اگر مجلسِ امت موجود ہو تو آیا عورت کیلئے اس کا رکن ہونا جائز ہے یا نہیں؟ یہ امر بعض لوگوں کیلئے مجہول ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ اسلام کی مجلسِ امت کو نظامِ جمہوریت کی پارلیمنٹ کا قائم مقام مان کر سمجھ لیتے ہیں کہ اس کی رکنیت عورت کیلئے جائز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کی پارلیمنٹ اور اسلام کی مجلسِ امت میں فرق ہے۔ جمہوری نظام میں پارلیمنٹ حکمرانی کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ اس کے پاس حکمرانی کے اختیارات ہوتے ہیں، وہی صدرِ مملکت کا انتخاب کرتی ہے اور وہی اس کو برطرف بھی کرتی ہے، وہی وزراء کی کابینہ کو اعتماد کا ووٹ دیتی ہے اور وہی عدم اعتماد کی قرارداد منظور کرتی ہے اور فی الفور اس کے اقتدار کو ختم کر دیتی ہے۔ پارلیمنٹ کی حقیقت تین امور پر مشتمل ہوتی ہے: پہلا یہ کہ وہ حکومت پر نظر رکھتی ہے اور اس کا محاسبہ کرتی ہے، دوسرے یہ قوانین و احکام کو منظوری دیتی ہے اور تیسرے یہ حکام کو مقرر اور معزول کرتی ہے۔ اِن امور میں پہلا، یعنی حکومت پر نظر رکھنا اور اس کا محاسبہ کرنا حکمرانی کے زمرے میں نہیں، جبکہ قوانین کو منظور کرنا، حکام کو مقرر اور برطرف کرنا حکمرانی میں داخل ہے۔ اس کے برخلاف اسلام کی مجلسِ امت کے احوال یہ ہیں کہ وہ حاکم کا محاسبہ کرتی ہے اور حکومت پر نظر رکھتی ہے اور جہاں ضروری ہو وہاں اپنی ناراضگی کا اظہار کرتی ہے مثلاً عوام کی بہبود میں واقع ہوئی کسی خامی یا کوتاہی کے معاملہ میں یا اسلام کے نفاذ میں سست رَوِی برتی جانے پر یا دعوت کے ابلاغ کو فراموش کرنے پر وغیرہ۔ تاہم مجلسِ امت قوانین کو منظور نہیں کرتی، نہ ہی وہ حاکم کا تقرر کرتی اور نہ ہی وہ اسے معزول ہی کرتی ہے۔ لہٰذا مجلسِ امت کی حیثیت پارلیمنٹ سے مختلف ہے اور اس لئے عورت کا اس میں رکن ہونا جائز ہے

کیونکہ یہ حکمرانی کے ضمن میں نہیں آتا۔ نیز عورت کیلئے پارلیمنٹ کی رکن ہونے کی اجازت نہیں کیونکہ وہ حکمرانی میں شامل ہے، سوائے اس کے کہ عورت کی رکنیت محض محاسبہ، نظر رکھنے اور دعوت کے ابلاغ تک مقید ہو۔ اسی طرح مرد کیلئے بھی پارلیمنٹ کی رکنیت جائز نہیں جب تک کہ اس کی رکنیت محاسبہ، نظر رکھنے اور دعوت کے ابلاغ تک محدود نہ ہو۔ کیونکہ گو مرد کیلئے حاکم بننا صحیح ہے، لیکن وہ صرف اُنہی احکام کے ذریعے حکمرانی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں، جبکہ پارلیمنٹ کا کام جمہوری سرمایہ داری کے نظام کے تحت حکمرانی کرنا ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ عورت کیلئے حاکمیت کے عدم جواز کے یہ معنی نہیں کہ اس کے لیے حکمران کے انتخاب میں شامل ہونا جائز نہیں۔ حاکمیت کا عورت کیلئے جائز نہ ہونا رسول اللہ ﷺ کی واضح ممانعت کی بنا پر ہے، جیسا کہ ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(لن يفلح قوم ولّوا امرهم امرة)** "وہ قوم جو اپنے معاملاتِ حکمرانی عورتوں کے سپرد کر دے، ہرگز کامیاب نہیں ہو گی"۔ جبکہ عورت کا حاکم بننا اور حاکم کے انتخاب میں شریک ہونا دونوں مختلف چیزیں ہیں۔ انتخاب میں شریک ہونا اسے حکمرانی کے عہدے پر فائز نہیں کرتا، یہ محض اس چیز کا حق ہے کہ وہ ایسے شخص کا چناؤ کرے جو اس کے اوپر حکمرانی کرے۔ شریعت نے عورت کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ حکمران کا چناؤ کرے یا حکمرانی کے کسی بھی عمل کے لیے کسی بھی آدمی کا انتخاب کرے، کیونکہ اسے خلیفہ کی بیعت کی اجازت ہے لہٰذا اسے منتخب کرنے کا بھی اختیار ہے۔ بخاری نے ام عطیہ سے روایت کیا، وہ کہتی ہیں **(بايعنا النبي ﷺ فقرأ علينا أن لا يشركن بالله شيئاً ونهانا عن النياحة، فقبضت امرأة منا يدها فقالت: فلانة أسعدتني وأنا أريد أن أجزيها فلم يقل شيئاً فذهبت ثم رجعت)** "ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ ﷺ نے ہمیں آیت پڑھ کر سنائی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، ہمیں منع فرمایا کہ ہم مرے ہوؤں پر آہ وزاری نہ کریں، اُس وقت ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلاں عورت نے مجھے خوش کیا تھا میں چاہتی ہوں کہ اُس کا بدلہ دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس سے کچھ نہ کہا، چنانچہ وہ گئی اور پھر لوٹ آئی"۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بیعت نبوت کی بیعت نہیں بلکہ حاکمیت و اطاعت کی بیعت تھی۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کا حاکم کیلئے بیعت دینا جائز ہے لہٰذا حکمران کو منتخب کرنا بھی جائز ہے۔ نیز مجلسِ امت میں شرکت بھی جائز ہے کیونکہ مجلسِ امت سے مشورہ کیا جاتا ہے اور مجلس اپنے رائے کا اظہار کرتی ہے،

تاہم مجلس امت کو حکومت کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ مجلسِ امت حاکم کو تب ہی منتخب کر سکتی ہے جب اسے امت کی جانب سے یہ اختیار دیا کیا گیا ہو۔ یہ مجلس نہ ہی حاکم کو برطرف کرتی ہے اور نہ ہی قوانین وضع کرتی ہے۔ مجلس کا کام رائے دینے تک محدود ہے۔ ریاست کسی داخلی معاملے یا امر میں جسے وہ انجام دینے کا ارادہ رکھتی ہو مجلسِ امت کی طرف مشورے کیلئے رجوع کرتی ہے۔ نیز مجلسِ امت ریاست کی جانب سے انجام دیے ہوئے داخلی یا خارجی معاملات پر اس کا محاسبہ کرتی ہے یا پھر اپنی جانب سے کسی داخلی یا خارجی معاملے میں اپنی رائے پیش کرتی ہے۔ اس کے علاوہ مجلسِ امت خلافت کے امیدواروں کے بارے میں اپنی رائے پیش کرتی ہے، والیوں اور عاملوں کی کارکردگی پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتی ہے اور یہ سب رائے دینے کا عمل ہے۔ اس مجلس کا ایک کام خلیفہ کو مشورہ دینا بھی ہے جس کے قبول کئے جانے کا خلیفہ پابند نہیں ہوتا، جیسا کہ خلیفہ کی جانب سے تبنی کئے گئے کسی قانون پر اپنی رائے کا اظہار کرنا، اور یہ تمام چیزیں رائے دینے سے تعلق رکھتی ہیں نہ کہ حکمرانی سے۔ لہٰذا مجلس امت کا کام فقط رائے اور مشورہ ہے۔

اسی طرح مجلسِ امت کے اراکین صرف رائے اور مشورے میں امت کی نمائندگی کرتے ہیں نہ کہ حکومت میں یا حکمرانی کی تقرری میں، جب تک کہ امت اُنھیں حکمران کی تقرری میں اپنا نائب و نمائندہ مقرر نہ کرے۔ یہاں تک کہ جب مجلسِ امت کے اراکین والیوں اور عاملوں کی کارکردگی پر عدم رضامندی کا اظہار کرتے ہیں تو وہ والی یا عامل محض اس عدم اطمینان کے اظہار سے معزول نہیں ہو جاتے بلکہ اس رائے کی بنیاد پر خلیفہ اُنھیں برطرف کرتا ہے۔ یہ چیز جمہوری نظامِ پارلیمان سے مختلف ہے جہاں پارلیمنٹ جیسے ہی کابینہ پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کرتی ہے، کابینہ معزول تصوّر کی جاتی ہے اور صدرِ مملکت کو کابینہ برطرف نہیں کرنا پڑتی۔

لہٰذا جب مجلسِ امت کے اراکین رائے اور مشورے میں امت کے نائب ہیں تو عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ مجلسِ امت کے تمام اختیارات میں اپنی رائے کا اظہار کرے، وہ اقتصاد، سیاست یا قانون سازی یا دیگر امور سے متعلق اپنی رائے کو بیان کرے، وہ جسے چاہے حقِ رائے دہی کیلئے اپنا نائب و نمائندہ مقرر کرے یا خود کسی اور کی نمائندگی اور نیابت کرے۔ اسلام نے جس طرح مردوں کو یہ حق دیا ہے، عورت کو بھی اسی طرح اظہارِ رائے کا حق دیا ہے، کیونکہ اسلام میں شوریٰ مرد اور عورت دونوں کا یکساں حق ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَشَاوِرْهُم فِيْ الاَمْرِ) "اور ان سے امور میں

مشورہ لیتے رہو" (آل عمران:159) اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: (وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَ هُمْ) "اور اُن کے معاملات باہم مشورے سے چلتے ہیں" (شوریٰ:38)۔ قرآن کی یہ نص صیغۂ عام میں ہے اور عورت اور مرد دونوں پر مشتمل ہے۔ نیز معروف اور بھلائی کا حکم دینا اور برائی اور منکر سے روک دینا عورت اور مرد دونوں پر یکساں واجب ہے، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: (وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) "اور چاہئے کہ تم میں کم از کم ایک جماعت ایسی موجود ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیتے رہیں، اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں، اور یہی لوگ درحقیقت فلاح پانے والے ہیں" (آل عمران:104)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (من رأى منكم منكراً فليغيره) "تم میں سے جو کسی برائی کو ہوتا دیکھے، اسے چاہئے کہ وہ اسے بدل دے"۔ اس حدیث کا خطاب بھی مرد اور عورت دونوں سے ہے۔ نیز حاکموں کا محاسبہ اور اُنھیں نصیحت کرنا مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے۔ مسلم میں تمیم الداری سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (**الدينُ النصيحةُ، قيل لِمنْ يا رسول الله قال للهِ ولِرسولهِ ولأئِمَّةِ المسلمين وعامَّتِهِم**) "خیر خواہی یا نصیحت کرنا دین ہے۔ تو دریافت کیا گیا کہ خیر خواہی و نصیحت کس کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب، مسلمانوں کے امام و خلیفہ اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی"۔ یہاں آپ ﷺ نے محض ایک شخص کو نصیحت دینے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ یہ کہ ایک مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت، وہ مسلمانوں کے امام و خلیفہ کو نصیحت کرے۔ پھر یہ کہ چونکہ خواتین خود رسول اللہ ﷺ سے گفت و شنید کرتی تھیں اور سوال کیا کرتی تھیں، تو اس کا مطلب ہے عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ خلیفہ سے گفتگو کریں اور اس کے سامنے اپنا سوال رکھیں۔ جابر بن عبد اللہ سے مسلم نے روایت کیا ہے کہ: (**مضى حتى أتى النساء فوعظهن وذكّرهن وقال تصدقن فإن أكثركن حطب جهنم، فقامت امرأة من سطة النساء سفعاء الخدين، فقالت لم يا رسول الله ؟ ... الحديث**) "عید کے دن رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو وعظ فرمایا اور آگے بڑھے یہاں تک کہ عورتوں کے پاس پہنچے، اُنھیں وعظ فرمایا اور خبردار کیا کہ وہ صدقہ دیں کیونکہ اُن میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہیں۔ اُن کے درمیان سے ایک عورت اُٹھی جس کے گال گہری رنگت کے تھے اور اس نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول، ایسا کیوں ہے؟..." گویا جب رسول اللہ ﷺ نے ایک بات فرمائی تو خاتون نے اس پر سوال کیا۔ اسی طرح خولہ بنت ثعلبہ کا واقعہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے

پاس حاضر ہوئیں اور اپنے شوہر کی جانب سے اُنھیں ماں کہے جانے یعنی ظہار کے باعث طلاق کے بارے میں سوال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ اس بارے میں اُنھیں ابھی تک کوئی حکم نہیں پہنچا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے بحث کر رہی تھیں۔ یہ مشہور قصہ ہے جس کی جانب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا: (قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْ اِلَی اللهِ وَاللهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا) "یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کئے جا رہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا" (سورۃ المجادلہ: 1)۔ اس سے بلاشبہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خواتین خود رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کیا کرتی تھیں، لہٰذا اُنھیں ہر معاملہ میں گفتگو کرنے کا اختیار ہے اور اس بارے میں کسی کو شبہہ نہیں ہے، اور اسی پر اجماع ہے۔

پھر جہاں تک عورت کے اس اختیار کا معاملہ ہے کہ وہ اپنی بات رکھنے اور رائے کا اظہار کرنے کیلئے کسی کو بھی نائب یا نمائندہ بنا سکتی ہے، تو اس کے جواز میں بھی کوئی تأمل نہیں کیونکہ عورت کو نکاح، تجارت، کرائے داری وغیرہ کے معاملات میں کسی کو اپنا وکیل یا نائب بنانے کا اختیار حاصل ہے اور اس بات کا بھی کہ وہ خود کسی اور کی وکیل یا نائب بنے۔ عورت کا اختیار محض بعض مخصوص امور تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ مطلق و عام ہے اور رائے مشورہ پر بھی محیط ہے۔ لہٰذا اس کیلئے جائز ہے کہ وہ رائے مشورے کیلئے کسی اور کو اپنا نائب مقرر کرے یا خود کسی اور کی نمائندگی کرے۔

چونکہ مجلسِ امت ایک ایسی مجلس ہے جہاں آراء پیش کی جاتی ہیں اور مشورہ ہوتا ہے اور اس مجلس کے اراکین اس عمل میں عوام کی نمائندگی یا وکالت کرتے ہیں، لہٰذا عورت کیلئے جائز ہے کہ وہ مجلس کے لیے اپنا نمائندے کا انتخاب کرے یا خود منتخب ہو کر مجلس امت کا حصہ بنے۔ مزید یہ کہ بعثتِ نبوی کے تیرھویں سال یعنی ہجرت کے سال رسول اللہ ﷺ کے پاس انصار کے 73 مرد اور دو خواتین حاضر ہوئیں، قبیلۂ بنو مازن کی امّ عمارۃ بنت کلب اور بنو سلمہ کی اسماء بنی عمرو بن عدی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے مقام عقبہ پر ملنا طے کیا۔ یہ لوگ مع دونوں خواتین کے نصف شب کے وقت پہاڑی پر چڑھ کر پہنچے اور رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: (أبایعکم علی أن تمنعوني ما تمنعون به نساءکم وأبناءکم) "میں اس بات پر تم لوگوں سے بیعت لیتا ہوں کہ تم لوگ میری اس طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی کرتے ہو" (ابن حبان نے عوف بن مالک سے روایت کیا)۔ اور ان حضرات نے یہ بیعت کی: (بایعنا علی السمع والطاعة في عسرنا

ویسرنا ومنشطنا ومکرھنا، وأن نقول بالحق أینما کنا، لا نخاف في اللہ لومة لائم)"ہم نے بیعت کی کہ ہم تنگی میں آسانی میں، خوشی اور رنج میں رسول اللہ ﷺ کا ہر ارشاد سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے، اور رسول اللہ ﷺ کو اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو اپنے آپ پر ترجیح دیں گے، اور ہم جہاں کہیں بھی ہوں حق بات ہی کہیں گے، اور ہم اللہ کے دین کے معاملہ میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے"۔ (احمد اور نسائی نے عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا)۔ اس بیعت کی نوعیت سیاسی تھی۔ جب عورت کیلئے سیاسی بیعت جائز ہے تو منتخب کرنا اور خود منتخب ہونا بھی جائز ہے کیونکہ فی الحقیقت بیعت اور انتخاب ایک ہی نوعیت کے اعمال ہیں کہ جن کا تعلق خلیفہ کے انتخاب اور اس کی اطاعت سے ہے۔ اس چیز کی دلیل کہ بیعت اور انتخاب ایک ہی نوعیت کے اعمال ہیں، یہ ہے کہ جب تک خلیفہ کی بیعت نہ ہو جائے، وہ شرعاً خلیفہ نہیں بنتا، یعنی جو چیز اسے خلیفہ بناتی ہے وہ بیعت ہوتی ہے جو درحقیقت خلیفہ کو نصب کرتی ہے اور اور اس کے سننے اور اطاعت کرنے کا عہد ہوتی ہے۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ بیعت صرف سننے اور اطاعت کرنے کا عہد ہے، کیونکہ اس کے پابند وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو خلافت کے انعقاد کے بعد بیعت دیتے ہیں۔ کیونکہ ابتدائی بیعت یعنی بیعتِ انعقاد خلیفہ کو چننے کی ہوتی ہے اور اس کی سننے اور اطاعت کرنے کا عہد ہوتی ہے۔ اس بیعت میں رضا اور قبول شرط ہے کیونکہ بیعت رضامندی و اختیار کے ساتھ طے پانے والا عقد (contract) ہے، لہٰذا بیعت اور انتخاب ایک ہی زمرے سے ہیں۔ پس اس شخص کا انتخاب کرنا جو عورت کی رائے مجلس شوریٰ میں پیش کرے، اس کا اس زمرے میں ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ جب عورت کیلئے خلیفہ کے انتخاب میں حصہ لینا جائز ہے جو کہ حکومت کا اعلیٰ ترین منصب ہے، تو پھر کسی اور کا انتخاب کرنا جو خلیفہ سے کمتر ہے، اس کا جائز ہونا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اس طرح یہ واضح ہوا کہ عورت کیلئے مجلسِ امت کے اراکین کا انتخاب کرنا شرعاً جائز ہے۔

مجلسِ امت کے اراکین کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کے جواز کیلئے یہ دلیل بیعتِ عقبہ ثانیہ کے حوالے سے تھی۔ اب رہی بات کہ عورت خود بھی مجلسِ امت میں دوسروں کی نمائندگی اور نیابت کر سکتی ہے، تو اس کی دلیل یہ ہے کہ اس بیعت سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام لوگوں سے یعنی عورتوں اور مردوں دونوں سے فرمایا: (أخرجوا لي منكم اثني عشر نقيباً يكونون على قومهم بما فيهم كفلاء)"اپنے میں سے بارہ اشخاص (نقیب) کو چُن کر لاؤ جو اپنے

لوگوں کے اور خود کے ذمہ دار ہوں گے۔ (مسند احمد)۔ آپ ﷺ کا یہ حکم سب کیلئے تھا کہ وہ موجود لوگوں میں سے نمائندے چنیں۔ اس حکم میں محض مردوں کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ یہ شمولی خطاب تھا جس سے خواتین کو مستثنیٰ نہیں رکھا گیا، نہ منتخب کرنے کے لحاظ سے اور نہ ہی منتخب ہونے کے اعتبار سے۔ اس خطاب کی یہ عمومیت اُس وقت تک باقی رہے گی جب تک اسے صرف مردوں کیلئے مخصوص کر دیے جانے کی کوئی دلیل نہ ہو، جو کہ وارد نہیں ہوئی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب عورتوں اور مردوں دونوں کیلئے کسی کو منتخب کرنے اور خود منتخب ہونے کیلئے عام ہے۔

لہٰذا عورت کا مجلسِ امت میں خود دوسروں کی نمائندگی کیلئے منتخب ہونا، یا دوسروں کو اس مجلس کا رکن منتخب کرنے کا عمل، اپنی رائے رکھنے کیلئے کسی کو اپنا نائب اور وکیل بنانے اور خود کسی کا وکیل بننے کے حوالے سے بھی ثابت ہے اور بیعتِ عقبہ ثانیہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

اس امر میں کسی کو کلام نہیں ہونا چاہئے کہ شوریٰ کا حق مردوں اور عورتوں کیلئے یکساں ہے۔ نیز حکام کا محاسبہ بھی دونوں کا فرض ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی دونوں کیلئے لازمی ہے۔ پھر یہ کہ بھلائی کی نصیحت کے حکم میں بھی مرد اور عورت دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اپنی رائے کی نمائندگی کا حق بھی دونوں کو یکساں ہے اور عورت کو اپنی رائے رکھنے اور اس رائے کے اظہار کا حق حاصل ہے، اور اس چیز میں کوئی فرق نہیں کہ یہ رائے سیاسی نوعیت کی ہے، قانونی امور سے متعلق ہے یا کسی اور نوعیت کی۔ اور مجلسِ امت کی سرگرمیاں حکام کو مشورہ دینے، اُن کا محاسبہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مسلمانوں کے قائدین کو نصیحت کرنے پر مشتمل ہوتی ہیں، اور یہ تمام افعال رائے سے متعلق ہیں نہ کہ حکمرانی سے۔ لہٰذا اس کا تقاضا یہی ہے کہ اِن اعمال میں خواتین کی شرکت، اُن کے مجلسِ امت میں بحیثیت رکن ہونے اور کسی کو اپنا نمائندہ بنانے کے جواز میں کوئی شک و تأمل نہ ہو۔ اس کے باوجود بعض لوگوں کے نزدیک عورت کا کسی کو مجلسِ امت میں نمائندہ منتخب کرنے کا جواز مشکوک رہا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بیعت کو سننے اور اطاعت کرنے کے حوالے سے سمجھا گیا نہ کہ انتخاب کے اعتبار سے، لہٰذا ان لوگوں کو بیعت کے عمل میں انتخاب کے لیے دلیل نظر نہ آئی۔ تاہم جب حقیقت یہ ہے کہ مجلس امت کا کام شوریٰ اور رائے ہے، اور خواتین کو اپنی رائے رکھنے کیلئے کسی کو اپنا نائب مقرر کرنے کا اختیار ہے، تو لازماً اب کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا ہے کہ عورت مجلسِ امت کے اراکین منتخب کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی قابلِ لحاظ

حقیقت ہے کہ بیعت گو کہ اصلاً رضا کے اظہار کا حلف ہے لیکن بیعت محض اطاعت کا عقد ہی نہیں ہے بلکہ یہ فریقین کی طرف سے خلیفہ کا انتخاب بھی ہے۔ لہٰذا رضا مندی کا حلف اور انتخاب فی الحقیقت ایک ہی باب اور ایک ہی حکم میں شامل ہیں یعنی خلیفہ کا چناؤ۔ چنانچہ خواتین کو بیعت النساء والی حدیث کی رُو سے یہ اختیار ہے کہ وہ حکمران کا انتخاب کریں۔ اسی دلیل سے یہ بات بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوئی کہ ان کے لیے مجلسِ امت کے اراکین کا انتخاب جائز ہے۔ بعض لوگوں کو مجلسِ امت اور پارلیمنٹ میں مشابہت کی بنا پر عورتوں کے مجلس امت میں رکن ہونے کا جواز پر تشکیک ہے۔ البتہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مجلسِ امت کی حیثیت پارلیمنٹ سے سراسر مختلف ہے کیونکہ مجلس امت کا کام شوریٰ ہے اور پارلیمنٹ حاکمیت میں داخل ہوتی ہے، لہٰذا اِن دونوں چیزوں میں مشابہت بے بنیاد ہے اور نتیجتاً اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ خواتین مجلسِ امت میں شمولیت اختیار کر سکتی ہیں، کیونکہ اس بات کے متعلق شبہ دور ہو گیا کہ مجلسِ امت پارلیمنٹ کی مانند ہے۔ پس خواتین کا مجلس امت میں رکن ہونے اور کسی کو رکن منتخب کرنے پر کوئی شک و شبہ باقی نہیں، ماسوائے ان لوگوں کے نزدیک جو کہ ہٹ دھرم ہیں۔

اسلامی معاشرہ

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ خواتین وہ تمام اعمال کیسے انجام دے سکتی ہیں جس کی شریعت نے اُنھیں اجازت دے رکھی ہے مثلاً اُن کا سرکاری ملازم ہونا، تنازعات کے تصفیہ کیلئے قاضی (جج) بننا یا مجلسِ امت کی رکن کی حیثیت سے حکام سے بحث و مباحثہ کرنا اور اُن کا محاسبہ کرنا؟ جبکہ عورت پر عدم خلوت، اپنی زینت کا اظہار نہ کرنے اور اپنی زندگی خواتین اور محرم مردوں میں بسر کرنے جیسی پابندیاں عائد کی گئیں ہیں۔

بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ جب خواتین کے بازاروں میں آنے جانے اور مردوں سے گفتگو کرنے پر قدغن نہیں، معاشرے کی عمومی زندگی کے افعال و اعمال میں اپنا کردار ادا کرنے کی آزادی ہے، تو اخلاقیات کی کیونکر حفاظت ہو سکتی ہے اور اعلیٰ اقدار کو کیسے محفوظ رکھا جا سکتا ہے؟

یہ دو سوالات اور اس جیسے دیگر سوالات، تذبذب کا شکار لوگوں کے ہوتے ہیں جن کے سامنے شریعت کے معاشرتی نظام کے احکام رکھے جائیں تو اُن میں غیر یقینی کیفیت ہوتی ہے کیونکہ وہ اس سرمایہ دارانہ نظامِ حیات میں کفر کے پرچم تلے زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایسے میں اُن کیلئے اسلام کے نفاذ کا تصوّر کرنا محال ہے۔

ایسے سوالات کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے معاشرتی نظام میں متعدّد شرعی احکام ہیں جو آپس میں مربوط ہیں۔ ان احکام میں سے کسی حکم کی پابندی کا جو مطالبہ ایک مسلمان سے کیا گیا ہے، اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ دیگر احکام کو ترک کیا جا سکتا ہے بلکہ ایک مسلمان مرد یا عورت اس بات کے پابند ہیں کہ وہ تمام احکام کی پابندی کریں تاکہ کسی بھی فرد میں

تناقض (contradiction) نہ ہو کہ جس سے شرعی احکام متاثر ہوں۔ چنانچہ اسلام نے جہاں عورت کیلئے اس طرح سے یہ روا نہیں رکھا ہے کہ وہ کسی حکومتی ادارے میں ملازمت کرے، خواہ ایک نرس ہی کی حیثیت سے، تو وہ کسی باراتی دلہن کی طرح سج دھج کر مردوں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرتی پھرے اور اُن کی شہوت کو بھڑکائے۔ یا وہ اسی طرح زیبِ تن ہو کر بازاروں میں جائے اور اپنے لبھاؤ والے اندازِ گفتار سے اشیاء فروخت کرے جس سے گاہک کو اس سے سودے بازی کرنے میں لطف ہو اور وہ اس لبھاؤ پن کی گرفت میں زیادہ قیمت دے بیٹھے۔ اسی طرح اسلام کی یہ منشاء بھی نہیں کہا کہ اگر کام کا تقاضا ہو تو عورت کسی وکیل کی کلرک یا کسی تاجر (businessman) کی سکریٹری بنے اور اپنے کام کی وجہ سے اس کے ساتھ خلوت میں موجود ہو اور ایسا لباس زیب تن کرے جس سے اُس کے بال، اس کی آغوش، اُس کی پشت، کلائیاں، پنڈلیاں کھلی نظر آئیں اور وہ اُن لوگوں کے لیے شہوت کا سامان بنے۔

اسلام ایسا ہرگز نہیں چاہتا ہے، نہ ہی اس طرح کا معاشرہ چاہتا ہے جہاں مغربی طرزِ زندگی حاوی ہو کہ جس کی مثالیں ہمیں موجودہ غیر اسلامی معاشرے میں ملتی ہیں۔ اسلام تو یہ چاہتا یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنی ذات پر اس کے احکامات کو کامل طور پر نافذ کرے۔ لہٰذا جہاں اسلام نے عورت کو بازار میں خرید و فروخت کے معاملات کرنے کی اجازت دی ہے وہیں اسے اپنی زینت کے اظہار سے روک رکھا ہے۔ عورت کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ اِن دونوں احکام پر عمل کرے۔ ایک مسلمان کیلئے اسلام کا عقیدہ رکھنے کا حتمی تقاضا یہ ہے کہ وہ تمام احکام کو خود پر نافذ کرے۔ شریعتِ اسلام ایسے احکامات کا مجموعہ ہے جن میں بعض اوامر (commands) ہیں جن پر عمل پیرا ہونا ہے اور بعض نواہی (prohibitions) ہیں جن سے اجتناب کرنا ہے، تاکہ ایک مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت وہ اخلاقی بے راہ رَوی سے محفوظ رہے اور معاشرے میں جنسی لبھاؤ میں بہہ نہ جائے۔

ایسے احکام تعداد کے اعتبار سے بہت ہیں، البتہ اُن میں سے بعض اوامر مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ بے شک اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، ارشادِ باری تعالیٰ شانہ ہے: (قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَالِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ

خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ط وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ)"مؤمن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ طریقہ اُن کیلئے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ اُن باتوں سے پوری طرح باخبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور کہو مؤمن عورتوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"(سورۃ النساء:31-30)۔اپنی نظروں کو جھکالینا، مرد اور عورت دونوں کیلئے حقیقی حفاظت اور قلعہ بندی ہے۔ ایسی حفاظت ہی انسان کو حرام سے محفوظ رکھ سکتی کیونکہ نظر ہی حرام میں پڑنے کا فعّال وسیلہ ہے اور جب اسے جھکالیا تو گویا منکر کو روک دیا گیا۔

2- مرد اور عورت دونوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:(يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا)"اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ٹھیک ٹھیک بات کہو" (سورۃ الاحزاب:70)۔ اور فرمایا:(وَاتَّقِينَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا)"اور ڈرتی رہو اللہ سے، بے شک اللہ ہر چیز پر نگران ہے" (سورۃ الاحزاب:55) اور فرمایا:(وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى)"اور تقوے سے انجام کی بھلائی ہے"(سورۃ طٰہٰ:132)۔جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے متّصف ہو جائے تو وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے، اُس کی رضا اور جنت کا حریص ہو جاتا ہے اور یہ تقویٰ اسے منکر سے باز رکھتا ہے اور اللہ کی نافرمانی سے دور رکھتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی انسان کیلئے آخری ڈھال ہے جس سے بڑھ کر کوئی چیز اسے محرمات سے نہیں روک سکتی اور جب انسان تقویٰ کی صفت سے متّصف ہو جاتا ہے تو وہ کمال واحسان کی بلندیوں پر ہوتا ہے۔

3- مرد اور عورت دونوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ مشتبہات سے دور رہیں اور اُن سے احتیاط کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچے رہیں۔ وہ کسی ایسی جگہ نہ جائیں، نہ کسی ایسے فعل میں پڑیں اور نہ کسی ایسی صورتِ حال میں ملوث جہاں شبہہ ہو یا وہ مشکوک ہو، تاکہ حرام میں پڑنے سے بچے رہیں۔ صحیح مسلم میں نعمان بن بشیر ص سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(إن الحلالَ بيّن والحرام بيّن، وبينهما مشتبهات لا يعلمهن كثيرٌ من الناس، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام، كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يقع فيه. ألا وإن لكل ملك حمى، ألا وإن حمى الله محارمه)"حلال اور حرام واضح ہیں اور اُن کے درمیان مشکوک و مشتبہات

ہیں جنھیں بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص اِن مشکوک و مشتبہات سے خود کو بچائے تو اُس نے اپنا دین اور اپنی عزت محفوظ کر لی اور جو مشتبہات میں پڑا، وہ حرام میں پڑ گیا جیسے کوئی چرواہا اپنا گلّہ کسی کی چراگاہ (حمیٰ) کے بالکل قریب چَراتا ہے، وہ کسی بھی وقت اُس میں گھس سکتا ہے۔ خبردار! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ (حمیٰ) ہوتی ہے اور خبردار، اللہ کا یہ حمیٰ اُس کے حرام کردہ امور ہیں"۔ یہاں مشتبہات کی تین صورتیں ہیں:

پہلا: یہ شبہہ ہونا کہ کیا یہ چیز حرام ہے یا جائز، یا یہ کہ کوئی عمل فرض ہے یا حرام، مکروہ ہے یا مندوب یا مباح۔ کسی چیز کے بارے میں یا کسی کام کے تعلق سے ایسے شبہہ کے واقع ہونے سے اب اُس شخص کیلئے اُس چیز یا اُس فعل کا کرنا جائز نہیں رہتا تاوقتیکہ وہ شخص اس کے بارے میں شرعی حکم معلوم نہ کر لے۔ پھر پورا اطمینان ہونے کے بعد اُس طرف اپنا قدم بڑھائے جہاں اسے یہ غالب گمان ہو کہ یہی حکمِ شریعت ہے، خواہ وہ شخص ایسا بذاتِ خود اپنے اجتہاد سے کرے یا حکمِ شرعی کسی مجتہد سے معلوم کر لے یا کسی عالم سے اور خواہ وہ عالم مقلد ہو یا کوئی مقلدِ عامی ہو۔ بس اُس شخص کو اُس کے تقویٰ پر اطمینان ہو اور اُس موضوع میں اُس کے علم ہونے کا یقین ہو، نہ کہ اُس کے مطلق علم کا۔

دوسرا: ایک شخص کو کسی جائز فعل میں اُس کے حرام سے قریب ہونے کے سبب یہ شک ہو کہ وہ حرام میں پڑ سکتا ہے اور اسے حرام میں پڑنے کا خدشہ اور اندیشہ ہو، جیسے کسی ایسے بینک میں اپنا پیسہ جمع کرنا جو سودی کاروبار کرتا ہے، یا کسی ایسے تاجر کو انگور فروخت کرنا جس کا شراب بنانے کا کارخانہ بھی ہو، یا ایک مرد کا لڑکیوں کو روزانہ یا ہفتہ وار تعلیم دینا وغیرہ۔ یہ افعال مباح ہیں اور اِنھیں انجام دینا اُس کیلئے جائز ہے، لیکن تقویٰ کے لحاظ سے اولیٰ ہے کہ وہ اِنھیں انجام نہ دے۔

تیسرا: لوگ کسی جائز فعل کو ناجائز سمجھتے ہوں اور ایک شخص کو اُن کے برے گمان کا اندیشہ ہو کہ لوگ اس کے بارے میں غلط خیال کریں گے، جیسے ایک شخص کسی مشکوک جگہ سے گزرے اور لوگ اس کے بارے شک کریں کہ وہ ایک کرپٹ شخص ہے لہٰذا وہ شخص لوگوں کی وجہ سے اُس مباح کام سے دور رہے۔ یا کوئی شخص اپنی بیوی اور اپنے گھر کی محرم خواتین پر اپنا چہرہ ڈھانکنے پر سختی سے زور دیتا ہے جبکہ اُس کا اپنا نظریہ ہے کہ چہرہ ستر کا حصہ نہیں ہوتا۔ وہ چہرہ ڈھانکنے پر سختی اس لئے کرتا ہے کہ اسے خوف ہے کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص کی بیوی یا بہن بے پردہ ہے۔ اس صورتِ حال کے دو پہلو ہیں:

پہلا رُخ: کوئی چیز یا فعل جسے لوگ حرام یا مکروہ سمجھ رہے ہوں، وہ شرع میں واقعتا حرام یا مکروہ ہو اور ایک شخص کوئی مباح فعل سرانجام دے جبکہ لوگ یہ گمان کریں کہ اس نے ایک حرام عمل سرانجام دیا ہے۔ ایسی حالت میں یہ شخص لوگوں کی غلط فہمی کے باعث یا تو اس مباح کو ترک کر دے یا اُنھیں حقیقت سے آگاہ کرے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: (**عن علي بن الحسين أن صفية بنت حيي زوج النبي ﷺ أخبرته أنها جاءت رسول الله تزوره وهو معتكف في المسجد في العشر الأواخر من رمضان فتحدثت عنده ساعة من العشاء ثم قامت تنقلب فقام معها النبي يقلبها، حتى إذا بلغت باب المسجد الذي عند مسكن أم سلمة زوج النبي ﷺ مرّ بهما رجلان من الأنصار، فسلما على رسول الله ﷺ ثم نفذا، فقال لهما رسول الله ﷺ : على رسلكما إنما هي صفية بنت حيي. قالا: سبحان الله يا رسول الله وكبر عليهما ما قال. قال: إن الشيطان يجري من ابن آدم مبلغ الدم. وإني خشيت أن يقذف في قلوبكما**)" علی بن حسین سے روایت ہے کہ امّ المؤمنین صفیہ بنت حیی رمضان کے آخری عشرے میں رسول اللہ ﷺ سے ملنے کیلئے مسجد پہنچیں جبکہ آپ ﷺ اعتکاف میں تھے۔ اُنھوں نے عشاء کے بعد کچھ دیر آپ ﷺ سے بات کی اور پھر واپسی کیلئے اُٹھیں، آپ ﷺ اُنھیں مسجد کے اُس دروازے تک چھوڑنے آئے جو ام سلمہ کے گھر کی جانب تھا۔ دو انصاری آدمی وہاں سے گزر رہے تھے، اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور چلنے لگے، آپ نے اُنھیں روکا اور فرمایا: "یہ میری زوجہ صفیہ ہیں۔" اُن دونوں نے کہا: "سبحان اللہ، ہم بھلا آپ کے بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتے ہیں؟" اور اُنھیں آپ ﷺ کی یہ وضاحت گراں گزری۔ آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: "شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح ہر جگہ چلا جاتا ہے، مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دل میں نہ گھس جائے"۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اُن کے دلوں میں پیدا ہونے والے ممکنہ شبہات کا پہلے ہی تدارک فرمایا، حالانکہ آپ ﷺ کی ذات ہر شبہ سے پاک ہے۔

دوسرا رُخ: لوگ کسی چیز کو حرام سمجھتے ہوں جبکہ فی الحقیقت وہ جائز ہو۔ ایسی صورت میں ایک شخص اُس جائز چیز یا فعل سے اس لئے اجتناب کرتا ہے کہ لوگ اسے حرام سمجھتے ہیں، نہ کہ اس لئے کہ وہ حرام ہے۔ اس بات کی اجازت نہیں کہ ایسے شبہات کی بناء پر اس عمل کو چھوڑ دیا جائے، بلکہ ضروری ہے کہ لوگوں کی پرواہ نہ کی جائے اور اس عمل کو اس انداز سے انجام

دیا جائے جو شرع نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر ہلکی سرزنش کی اور فرمایا: (وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللهُ اَحَقُّ اَن تَخْشَاهُ) "اور تم انسانوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو" (سورۃ الاحزاب: 37)۔ یہ حکم دلیل ہوا اس بات پر کہ مسلمان جب دیکھے کہ کسی عمل سے شریعت نے روکا نہیں ہے، تو اسے انجام دے خواہ باقی تمام لوگ سمجھتے ہوں کہ وہ حرام ہے۔

اگر عورت اور مرد اُن شبہات سے بچیں جن سے شریعت نے روکا ہے تو یہ چیز اُنھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھے گی اور وہ اعلیٰ اخلاق سے متصف ہوں گے۔

چوتھا: اسلام جلدی شادی کی ترغیب دیتا ہے تاکہ عورت و مرد کا جنسی تعلق شروع سے ہی رشتۂ ازدواج تک محدود رہے۔ اس طرح انسان جنسی میلان پیدا ہوتے ہی شادی تک محدود رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج**) "اے جوانو! تم میں سے جو عورت کے حقوق ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے ضرور نکاح کرنا چاہئے" (صحیحین: راوی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ)۔ اسلام نے مہر کو کم رکھ کر شادی کو انتہائی آسان بنایا ہے۔ ام المؤمنین عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**أعظم النساء بركة أيسرهن صداقاً**) "وہ عورت سب سے زیادہ بابرکت ہے جس کا مہر سہل ہو" (مستدرک الحاکم)۔

پانچواں: وہ لوگ جن کے مخصوص حالات اُن کی شادی میں رکاوٹ ہوں، اُنھیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ پاک دامنی اور ضبطِ نفس اختیار کریں، اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: (وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحاً حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللهُ مِن فَضْلِهِ) "اور وہ لوگ جو نکاح کی قدرت نہیں رکھتے، اُنھیں چاہئے کہ پاک دامن رہیں یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کردے" (سورۃ النور: 33)۔ انھیں حکم دیا گیا کہ وہ روزے رکھیں تاکہ جنسی جبلت پر ضبط ہو اور روزے کی عبادت سے اُنھیں اس میلان پر غلبہ حاصل کرنے میں مدد ملے اور اُن کا نفس ایسے کام میں مشغول رہے جو اعلیٰ اور بلند تر ہے، یعنی وہ اللہ کے پسندیدہ اعمال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو پختہ کرنے میں مشغول رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغضّ للبصر، وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه**

بالصوم، فإنه له وجاء)"اے جوانو!تم میں سے جو عورت کے حقوق ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے ضرور نکاح کرنا چاہئے کیونکہ یہ نگاہ کو جھکاتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جو کوئی عورت کے حقوق ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، یہ اُس کیلئے حفاظت ہے" (صحیحین: راوی عبداللہ ابن مسعود)۔ یہاں روزے سے یہ غرض نہیں کہ اُس کے ذریعہ جبلتِ نوع کو دبایا جائے یا کچلا جائے، بلکہ روزے کے ذریعے تقدیس اور تدین کی جبلت سے متعلق تصورات پیدا ہوں اور اور انسان جنسی رجحان یا جبلتِ نوع کی طرف متوجہ نہ رہے اور جبلتِ نوع کی عدم تشفی اسے مضطرب نہ کرے اور وہ بے چین و پریشان نہ ہو۔ نہ روزے سے مراد اس کے جسم کو کمزور کرنا ہے، کیونکہ رات کے دوران سحری کرنے اسے اتنی غذاء مل جاتی ہے جو دن میں کھانے کا نعم البدل ہوتی ہے اور بدن میں کمزوری نہیں ہوتی۔ نفلی روزے سے جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ روحانی تصوّرات کا فروغ ہے۔

چھٹا: عورتوں کو عام معاشرتی زندگی میں حیادار اور مکمل لباس میں رہنے کا حکم دیا گیا اور اُن کی نجی زندگی کو خواتین اور محرم مردوں تک محدود کر دیا گیا۔ لازمی امر ہے کہ حیادار لباس زیبِ تن کرنے سے عورت اور اُن لوگوں کی نظروں کے درمیان آڑ پیدا ہو جاتی ہے جنھیں اللہ کا ڈر نہ ہو۔ قرآن مجید میں اس لباس کو نہایت جامع اور مکمل طور پر باریکی سے بتا دیا گیا ہے۔ عورت کا یہ لباس اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ اپنے سینے(v-neck)تک خمار اوڑھے، جس سے سر، گردن اور سینہ مکمل ڈھک جائے، اُس کا جلباب پورے جسم کو اور نیچے قدموں تک کو ڈھک لے تب کہا جاسکتا ہے کہ اس کا لباس مکمل ہے اور اس کی حیا عیاں ہو رہی ہے۔ اس مکمل لباس میں اس کیلئے جائز ہے کہ وہ عام معاشرتی زندگی میں داخل ہو اور اپنے امور باحیا اور پر وقار طریقے پر انجام دے۔ اس طرح وہ اُن لوگوں کی ٹٹولتی نظروں سے محفوظ رہے گی جنھیں خوفِ خدا نہ ہو۔

یہ وہ شرعی احکام ہیں جنھیں بجالانا ہے، اس کے علاوہ کچھ وہ احکام ہیں جو کچھ امور سے اجتناب کرنے سے متعلق ہیں:

پہلا: عورت اور مرد کے درمیان خلوت کو روکا گیا ہے۔ خلوت یہ ہے کہ عورت اور مرد کسی ایسے مقام پر اکٹھا ہوں جہاں داخل ہونے کیلئے کسی اور کو اُن کی اجازت ضروری ہو جیسے گھر میں اُن کی ملاقات، یا کسی ایسی دور دراز کھلی جگہ میں اُن کا جمع ہونا جہاں

لوگوں کا گزر نہ ہوتا ہو۔ لغت قاموس المحیط میں ہے:(و استخلی الملک فاخلاہ و بہ و خلا بہ و الیہ و معہ خلواً و خلاء و خلوۃ سأله ان یجتمع به فی خلوۃ ففعل)۔ لہٰذا خلوت یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں تنہائی میں ایسے ملیں جہاں دوسرے موجود نہ ہوں۔ خلوت بذات خود تباہ کاری اور خرابی ہے۔ لہٰذا اسلام نے خلوت کو غیر محرم مرد اور عورت کے درمیان مطلقاً حرام رکھا ہے، خواہ یہ دو لوگ کوئی بھی ہوں اور اس خلوت کی کچھ بھی نوعیت ہو۔ صحیح مسلم میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**لا یخلون رجل بامرأۃ إلا ومعها ذو محرم منها، فإن ثالثهما الشیطان**)"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ ہو سوائے اس کے کہ اس عورت کا کوئی محرم اس کے ہمراہ ہو، یقیناً ان کے درمیان تیسرا شیطان ہے"۔ اس خلوت کو ممنوع کر کے شریعتِ اسلامی نے مرد اور عورت کے درمیان ضروری حفاظتی تدبیر پیدا کی ہے۔ خلوت فی الواقع ایسی ہوتی ہے کہ مرد اور عورت میں جنسی میلان کا باعث بنتی ہے۔ اس تنہائی یا خلوت سے روک کر اس سے پیدا ہونے والے فساد کا تدارک کر دیا گیا کیونکہ فی الحقیقت خلوت فساد کا سبب ہے۔

دوسرا: اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے کر عورت کو اپنی زینت (تبرج) کے اظہار سے روک دیا، فرمایا:(**وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ**)"اور وہ خانہ نشین بوڑھی عورتیں جنھیں اب نکاح کی توقع نہ رہی ہو، ان پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے (اوپری) اتار رکھیں بشرطیکہ وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کرنا چاہتی ہوں"(سورۃ النور:60)۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کو اپنی زینت کے مظاہرے سے روکا اور اگر وہ اپنی زینت کا اظہار نہیں کرتیں تو اُنھیں اپنے کپڑے (اوپری) ترک کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ جب بوڑھی عورتوں کو زینت کے اظہار سے منع کیا گیا ہے تو یہی حکم بوڑھی عورتوں کے علاوہ باقی عورتوں پر بدرجۂ اولیٰ ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:(**وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ**)"اور وہ اپنے پیر زمین پر اس طرح مار کر نہ چلیں کہ اُن کی وہ زینت ظاہر ہو جو اُنھوں نے چھپا رکھی ہے" (سورۃ النور:31)۔ کیونکہ ایسا کرنا تبرج میں شمار ہوتا ہے۔ تبرج اپنی زینت اور حسن کو غیر مردوں پر ظاہر کرنے کا نام ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ عورت نے تبرج کیا، تو اس کے معانی یہ ہوتے ہیں کہ اُس نے اپنی زینت اور اپنا حسن غیر محرموں کے سامنے ظاہر کیا۔ تبرج سے متعدد احادیث میں منع کیا گیا ہے۔ ابن حبان اور مستدرک میں ابو موسیٰ الاشعری سے مروی ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(أيما امرأة استعطرت فمرت على قوم ليجدوا من ريحها فهي زانية)"کوئی بھی عورت جو عطر استعمال کرے اور لوگوں کے درمیان سے اُنھیں اپنی خوشبو سنگھانے کیلئے گزرے، تو وہ زانیہ ہے"۔ یعنی ایسی عورت کا گناہ زانیہ کے مثل ہے۔ نیز صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(صنفان من أهل النار لم أرهما، قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات، رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة، لا يدخلن الجنة، ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا) "اہلِ جہنم میں دو قسم کے لوگ ہیں جنھیں میں نے نہیں دیکھا۔ کچھ لوگ گائے کی دُم کی طرح چابک ہاتھ میں لئے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو مار رہے ہوں گے، دوسری وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی۔ خود (برائی کی جانب) جھکتی ہوں گی اور لوگوں کو جھکاتی ہوں گی، اُن کے سر اونٹ کی کہان کی طرح ایک طرف جھکے ہوں گے۔ یہ جنت میں نہ داخل ہوں گی نہ اس کی خوشبو پائیں گی جبکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی دور (دنوں) کی مسافت سے بھی آتی ہوگی"۔ یہ تمام دلائل تبرج کی حرمت پر قطعی ہیں۔ لہٰذا تبرج مطلقاً حرام ہے۔ چنانچہ ایک عورت کا عام معاشرتی زندگی میں یا گھریلو زندگی میں غیر محرم مردوں کے سامنے عام زینت کے سوا ہر قسم کی زینت کرنا جو مردوں کی نظروں کو متوجہ کرتا ہو اور اُن کے حسن کو عیاں کرتا ہو، تبرج ہے۔ مثلاً عطر، بناؤ سنگھار، بغیر خمار کے کھلے سر پر مصنوعی بال لگانا، یا پینٹ پہن کر بغیر جلباب کے گھر سے باہر نکلنا۔

احوالِ واقعہ یہ ہے کہ تبرج مرد اور عورت دونوں کے جذبات پر اثر انداز ہوتا ہے اور اُن کی جبلتِ نوع کو جنسی عمل کیلئے اُکساتا ہے۔ یہ مردوں کو عورت کی جانب جھکنے پر مائل کرتا ہے اور اُن کے تعلق کو محض مؤنث و مذکر کی حیثیت میں مقید کرتا ہے جس سے یہ رشتہ محض جنسی رشتہ رہ جاتا ہے اور ان کے تعلق کو فاسد (کرپٹ) بناتا ہے اور ایسے فاسد تعلقات پر ایک صالح معاشرے کی بنیاد نہیں پڑتی بلکہ یہ معاشرے کی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ تبرج حقیقی قربتوں کی راہ میں حائل ہوتا ہے جس کیلئے طہارت و تقویٰ درکار ہیں۔ یہی تبرج زندگیوں کے خلاء کو بھڑکے ہوئے جذبات اور جبلتِ نوع سے بھر دیتا ہے؛ جبکہ زندگی کو تو اس کی بڑی ذمہ داریوں اور عظیم امور کی جانب متوجہ ہونا چاہئے نہ کہ تبرج سے بھڑکی ایسی جسمانی بھوک کی طرف۔ ایک مسلمان، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس تبرج کے نتیجے میں اپنی زندگی کے مقصد اور مشن سے غافل ہو جاتا ہے، جس کا حقیقی مقصد اسلامی دعوت کو پہنچانا اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کیلئے اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ لہٰذا

یہ ضروری ہوا کہ ہم تبرج کے اسلامی معاشرے کے لیے خطرات کو سمجھیں اور نسوانی حسن کے مظاہر، عورت کا مرد کو اکسانا، مرد اور عورت کے تعلق اور اسلامی معاشرے پر اس کے ضرر سے باشعور ہوں۔ یہ ہے وہ تبرج، اس کی حقیقت اور اس کے خطرات جسے اسلام نے حرام رکھا ہے۔ البتہ جہاں تک گھر اور نجی زندگی میں زینت کا سوال ہے تو وہ تبرج میں شمار نہیں ہوتا۔

تیسرا: اسلام نے عورت اور مرد، دونوں کو کسی بھی ایسے کام یا پیشے سے روکا ہے جو اخلاقیات کیلئے خطرہ ہو یا جس میں معاشرے کے بگاڑ کا سامان ہو۔ لہٰذا عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسا پیشہ اختیار کرے جس میں اُس کے نسوانی خواص کا استحصال (exploitation) ہوتا ہو۔ مسند احمد میں رافع ابن رفاعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: (**نهانا عن كسب الأَمَة إلا ما عملت بيديها. وقال: هكذا بأصابعه نحو الخبز والغزل والنَّفش**) "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں باندی عورت کی کمائی سے منع فرمایا سوائے اس کے جو وہ اپنے دو ہاتھوں کی محنت سے کمائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلیوں کے اشارے سے بتایا کہ جیسے روٹی پکا کر، بُنائی کر کے اور نقش نگاری سے"۔ لہٰذا عورتوں کا دُکانوں میں گاہکوں کو لبھانے کیلئے یا سفارت خانوں اور قونصل خانوں وغیرہ میں ان کی نسوانیت کے ذریعے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کیلئے یا ہوائی جہازوں میں میزبانی (ائیر ہوسٹس) کا کام کرنے کے لیے استعمال، جہاں اس کے نسوانی خواص کا استعمال مقصود ہو، یہ سب ممنوع ہیں۔

چوتھا: اسلام نے پاک دامن عورتوں پر بہتان تراشی سے منع کیا ہے، یعنی اُن پر زنا کے الزام سے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (**وَالَّذِيْنَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَداً وَاُوْلَائِكَ هُمُ الْفَاسِقُون**) "بے شک وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاک دامن بے خبر مؤمن عورتوں پر، پھر وہ چار گواہ نہ لا سکیں، تو انھیں اسّی کوڑے مارو اور کبھی بھی اُن کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں" (سورۃ النور:4)۔ اور فرمایا: (**إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ**) "بے شک وہ لوگ جو بے خبر، پاک دامن مؤمن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں لعنت کی گئی اُن پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اُن کیلئے عذابِ عظیم ہے" (سورۃ النور:23)

نیز صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے: (**اجتنبوا السبع موبقات، قالوا: وما هن يا**

رسول اللہ؟ قال:الشرک باللہ، والسحر، و قتل النفس التی حرم اللہ، وأکل الربا، وأکل مال الیتیم، و التولی یوم الزحف و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات)"سات عظیم اور تباہ کن گناہوں سے بچو، پوچھا گیا کہ اللہ کے رسول، وہ سات گناہ کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، کسی ذی روح کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے دن پیٹھ دکھا کر بھاگ جانا اور پاک دامن، بے خبر مؤمن عورتوں پر الزام تراشی کرنا"۔ اس حدیث میں پاک دامن عورتوں سے مراد پارسا عورتیں ہیں اور تمام پارسا صفت عورتوں پر تہمت لگانا حرام ہے۔ اس طرح پارسا خواتین پر الزام تراشی سے روک کر شریعت نے اُن لوگوں کی زبانیں بند کر دی ہیں جنھیں لوگوں کی آبرو مجروح کرنے کی عادت پڑی ہوتی ہے۔ یوں معاشرے میں افواہیں اور جھوٹے الزامات نہیں پھیلتے اور یہ اسلامی مُعاشرے کیلئے حفظِ ماتقدم (preventive cure) ہے۔

لہٰذا یہ شرعی احکام، جن میں بعض اعمال سے منع کیا گیا ہے، اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں ہونے والے تمام تعاون طہارت و تقوے کے دائرے میں ہوں۔

اِن تمام کی روشنی میں ایک شخص کیلئے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ یہ تصوّر کر سکے کہ اسلامی معاشرے کیسا ہوتا ہے اور محسوس کر سکے کہ مسلم خاتون کیا ہوتی ہے۔ نیز وہ یہ بھی ادراک کر سکتا ہے کہ ایک مسلم خاتون کے اُن کاموں کو انجام دینے میں جو شریعت نے اس کیلئے جائز کر رکھے ہیں، سے کسی قسم کا فساد و بگاڑ پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی ضرر کا سبب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ اعمال وہ ہیں جو اسلامی معاشرے اور اس کے عروج و ترقی کیلئے ضروری ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کیلئے لازمی ہے کہ وہ شریعت کے احکام کی پابندی کریں خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا دارالکفر میں، وہ مسلم ممالک میں ہوں یا غیر اسلامی ملک میں اور خواہ وہ مسلم معاشرے میں ہوں یا غیر مسلم معاشرے میں۔ اُنھیں وہ اعمال انجام دینا چاہئیں جو شریعت نے عورتوں کیلئے جائز رکھے ہیں اور اس بارے میں اُنہیں کسی بھی خدشے کا لحاظ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اِن شرعی احکام کی بجاآوری میں خواتین کی حفاظت، اسلامی معاشرے کا عروج اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی اطاعت مضمر ہے۔ شریعت ہی اس بات کو بہتر سمجھتی ہے کہ انسان کیلئے بحیثیتِ انفرادی اور بہ لحاظِ اجتماعی یا ذاتی زندگی اور اور معاشرتی زندگی میں کیا موزوں و مناسب ہے۔

یہ مختصر طور پر اس نظام کا خلاصہ ہے جس سے اسلام نے مردوں کے خواتین سے میل کے ذریعے پیدا ہونے والے مسائل سے کو حل کیا ہے۔ اس نظام سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے نازل کردہ شرعی احکام معاشرے میں مرد اور عورت کے اختلاط سے پیدا شدہ بگاڑ اور فساد کی روک تھام کیلئے کافی اور موثر ہیں۔ نیز یہ احکام معاشرے میں طہارت، تقویٰ، سرگرمی اور محنت کو فروغ دیتے ہیں۔ اِن سے ایسی نجی زندگی یقینی بن جاتی ہے جس میں سکون و اطمینان اور زندگی کی صعوبتوں سے راحت میسّر ہو، نیز ایسی اجتماعی زندگی وجود میں آتی ہے جو سنجیدہ ہو، بارآور و نتیجہ خیز ہو اور جو معاشرے کی زندگی میں سعادت و سہولیات بہم پہنچائے۔ یہ احکام اسلام کے اجتماعی نظام کا ایک حصّہ ہیں کیونکہ اِن احکام سے مرد اور عورت کے اختلاط سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کو منظم کیا جاتا ہے۔ پھر جہاں تک اُن رشتوں کا تعلق ہے جو اس اختلاط سے پیدا ہوتے ہیں اور ان رشتوں سے پیدا ہونے والے مسائل و معاملات کا سوال ہے تو یہ اس نظام کے دوسرے حصہ سے متعلق ہیں۔ یہ معاملات شادی، طلاق، اولاد، نفقہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالانکہ نکاح و طلاق کے احکام اپنی اصل کے اعتبار سے کیونکہ فرد اور فرد کے درمیان تعلق کو منظم کرتے ہیں، اس لئے وہ نظامِ معاشرہ کے ضمن میں آتے ہیں، البتہ کیونکہ وہ مرد اور عورت کے اختلاط سے متعلق ہیں، لہٰذا اِن کا مطالعہ معاشرتی نظام کا حصہ ہے اور اپنی تفصیل کے لحاظ سے معاملات کا۔

شادی

معاشرے میں جب عورت اور مرد کا میل ہوتا ہے، تو اس میل سے ایسے رشتے استوار ہوتے ہیں جو عورت اور مرد، نیز اُس معاشرے کے مفاد سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ رشتے اُن تعلّقات سے مختلف ہوتے ہیں جو لوگوں کے خرید و فروخت، کرایہ داری، کسی کو اپنا مختار بنانے وغیرہ کیلئے میل سے پیدا ہوتے ہیں۔ کسی کو گمان ہو سکتا ہے کہ یہ رشتہ محض شادی کا رشتہ ہو سکتا ہے، حقیقت یہ کہ شادی ایسے رشتوں میں سے بس ایک رشتہ ہے، اِن میں دیگر رشتے بھی شامل ہیں۔ لہٰذا جنسی تعلق ہی جبلّتِ نوع کا تنہا مظہر نہیں، بلکہ جنسی تعلق جبلّتِ نوع کے متعدّد مظاہر میں سے ایک ہے کیونکہ اس کے اور بھی مظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ماں ہونا، باپ ہونا، بھائی یا اولاد ہونا، چچا یا ماموں ہونا تمام کے تمام اسی جبلّتِ نوع کے مظاہر ہیں۔ پس وہ رشتے جو مرد اور عورت کے میل سے جنم لیتے ہوں، اُن میں جس طرح ماں اور باپ شامل ہیں، اسی طرح شادی کا بھی معاملہ ہے، اور معاشرتی نظام ان سب کا اُسی طرح احاطہ کرتا ہے جس طرح یہ شادی کا احاطہ کرتا ہے۔ شریعت میں جس طرح شادی کے احکام وارد ہوئے ہیں، اسی طرح باپ اور ماں ہونے سے متعلق بھی احکام وارد ہوئے ہیں۔

البتہ حقیقت یہ ہے کہ شادی ہی اِن تمام تعلّقات کی بنیاد ہوتی ہے اور یہ تمام رشتے اسی سے جنم لیتے ہیں۔ پس شادی نہ ہو تو ماں ہونے، باپ ہونے اور اولاد ہونے کا وجود بھی نہ ہو۔ لہٰذا شادی ہی اِن سب رشتوں کی بنیاد ہے اور یہ سب رشتے اپنی تنظیم کے حوالے سے شادی ہی کی شاخیں ہیں۔ البتہ جس طرح جنسی میل کی حاجت کو پورا کرنے کے جذبات فطرتی طور پر انسان میں ابھرتے ہیں ہے، اُسی طرح اِن رشتوں کی ضرورت کے جذبات بھی ابھرتے ہیں۔ ماں، باپ اور بیٹا ہونے کے

لحاظ سے یہ جذبات اپنی تشفی اور تکمیل چاہتے ہیں جس طرح جبلّتِ نوع کی تحرک سے جنسی تعلّق اپنی تکمیل چاہتا ہے، کیونکہ شادی، ماں باپ بننا وغیرہ سب کے سب جبلّتِ نوع کے ہی مظاہر ہیں اور اِن سے وابستہ جذبات بھی جبلّتِ نوع کے ہی جذبات ہیں، اور جبلتِ نوع کو اس سے متعلقہ تصورات سے جوڑنے سے اِن مظاہر کی طرف انسان کا میلان تشکیل پاتا ہے۔

شادی فی الحقیقت مرد اور عورت کے میل کی تنظیم کا نام ہے، یعنی مرد اور عورت کے جنسی تعلّق کو ایک متعین نظام میں منظم کیا جانا۔ اس مخصوص نظام کو مرد اور عورت کے تعلّقات کو متعین انداز میں منظم کرنا چاہئے اور یہی وہ واحد نظم ہے جس سے انسانی نسل کا فروغ ہونا چاہئے۔ اسی جنسی تعلّق سے ایک خاندان وجود میں آتا ہے اور خانگی زندگی اسی کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔

اسلام نے شادی کی ترغیب بھی دلائی ہے اور اس کا حکم بھی کیا ہے، چنانچہ صحیحین میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء**) "اے جوانو! تم میں سے جو عورت کے حقوق ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے ضرور نکاح کرنا چاہئے کیونکہ یہ نگاہ کو جھکاتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے، اور جو کوئی عورت کے حقوق ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، یہ اُس کیلئے حفاظت ہے"۔ نیز مسندِ احمد میں قتادۃ نے الحسن اور انہوں نے سمرۃ سے روایت کیا ہے (**أن النبي ﷺ نهى عن التبتل**) کہ "رسول اللہ ﷺ نے راہبانہ طرزِ زندگی (celibacy) سے منع فرمایا"۔ قتادۃ نے اس کے بعد یہ آیت پڑھی: (**وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَذُرِّيَّةً**) "اور بے شک ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں اور ہم نے انھیں بیویوں بچوں والا بنایا تھا" (سورۃ الرعد: 38)۔ تبتل یا رہبانیت کے معنی ہیں کہ انسان نکاح سے اجتناب کرے اور نکاح سے حاصل ہونے والی لذتوں سے خود کو محروم کر کے عبادت میں لگا رہے۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے حاکم کی مستدرک اور صحیح ابن حبان میں نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**ثلاثة حق على الله إعانتهم، المجاهد في سبيل الله، والناكح يريد أن يستعف، والمكاتب يريد الأداء**) "تین لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا حق ہے: وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے، جو اپنی پاکیزگی برقرار

رکھنے کیلئے نکاح کرنا چاہتا ہو، اور وہ غلام جو خود کو آزاد کرانے کیلئے مال کا حاجت مند ہو"۔

اسلام نے اُن باکرہ عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دلائی ہے جن میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں اور جو دیندار ہوں۔ انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور رہبانیت سے قطعاً اور شدّت سے منع فرماتے تھے اور بتاتے تھے کہ: (**تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأنبياء يوم القيامة**) "محبت والفت والیوں سے شادی کرو جو خوب اولاد خیز ہوں کیونکہ یقیناً میں چاہتا ہوں کہ میری امت قیامت کے دن سب سے زیادہ کثرت سے ہو"۔ سنن ابی داؤد میں معقل ابن یسار سے نقل ہے کہ (**جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: إني أصبت امرأة ذات حسب وجمال، وإنها لا تلد، أفأتزوجها؟ قال: لا ثم أتاه الثانية فنهاه، ثمّ أتاه الثالثة فقال: تزوجوا الوَدُودَ الوَلُودَ فإني مكاثر بكم**) "ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: کہ میری نظر میں ایک عورت ہے جو خوبصورت اور اچھے خاندان کی ہے لیکن اُس سے اولاد نہیں ہوتی، کیا میں اُس سے شادی کرلوں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا، پھر وہ دوبارہ آیا تو پھر منع فرمایا اور جب وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: محبت والفت والیوں سے شادی کرو جو خوب اولاد خیز ہوں کیونکہ یقیناً میں چاہتا ہوں کہ میری امت سب سے زیادہ کثرت سے ہو"۔ صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: (**يا جابر تزوجت بكراً أم ثيباً؟ قال ثيباً، فقال: هلا تزوجت بكراً تلاعبها وتلاعبك**) "اے جابر، تم نے کنواری سے شادی کی ہے یا شوہر دیدہ سے؟ جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ شوہر دیدہ عورت سے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کنواری سے کیوں نہیں، وہ تم سے کھیلتی اور تم اُس سے"۔ نیز صحیحین ہی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**تنكح المرأة لأربع: لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك**) "کسی عورت سے (عام طور پر) چار چیزوں کو دیکھ کر شادی کی جاتی ہے: اُس کی دولت کیلئے، اُس کے حسب نسب کے سبب، اُس کی خوبصورتی کے باعث یا اُس کی دینداری کی وجہ سے؛ لہٰذا تم کامیاب ہو اگر تم اُس کی دینداری کیلئے اُس سے شادی کرو"۔ چنانچہ مرد کو کنواری عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور کسی عورت کے زرخیز ہونے کی علامت اُس کی ماں، خالائیں اور پھوپھیاں ہوتی ہیں۔ نیز یہ بھی پسندیدہ ہے کہ عورت کو اُس کی دینداری اور خوبصورتی کی بنا پر نکاح کیا جائے تاکہ عصمتوں کی حفاظت ہو۔ کسی

عورت کا بھلے حسب نسب کا ہونا بھی اسی طرح افضل ہے تا کہ اُس کی تربیت اور تقویٰ امتیازی ہو البتہ حسب نسب شرط نہیں ہے۔ اس کے ماسوا ایک مرد کو اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہے اپنی بیوی کی حیثیت سے پسند کرلے اور ایک عورت کو بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی پسند کے شوہر کا انتخاب کرے۔

جہاں تک شوہر اور بیوی میں برابری کا سوال ہے تو شریعت میں اس کی کوئی حیثیت یا حقیقت نہیں اور اس کا تذکرہ محض موضوع روایات ہی میں وارد ہوتا ہے۔ نیز برابری کا یہ تصوّر قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے بھی متعارض (contradictory) ہے۔ پس ہر مسلمان عورت، ہر مسلمان مرد کیلئے برابر اور موزوں ہے اور اسی طرح ہر مسلم مرد، ہر مسلم عورت کیلئے۔ اُن کے درمیان دولت، حسب نسب اور پیشہ وغیرہ کے اعتبار سے کسی بھی فرق کی کوئی شرعی حیثیت اور قیمت نہیں ہوتی۔ کچرہ صاف کرنے والے ایک شخص کا بیٹا امیر المؤمنین کی بیٹی کیلئے اور ایک حجام کی بیٹی امیر المؤمنین کے فرزند کیلئے برابر اور مناسب ہے اور اسی طرح ہر ایک مسلمان ہر دوسرے مسلمان کیلئے مناسب و موزوں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: (إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ) "درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے" (سورۃ الحجرات:13)۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش الاَسدیہ کا نکاح زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا جو آزاد کردہ غلام تھے۔ سنن ابنِ ماجہ میں روایت ہے عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ اُنھوں نے کہا: (**جاءت فتاة إلى رسول الله ﷺ فقالت: إن أبي زوجني ابن أخيه ليرفع بي خسيسته. قال فجعل الأمر إليها فقالت قد أجزت ما صنع أبي، ولكن أردت أن أعلم النساء أن ليس إلى الآباء من الأمر شيء**) "ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ اُس کے باپ نے اپنے بھتیجے سے اس کا نکاح کر دیا ہے تا کہ اس بھتیجے کی ذلت میرے نکاح کی وجہ سے اُٹھ جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اُس عورت کو اختیار دیا اور اُس عورت نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ذریعے کئے گئے اس نکاح کو جائز رکھتی ہوں، لیکن میرا منشاء یہ تھا کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ اُن کے باپوں کو جبراً اُن کا نکاح کر دینے کا اختیار نہیں پہنچتا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس عورت کے والد نے اپنی بیٹی کا نکاح اُس کی مرضی کے بغیر کر دیا تھا اور وہ عورت اُس شخص کو اپنے نکاح کیلئے مناسب نہیں سمجھتی تھی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ عورت اُس مرد کو اپنے لئے اہل نہیں سمجھتی تھی، وہ تو اُس کا چچازاد

بھائی تھا بلکہ بات محض یہ تھی کہ وہ اس رشتے کیلئے تیار نہ تھی۔ ترمذی میں ابی حاتم المزنی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فأنكحوه، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد كبير. قالوا: يا رسول الله، وإن كان فيه؟ قال: إذا جاءَكُم من ترضون دينه وخلقه فأنكحوه. ثلاث مرات**) "جب تمہارے پاس ایسا رشتہ آئے جسے تم اُس کی دینداری اور اخلاق کے لحاظ سے پسند کرو تو اُس سے نکاح کر دو۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں بڑے فتنہ اور فساد ہوں گے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ خواہ اُس میں کوئی نقص ہی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس ایسا رشتہ آئے جسے تم اُس کی دینداری اور اخلاق کے لحاظ سے پسند کرو تو اُس سے نکاح کر دو۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ دہرایا"۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں اِن الفاظ سے نقل ہے: (**إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه. إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض**) "جب تمہارے پاس ایسا رشتہ آئے جو تمہیں اُس کی دینداری اور اخلاق کے اعتبار سے پسند ہو تو شادی کر دو، اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور وسیع پیمانے پر فساد ہو گا"۔ یہی روایت اور بھی اسناد سے روایت ہوئی ہے۔ مستدرک الحاکم میں ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہند رسول اللہ ﷺ کا سرِ دَبا رہے تھے تو آپ ﷺ نے بنی بیاضۃ کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: (**يا بني بياضة أنكحوا أبا هند وانكحوا إليه**) " اے بنی بیاضہ! اپنی کسی عورت سے ابو ہند کا نکاح کر دو اور اس کیلئے رشتہ دیکھو"۔ نیز دار قطنی میں حنظلہ بن ابی سفیان الجمح اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں: (**رأيت أخت عبد الرحمن بن عوف تحت بلال**) "میں نے عبد الرحمٰن ابن عوف کی بہن کو بلال کے نکاح میں دیکھا ہے"۔ یہ تمام صریح دلائل ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان برابری کے ہونے کا تصوّر بے وقعت اور غیر معتبر ہے۔ جو عورت کسی مرد کو اپنے لئے پسند کرے وہ اس سے اپنی رضا سے شادی کر سکتی ہے اور اسی طرح جو مرد کسی عورت کو پسند کرے، اس سے اپنی رضا سے شادی کر سکتا ہے، اور اس معاملہ میں کسی قسم کی برابری یا (matching) کی کوئی حیثیت نہیں۔ پھر جہاں تک اُس روایت کا سوال ہے جو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا (**العرب أكفاء بعضهم لبعض قبيلة لقبيلة، وحي لحي، ورجل لرجل، إلا حائك وحجام**)"تمام عرب ایک دوسرے کے برابر ہیں؛ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے، ہر خاندان دوسرے خاندان کے اور ہر شخص دوسرے شخص کے، سوائے ایک درزی اور حجام کے" تو یہ روایت کذب، جھوٹی ہے اور باطل ہے اور

اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ "میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ منکر ہے"۔ علامہ ابن عبد البر نے اسے منکر اور موضوع بتایا ہے۔ پھر مسند البزّار میں ایک اور روایت نقل ہے جس میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا(**العرب بعضهم أكفاء بعض، والموالي بعضهم أكفاء بعض**)"تمام عرب ایک دوسرے کیلئے برابر ہیں، اور اُن کے غیر عرب حلیف ایک دوسرے کے برابر ہیں"۔ اس روایت کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور روایت کا حوالہ آتا ہے جو سنن دار قطنی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد ہو جانے پر فرمایا: (**قد عتق بضعك معك فاختاري**)"تمہارے آزاد ہونے سے تمہارا(اُس شخص کی بیوی ہونا) بھی کالعدم ہو گیا، لہٰذا اب تمہیں اختیار ہے"۔ یہ حدیث برابری کے معاملے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اُن کے شوہر بھی غلام تھے اور کوئی باندی عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو، اسے اختیار پہنچتا ہے کہ وہ اسی غلام کے نکاح میں رہے یا اپنے نکاح کو فسخ کر دے۔ بہر حال اس حدیث سے برابری والی بات کا کوئی تعلّق نہیں ہے۔ پھر یہ دلیل کہ بریرۃ کے شوہر غلام تھے جیسا کہ مسندِ احمد میں القاسم کی عائشہؓ سے نقل روایت میں آیا ہے کہ وہ ایک غلام کی زوجہ تھیں اور اُن کے آزاد ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: (**اختاري فإن شئت أن تمكثي تحت هذا العبد، وإن شئت أن تفارقيه**) "تمہیں اختیار ہے، اگر تم چاہو تو اسی غلام کے نکاح میں رہو اور چاہو تو اس سے سبکدوش ہو جاؤ"۔ صحیح مسلم میں عروۃ عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ(**أن بريرة أعتقت وكان زوجها عبداً فخيرها رسول الله ﷺ ولو كان حراً لم يخيرها**)"جب بریرۃ آزاد ہو گئیں اور اُن کے شوہر غلام رہے، تو رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں اختیار دیا اور اگر اُن کے شوہر بھی آزاد ہو گئے ہوتے تو اُنھیں یہ اختیار نہیں دیا جاتا"۔ پھر یہ جو روایت رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا(**لا تنكحوا النساء إلا من الأكفاء، ولا تزوجوهن إلا من الأولياء**)"اُن ہی عورتوں سے نکاح کرو جو برابری کی ہوں، اور عورتوں کا نکاح اُن ہی مردوں سے کرو جو تمہارے اولیاء (حلیف) ہوں"۔ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اِن تمام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ برابری کا یہ تصوّر نص میں کہیں وارد نہیں ہوا اور وہ نصوص جن سے اس تصوّر پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یا تو باطل ہیں یا اُن سے ایسا استدلال ہونا ثابت نہیں۔ اس کے برعکس برابری کی شرط رسول

اللہ ﷺ کے قول سے متعارض (contradictory) ہے جو مسندِ احمد میں وارد ہوا ہے: (**لا فضل لعربي على عجمي إلا بالتقوى**) "کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت یا برتری نہیں، سوائے تقویٰ کے"۔ نیز ایسی برابری کا تصوّر نصِ قرآنی سے بھی متعارض ہے: (**إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ**) "درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے" (سورۃ الحجرات: 13)۔

شوہر اور بیوی کے دین مختلف ہونے کی جو بحث ہے، اُس کا اس برابری کے تصوّر سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ موضوع تو مسلمان کی غیر مسلم سے شادی سے متعلق ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے یعنی کسی یہودی یا نصرانی عورت سے شادی کو جائز رکھا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (**الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ**) "آج تمہارے لئے اچھی پاک چیزیں جائز ہوئیں، اور اہلِ کتاب کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے۔ اور تمہارا کھانا ان کیلئے حلال ہے۔ اسی طرح آزاد مؤمن عورتیں اور وہ آزاد عورتیں بھی جو تم سے پہلے کے اہلِ کتاب میں سے ہوں جبکہ تم اُنھیں ان کے مہر ادا کر دو، اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو یہ نہیں کہ اعلانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو" (سورۃ المائدۃ: 5)۔ پس یہ آیت صراحت سے بیان کر دیتی ہے کہ اہلِ کتاب کی پاک دامن عورتیں مسلمانوں کیلئے حلال ہیں اور اُن کا حق مہر ہے۔ اس آیت کے مطابق ایک مسلمان کیلئے جائز ہے کہ وہ اہلِ کتاب کی عورت سے شادی کرلے کیونکہ اس آیت میں اہلِ کتاب کی پاک دامن عورتوں کو مسلمانوں سے شادی کیلئے حلال کر دیا گیا۔ رہی بات ایک مسلم عورت کے اہلِ کتاب مرد سے نکاح کی، تو وہ شرعاً حرام ہے اور کسی صورت اس کا جواز نہیں اور اگر ایسا ہو جائے تو یہ نکاح باطل ہو گا۔ ایک مسلم عورت کے کسی اہلِ کتاب شخص سے نکاح کی حرمت قرآن مجید میں صرحتاً وارد ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (**يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ**) "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی خوب جانچ پڑتال کر لو۔ اللہ بہتر جانتا ہے ان کے ایمان کو۔ پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان والی ہیں تو تم اُنھیں

کافروں کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ عورتیں ان کافروں کیلئے حلال ہیں اور نہ ان عورتیں کیلئے وہ کافر مرد حلال ہیں" (سورۃ الممتحنہ:10)۔ اس قرآنی آیت کا بس ایک ہی معانی ہو سکتا ہے کہ مسلم عورت کافر کیلئے حلال نہیں اور کافر مرد مسلم عورت کیلئے حلال نہیں۔ دیگر یہ کہ شوہر کا کافر ہونا اس کا کسی مسلم خاتون سے نکاح ہونے میں مانع ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعال جل شانہ کا ارشاد ہے:(فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ) "پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان والی ہیں تو تم اُنھیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو" (سورۃ الممتحنہ:10)۔ قابلِ ملاحظہ امر یہ ہے کہ یہاں لفظ کافر استعمال کیا گیا نہ کے مشرک، جس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو کافر ہیں، اب خواہ وہ مشرک ہوں یا اہلِ کتاب۔ پھر اہلِ کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کا کافر ہونا بھی نصِ قرآنی سے ثابت ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:(مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ) "وہ لوگ جو کافر ہیں یعنی اہلِ کتاب، نہیں پسند کرتے اور نہ مشرک پسند کرتے کہ تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو"(البقرۃ:105)۔ اس آیت میں جو حرفِ جر 'من' استعمال ہوا ہے وہ کیفیت بیان کرنے کیلئے ہے (من بیانیہ) نہ کہ اہلِ کتاب میں سے بعض کو مخصوص کر کے اُن پر کفر کا اطلاق کرنے کیلئے (من تبغیضیہ)۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: (إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيلًا ط أُولَآئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا) "بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے بعض پر اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان راستہ نکالیں، ایسے ہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کیلئے ذلت آمیز عذاب مہیّا کر رکھا ہے"(سورۃ النساء:151-150)۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ کتاب چونکہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے لہٰذا وہ کفار ہیں۔ اللہ جلّ شانہ کے ارشادات ہیں: (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ) "بے شک کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ یقیناً اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے"(ورۃ المائدۃ:17)۔ اور فرمایا(لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ) "یقیناً کافر ہوئے وہ جنھوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تین کا تیسرا ہے"(سورۃ المائدۃ:73)۔ اور فرمایا(لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ) "ہرگز نہ تھے وہ لوگ جو کافر ہیں یعنی اہلِ کتاب اور مشرکین (باز

آنے والے)" (سورۃالبیّنہ:1)۔ اور فرمایا(هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ) "وہی ہے جس نے ان کے گھروں سے پہلے ہی ہلّے میں ان کو نکالا جنھوں نے کفر کیا یعنی اہل کتاب "(سورۃالحشر:2)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ) "کیا تم نے منافقوں کو نہیں دیکھا کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں"(سورۃالحشر:11)۔ اِن آیات میں جو حرفِ جر 'من' استعمال ہوا ہے وہ کیفیت بیان کرنے کیلئے ہے نہ کہ اہلِ کتاب میں سے بعض کو مخصوص کرکے اُن پر کفر کا اطلاق کرنے کیلئے۔ اِن آیات سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کی رو سے اہلِ کتاب کفار ہیں اور دائرہ کفر میں شامل ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا مذکورہ ارشاد کہ :(فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ) "پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان والی ہیں تو تم اُنھیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ عورتیں ان کافروں کیلئے حلال ہیں، اور نہ ان عورتیں کیلئے وہ کافر مرد حلال ہیں"(سورۃالممتحنہ:10)۔ لہٰذا یہ بات صراحتاً طے شدہ ہوئی کہ مسلم عورت کا اہل کتاب مرد سے شادی کرنا قطعاً جائز نہیں کیونکہ اہلِ کتاب مطلق طور پر کفار ہیں۔

اب رہے مشرک، جیسے مجوسی، صابی، بدھ مذہب کے پیروکار اور مورتیوں کی پرستش کرنے والے، تو یہ اہل کتاب نہیں لہٰذا اِن سے شادی مطلقاً حرام ہے۔ مسلم مرد کیلئے مشرک عورت سے اور مسلم عورت کیلئے مشرک مرد سے شادی کرنا قطعی طور پر حرام ہے اور یہ بات نصِ قرآنی سے واضح طور پر عیاں ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:(وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ) "اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرنا جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو، البتہ ایک مؤمن لونڈی کہیں بہتر ہے مشرک عورت سے۔ اور نہ اپنی عورتوں کا نکاح کرنا مشرک مردوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو، البتہ ایک مؤمن غلام کہیں بہتر ہے مشرک مرد سے"(البقرۃ:221)۔ اس آیت میں اس کے سوا کوئی اور معانی نہیں نکلتے کہ کسی مسلم مرد کا مشرک عورت سے اور کسی مشرک عورت کا کسی مسلم مرد سے نکاح قطعاً حرام ہے اور ایسا ہو جائے تو یہ باطل اور غیر معتبر گردانا جائے گا۔ بیہقی میں حسن ابن محمد سے نقل ہے:(كتب رسول الله ﷺ إلى مجوس هجر يدعوهم إلى الإسلام فمن أسلم قبل منه،

ومن لا ضربت عليه الجزية في أن لا تؤكل له ذبيحة ولا تنكح له امرأة) "رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ جو اُن میں سے اسلام میں آئے گا، تو اُس کو قبول کیا جائے گا، اور جو اسلام قبول نہ کرے، اُس پر جزیہ نافذ ہو گا، اُن کے ذریعہ ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھایا جائے گا اور اُس کی عورتوں سے شادیاں نہیں کی جائیں گی"۔

یوں شریعت نے محض اتنا ہی نہیں کیا کہ لوگوں کو شادیاں کرنے کی ترغیب دلائی اور بس، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ ایک مسلم مرد اور مسلم عورت کن سے نکاح کر سکتے ہیں اور کن سے نکاح حرام ہے۔ نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ جن سے شادی کرنے کا ارادہ ہو، اُن میں کون سی صفات تلاش کی جانی چاہیے۔ مزید یہ بھی بتا دیا کہ کوئی بھی عورت اپنی عدت کے عرصہ میں کسی کی زوجہ نہیں بن سکتی کیونکہ نکاح کی شرطوں میں شامل ہے کہ عورت کسی اور نکاح سے آزاد ہو اور اس کی عدت پوری ہو چکی ہو۔

جہاں تک اس عورت کا معاملہ ہے جس کے رشتہ کا پیغام تو آگیا ہے لیکن ابھی نکاح نہیں ہوا ہے تو اگر اس عورت نے یا اُس کے ولی نے پیغام دینے والے کا پیغام منظور کر لیا ہے، یا عورت نے اپنے ولی کو پیغام منظور کر لینے کی اجازت کھلے طور پر یا اشارۃً دے دی ہے؛ تو اب کسی اور کیلئے اُس عورت کو پیغام دینا حرام ہو گیا، کیونکہ صحیح مسلم میں عقبہ ابن عامر سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:(المؤمن أخو المؤمن فلا يحل للمؤمن أن يبتاع على بيع أخيه، ولا يخطب على خطبة أخيه حتى يذر)"مؤمن مؤمن کا بھائی ہوتا ہے لہٰذا مؤمن کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ بھائی کی خرید کی بولی پر اپنی بولی لگائے اور اپنے بھائی کا جہاں پیغام قبول ہو چکا ہو وہاں پیغام دے جب تک کہ پہلا پیغام واپس نہ ہو جائے"۔ نیز بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(لا يخطب الرجل على خطبة أخيه حتى ينكح أو يترك) "کوئی شخص اپنے بھائی کے خطاب پر پیغام نہ دے، یہاں تک کہ یا تو اُن کا نکاح ہو جائے یا وہ پیغام واپس ہو جائے"۔ البتہ جب وہ عورت اس پیغام کو رڈ کر دے، یا ابھی تک اُس پیغام کا جواب نہ ہو اور پیغام دینے والے کے بارے میں چھان بین کر رہی ہو تو ایسی صورت میں کسی مرد کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنا پیغام بھیجے۔ اس صورت میں وہ عورت کسی کی مخطوبہ یا منگیتر نہیں مانی جاتی۔ فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور بتایا کہ معاویہ اور ابو جہم نے اُن کیلئے پیغام

دیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**أما معاوية فصعلوك لا مال له، وأما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه، انكحي أسامة بن زيد**) "معاویہ کنجوس ہیں اور اس کے پاس کچھ مال نہیں اور ابو جہم اتنا مشغول رہتا ہے کہ اسے اپنا عصا رکھنے کی نوبت نہیں آتی، تم اسامہ ابن زید سے نکاح کر لو"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں معاویہ اور ابو جہم کے حالات سے آگاہ کر کے اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کی جانب سے پیغام دے دیا۔

جب کسی عورت کیلئے پیغام آئے تو اس پیغام کو قبول کرنے یا اسے ردّ کر دینے کا اختیار صرف اسی عورت کو ہی ہوتا ہے۔ اُس کے اولیاء میں سے کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی شادی کر دیں یا اسے شادی کرنے سے روکیں۔ صحیح مسلم میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**الثيب أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها**) "ایسی عورت جس کی پہلے بھی شادی ہو چکی ہو، اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے (قبول یا ردّ کرنے کی)، اور کنواری عورت کا یہ حق ہے کہ اُس کی مرضی معلوم کی جائے، اس کی خاموشی اس کی قبولیت ہے"۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا البكر حتى تستأذن. قالوا: يا رسول الله، وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت**) " بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کنواری کی اجازت کیسے معلوم ہوتی ہے؟ فرمایا: اگر پوچھنے پر وہ خاموش ہو جائے تو یہ بھی اجازت ہے"(متفق علیہ)۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:(**أن جارية بكراً أتت رسول الله ﷺ فذكرت أن أباها زوجها وهي كارهة، فخيرها النبي**)"ایک کنواری لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ اُس کے باپ نے اُس کی شادی کر دی جبکہ اسے یہ شادی ناگوار ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اختیار دیا (کہ وہ اُس نکاح سے پھر جائے)"(ابو داؤد نے اس حدیث کو روایت کیا)۔ خنساء بنت خذام الانصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ:(**أن أباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فأتت رسول الله ﷺ فرد نكاحها**)"اُن کے والد نے ان کا نکاح کر دیا جبکہ یہ شوہر دیدہ تھیں اور اس نکاح کو ناپسند کرتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے اس نکاح کو ردّ فرما دیا"(بخاری)۔ ان احادیث سے یہ بات صراحت سے واضح ہو جاتی ہے کہ اگر عورت سے اس کی شادی کی اجازت نہ ملی ہو تو یہ نکاح نہیں ہوتا، اور اگر وہ اجازت دینے

سے انکار کر دے یا مجبوراً شادی ہو جائے تو وہ عقد فسخ ہو جاتا تاوقتیکہ وہ اپنی ناگواری ترک کر دے اور اس نکاح سے راضی ہو جائے۔

پھر رہی بات عورت کے پاس جب کوئی پیغام آئے تو اسے شادی کرنے سے نہ روکنے کی، تو یہ قرآن مجید سے ثابت ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ) "تو مت روکو اُنھیں اپنے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنے سے جبکہ وہ دونوں باہم معروف طریقہ سے راضی ہوں"(البقرۃ:232)۔ اسی طرح یہ حدیثِ صحیح سے بھی ثابت ہے، معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں:(زوجت أختاً لي من رجل فطلقها، حتى إذا انقضت عدتها جاء يخطبها فقلت له: زوجتك وَفَرشتك وأكرمتك فطلقتها، ثم جئت تخطبها، لا والله لا تعود إليك أبداً، وكان رجلاً لا بأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه. فأنزل الله تعالى هذه الآية: [فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ] فقلت الآن أفعل يا رسول الله قال فزوجها إياه)"میں نے اپنی ایک بہن کی شادی ایک شخص سے کی جس نے پھر اسے طلاق دے دی، جب اُس کی عدت پوری ہوئی تو وہی شخص پھر آیا اور پھر اسی سے شادی کا پیغام دیا تو میں نے اُس سے کہا کہ میں نے اسے تمہارے حوالہ کیا تھا اور تم نے اسے طلاق دے دی تھی اب پھر آکر پیغام دے رہے ہو۔ نہیں اللہ کی قسم! میں دوبارہ ہرگز اُس سے تمہاری شادی نہ کروں گا۔ یہ شخص برا نہیں تھا اور عورت بھی دوبارہ اسی کے پاس جانا چاہتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:(فَلاَ تَعْضُلُو هُنَّ) تو میں نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ میں تیار ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی اس شخص سے شادی کر دی"(بخاری)۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: (فكفَّرت عن يميني وأنكحتها إياه)"میں نے اپنی قسم توڑ دی اور اس شخص سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا"۔ یہاں آیت میں(تَعْضُلُو) کے معنیٰ عورت کو جب وہ نکاح کرنا چاہے تو اسے روکنے کے ہیں جو کہ حرام فعل ہے اور ایسا کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ لہٰذا جو کوئی عورت کو نکاح کرنے سے روکے وہ اپنے اس عمل کے سبب فسق کرتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو کوئی ایسا کرے اس نے فسق کا ارتکاب کیا۔ جب کسی عورت کا پیغام آئے یا وہ کسی سے نکاح کرنا چاہے تو اسے قبول کرنے یا اس پیغام سے انکار کرنے کا حق صرف اسی عورت کو پہنچتا ہے۔

جب کسی مرد اور عورت کے درمیان شادی ہونے پر رضامندی ہو جائے تو اُن پر یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ حسبِ

شریعت عقدِ نکاح کریں۔ ایسے شرعی عقد کے بغیر جو احکام شریعت کے موافق ہو، یہ شادی معتبر نہیں، اسی شرعی عقد کے ذریعے وہ ایک دوسرے کیلئے حلال ہوتے ہیں اور اُن پر شادی شدہ ہونے کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے۔ اگر یہ شرعی عقد نہیں ہوا تو یہ شادی ہی نہیں کہلائے گی چاہے مرد اور عورت طویل مدّت ساتھ رہے ہوں۔ پس دو مرد و عورت دوستوں کا شادی شدہ جوڑے کی طرح ساتھ رہنا شادی نہیں تسلیم کیا جائے گا بلکہ یہ زنا ہے اور اسی طرح دو مردوں کا باہم اتفاق سے ساتھ رہنا بھی شادی نہیں بلکہ اسے لواطت گردانا جائے گا۔

جہاں تک عدالتی شادی (Civil or Court Marriage) کا تعلق ہے، تو فی الحقیقت یہ مرد اور عورت کا ساتھ رہنے کیلئے آپس کا اتفاق ہے جس کے تحت ساتھ رہنے، طلاق ہونے، اور اس ساتھ رہنے کے مضمرات جیسے نان و نفقہ، حقِ تصرف، گھر سے باہر جانے اور خاتون کی شوہر کی اطاعت وغیرہ شامل ہیں۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اولاد پر کس کا حق ہو گا یعنی کس کا لڑکا پر حق ہو گا اور کس کا لڑکی پر حق ہو گا۔ نیز یہ کہ وراثت و نسب سے متعلق امور اور اس قریبی تعلق سے پیدا شدہ کوئی بھی معاملہ یا اس رشتے کا خاتمہ باہمی رضامندی کے تحت طے کی گئی شرائط کے مطابق ہو گا اور وہ دونوں اس کے پابند ہوں گے۔ چنانچہ عدالتی شادی محض شادی نہیں بلکہ یہ ایک جامع معاہدہ ہے جس میں وراثت و نفقہ وغیرہ جیسے معاملات شامل ہیں۔ اِس معاہدے میں وہ حالات بھی بیان ہوتے ہیں جن میں فریقین اس عقد کو ترک (طلاق) کر سکتے ہیں۔ اس معاہدے کے ذریعہ مرد کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس عورت سے چاہے شادی کر سکتا ہے اور اسی طرح عورت کو بھی یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس مرد سے چاہے شادی کر لے۔ لہٰذا عدالتی شادی حسبِ شریعت جائز نہیں۔ نہ تو اسے شادی تسلیم کیا جائے گا اور نہ ہی بحیثیت نکاح یہ معتبر ہے کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

شریعت میں شادی کا عقد شرعی ایجاب و قبول کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ایجاب وہ قول ہے جو کسی بھی فریق کی جانب سے پہلے کیا جائے جبکہ قبول وہ قول ہے جو دوسرے فریق کی جانب سے ہو۔ مثلاً مخطوبہ لڑکی اپنے خاطب لڑکے سے کہے کہ میں نے تم سے شادی کی اور وہ خاطب کہے کہ میں نے اسے قبول کیا؛ یا یہی بات لڑکا کہے اور لڑکی اسے قبول کرے۔ جس طرح یہ ایجاب و قبول لڑکے اور لڑکی کے درمیان براہِ راست ہو سکتا ہے، اسی طرح یہ بھی صحیح شکل ہے کہ یہی ایجاب و قبول اُن کے نمائندہ وکیلوں کے توسّط سے ہو یا ایک فریق براہِ راست اور دوسرے فریق کے وکیل کے درمیان طے ہو۔ اس ایجاب کی

شرط ہے کہ اس میں نکاح اور شادی کے لفظ ادا کئے جائیں تاہم ایجاب کے قبول کئے جانے کیلئے لفظوں کی قید نہیں، محض دوسرے فریق کی کسی بھی لفظ کے ذریعے جس سے اس کی مرضی ظاہر ہو، رضامندی کافی ہوتی ہے۔ یہ لازمی ہے کہ ایجاب اور قبول دونوں صیغۂ ماضی (past tense) میں ہوں؛ جیسے "میں نے شادی کی" اور "میں نے قبول کیا"؛ یا یہ بھی صحیح ہے کہ ایجاب صیغۂ ماضی کا ہو اور قبول صیغۂ مستقبل (future tense) میں ہو کیونکہ اصلاً شادی یا نکاح ایک عقد ہے لہٰذا یہ لازمی ہے کہ اس کے الفاظ سے اس کا واقع ہونا طے ہو جو صیغۂ ماضی سے ہوتا ہے۔ شادی کے صحیح انعقاد کیلئے لازمی ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل چار شرائط شامل ہوں:

پہلی شرط: ایجاب اور قبول ایک ہی مجلس میں اس طرح ہو کہ جس مجلس میں ایجاب کیا جائے اسی میں قبول بھی ہو۔ یہ وہ صورت ہے جہاں دونوں فریق موجود ہوں، لیکن اگر صورتِ حال یہ ہو کہ ایک فریق بستی میں موجود ہو اور دوسرا فریق کہیں اور ہو اور وہ بذریعۂ تحریر ایک فریق کو لکھے اور دوسرا اس کو قبول کرلے تو شادی کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ اُس تحریر کو لڑکی یا کوئی اور گواہوں کے سامنے پڑھے اور وہ گواہ اس کو سن لیں۔ یا یہ ہو کہ لڑکی گواہوں سے کہے کہ فلاں شخص نے اپنا ایجاب مجھے تحریر کیا ہے اور اُن گواہوں کو شاہد بنائے کہ لڑکی نے اُس شخص سے شادی کرلی۔

دوسری شرط: ہر فریق دوسرے فریق کے قول کو سنے اور اُس کو سمجھے کہ وہ فریق اس قول کے ذریعے نکاح کا عقد چاہتا ہے۔ اگر ایک فریق کو یہ معلوم نہ ہو، خواہ نہ سن پانے کے سبب یا قول کے معنی نہ سمجھ پانے کے باعث جیسے مرد یا عورت ایجاب یا قبول کو فرانسسی زبان میں ادا کرے جو دوسرا فریق نہ سمجھتا ہو، اور اس طرح کسی فریق کو یہ معلوم نہ ہو کہ جو کہا گیا ہے اُس سے مراد عقدِ زواج ہے، تو ایسی صورتوں میں اس شادی کا انعقاد نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ادا کئے گئے لفظوں سے اُن کی مراد و منشاء واضح ہوتی ہو تو شادی کا انعقاد صحیح ہو جاتا ہے۔

تیسری شرط: ایجاب کو قبول کرتے وقت ایجاب پر اعتراض نہ کیا جائے، خواہ یہ مکمل طور پر ہو یا جزوی طور پر۔

چوتھی شرط: شریعت نے ایک فریق کو دوسرے سے نکاح کرنے کو جائز رکھا ہو؛ یعنی عورت یا مسلم ہو یا اہلِ کتاب اور مرد مسلمان ہی ہو۔

جب کسی عقد میں یہ چاروں شرائط موجود ہوں تو اُس شادی کا انعقاد ہو جاتا ہے، اور اگر اِن میں سے کوئی ایک بھی شرط پوری نہ ہوتی ہو تو شادی منعقد نہیں ہوتی بلکہ اس کی بنیاد ہی باطل ہوتی ہے۔ جب عقد کا انعقاد ہو تو اس کے صحیح ہونے کیلئے یہ لازمی ہے کہ اِس کی صحت کی تین شرائط پوری ہوں جو حسبِ ذیل ہیں:

پہلی شرط: یہ کہ عورت اس شادی کے عقد کیلئے موزوں ہو۔

دوسری شرط: نکاح عورت کے ولی (guardian) کے بغیر صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ عورت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ خود کو یا کسی اور کو نکاح میں دے دے۔ اسی طرح اسے یہ اختیار بھی نہیں کہ وہ اپنے ولی کے سوا کسی اور کو اپنا نمائندہ بنائے، اگر وہ ایسا کرے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہو گا۔

تیسری شرط: دو عدد مسلم، بالغ، عاقل گواہ موجود ہوں جو فریقین کے ایجاب و قبول کو سنیں اور یہ سمجھ لیں کہ اس ایجاب و قبول سے مراد عقدِ زواج ہے۔ جب عقد میں یہ شرائط پوری ہو جائیں تو وہ عقد صحیح ہوتا ہے، اور اگر اِن میں سے ایک بھی شرط ناقص رہ جائے تو نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔ البتہ اس عقد کا تحریر کیا جانا، یا اُس کا اندراج کیا جانا یا (registered) ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ عورت و مرد کی جانب سے محض ایجاب و قبول کا زبانی یا لکھ کر واقع ہونا اور تمام شرائط کے موافق ہونا اس عقد کو صحیح بنا دیتا ہے خواہ یہ تحریری ہو یا نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ عقد بغیر ایجاب و قبول کے مکمل نہیں ہوتا؛ تو اس کا سبب یہ ہے کہ عقد فریقین کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے جس کیلئے ناگزیر ہے کہ اس کے فریق ایجاب و قبول کریں۔ پھر اس ایجاب و قبول کے الفاظ میں شادی اور نکاح کا ہونا اس لئے لازمی ہے کہ یہ بات نص میں وارد ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (زَوَّجْنَاكَهَا) "ہم نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا" (سورۃ احزاب: 37)۔ اور فرمایا: (وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ) "اور تم ان سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں" (سورۃ النساء: 22)۔ اس کے ساتھ اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع بھی ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایجاب و قبول کیلئے ایک ہی مجلس کا ہونا شرط ہے تو یہ اس لیے ہے کیونکہ مجلس کا حکم حالتِ عقد (contract) کیلئے رکھا گیا ہے، اگر ایجاب کے قبول کئے جانے سے قبل فریقین مجلس سے اُٹھ جائیں تو وہ ایجاب باطل

ہو جاتا ہے کیونکہ اب قبول کے کوئی معنی نہیں رہے اور اُن کا اس مجلس سے اُٹھ جانا ایجاب سے اُن کے اعراض کے مانند ہوا، لہٰذا یہ قبولیت میں شمار نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی فریق کسی ایسے کام میں مشغول ہو جائے جس سے یہ کارروائی منقطع ہوتی ہو تو اُس نے بھی عقد کی قبولیت سے اعراض کیا۔ پھر یہ شرط کہ ہر فریق دوسرے فریق کے قول کو سنے اور سمجھے کہ اس قول سے اُس فریق کی منشاء عقدِ زواج ہی ہے، تو یہ اس لئے ہے کہ یہی امر اُس کی قبولیت کو ایجاب کا جواب بناتا ہے اور ایجاب دراصل ایک فریق کا دوسرے فریق کی جانب سے قبولیت کا منتظر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر ایک فریق اُس ایجاب کو سمجھ ہی نہ پایا، تو یہ ایجاب ہوا ہی نہیں، لہٰذا اُس کی قبولیت بھی نہیں ہوئی۔ پس ایسے معاملے کی واقعی حقیقت یہ ہوئی کہ یہ ایجاب و قبول ہی واقع نہیں ہوا۔ پھر ایجاب پر کسی طرح کا اعتراض نہ ہونے کی شرط کا سبب یہ ہے کہ جب تک ایجاب کو مکمل طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا، اس کی قبولیت ثابت نہیں ہوتی اور اگر اس ایجاب کے کسی حصہ سے اختلاف کیا جائے تو اسے اس چیز کی قبولیت نہیں کہا جاسکتا جس کی ایجاب میں پیش کش کی گئی۔ اور جہاں تک اس شرط کا تعلق ہے کہ شریعت ایک فریق کو دوسرے فریق سے نکاح کی اجازت دیتی ہو، تو یہ اس وجہ سے ہے کہ شریعت نے بعض عقد کو ممنوع رکھا ہے اور ایسا عقد کرنا جائز نہیں۔

یہ بحث عقد کے انعقاد کے حوالے سے تھی، پھر جہاں تک عقد کے صحیح ہونے کا سوال ہے تو جب اُس عقد میں کوئی ایسی چیز نہ ہو کہ جس سے شرع نے منع کیا ہے تو وہ عقد صحیح ہوتا ہے، لیکن جب اس عقد کو سرانجام دینے پر کوئی معین ممانعت وارد ہوئی ہو تو یہ عقد فاسد ہو جاتا ہے گو کہ باطل نہیں ہوتا۔ پس عقد کے صحیح اجراء کیلئے جو یہ شرط ہے کہ عورت عقدِ زواج کیلئے موزوں ہو، تو اس کا سبب یہ ہے کہ شریعت نے بعض عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے، جیسے دو بہنوں سے نکاح کرنا، تو جب کسی ایسے شخص پر عقد طے کیا جائے کہ جس سے عقد کرنا حرام ہے، تو وہ عقد صحیح نہیں ہو گا۔ ولی، وکیل یا guardian کے بغیر نکاح کے صحیح نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ابن حبان اور حاکم نے ابو موسیٰؓ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ (لا نكاح إلا بوليّ) "ولی کے بغیر نکاح نہیں"۔ عورت کو از خود اپنا نکاح کرنے یا کسی اور کا نکاح کرنے کا اختیار نہ ہونے اور اپنے ولی کے سوا کسی اور کو اپنے نکاح کیلئے نمائندہ مقرر نہ کرنے کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے جو عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (أيّما امرأة نكحت بغير أذن وليّها فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل) "کوئی بھی عورت جو اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اُس کا نکاح

باطل ہے، تو اُس کا نکاح باطل ہے، تو اُس کا نکاح باطل ہے"(حاکم)۔ اور یہ حدیث جسے ابو ہریرۃ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**لا تزوج المرأةُ المرأةَ، ولا تزوج المرأةُ نفسها، فإن الزانية هي التي تزوج نفسها**) "کوئی عورت کسی اور عورت کو نکاح میں نہ دے، اور نہ خود کو دے، کیونکہ صرف زانی عورت ہی خود کو اس طرح سپرد کرتی ہے"(ابن ماجہ)۔ عقدِ زواج کی صحت کیلئے دو مسلم گواہ لازمی ہونے کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں طلاقِ رجعی والی عورت کی اپنے شوہر کے پاس واپسی کیلئے دو گواہوں کی شرط رکھی ہے، اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:(**فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ**)"پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کے خاتمے پر، پھر روک لو انھیں بھلے طریقے سے، یا جدا کر دو انھیں بھلے طریقے سے اور گواہ بنالو دو عادل اشخاص کو اپنوں میں سے"(سورۃ الطلاق:2)۔ حسن نے (منکُمْ) یعنی اپنوں میں سے کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد مسلمان ہیں۔ جب رجعی طلاق میں جو کہ درحقیقت شادی کا تسلسل ہی ہے، رجوع کیلئے دو مسلم گواہوں کو لازمی بتایا گیا تو پھر نکاح جس سے کہ زوجیت کی ابتداء ہوتی ہے اُس میں دو گواہوں کا ہونا بدرجہ اولیٰ شرط ہے۔ مزید یہ کہ نکاح کا عقد اور اس کا تسلسل دونوں ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں لہٰذا اُن کا حکم بھی ایک ہو گا۔

وہ عورتیں جو محرّمات ہیں

محرمات وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کا حرام ہونا قرآن اور سنت میں واضح طور پر بیان ہوا ہے۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے، تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيلًا) "اور ان عورتوں سے شادی نہ کرو جن سے تمہارے باپ شادی کر چکے ہیں، مگر جو پہلے ہو چکا، سو ہو چکا، بے شک یہ تو ایک بے حیائی اور ناپسندیدہ کام، اور بری راہ ہے" (سورۃ النساء:22)۔ اور فرمایا: (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَآئِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ط وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذَالِكُمْ) "تم پر حرام ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری خوش دامنیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو دوسرے شوہر سے ہوں اور تمہاری پرورش میں ہوں جن کو پیدا کیا ہے تمھاری ان بیویوں نے جن سے تم ہم بستر ہو چکے ہو، لیکن اگر تم ہم بستر نہیں ہوئے ہو تو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں اس نکاح میں، اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تم سے پیدا ہوں، اور یہ بھی کہ تم دو بہنوں کو اکٹھا کرو مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور شوہر والی عورتیں، سوائے ان کے جو تمہاری باندیاں ہوں۔ یہ اللہ نے تمہارے لئے لازم کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لئے جائز ہیں"

(النساء:24-23)۔ اور جہاں تک سنتِ رسول ﷺ کا تعلق ہے تو ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:(لا يجمع الرجل بين المرأة وعمتها، ولا بين المرأة خالتها) "کوئی آدمی اپنی بیوی اور اُس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں نہ رکھے"(متفق علیہ)۔ نیز مسلم نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إن الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة) "دودھ کا رشتہ عورت کو ویسے ہی حرام کرتا ہے جیسے کہ پیدائش کا رشتہ حرام کرتا ہے"۔

لہٰذا ماؤں سے نکاح مطلقاً حرام ہے۔ مائیں وہ تمام عورتیں ہیں جن سے ایک شخص کا ولادت کا رشتہ ہے۔ اِن میں وہ ماں بھی شامل ہے جو حقیقی ماں ہے اور وہ شخص اسی کے بطن سے پیدا ہوا ہے یا وہ مائیں جو مجازی ہوں جیسے اپنی سگی ماں کی والدہ یا اُن سے اور اوپر یعنی ماں کی والدہ کی والدہ وغیرہ۔ اس طرح دادی، نانی یا ماں یا باپ کی دادی اور نانی اور دادا، دادی اور نانا یا نانی کی دادیاں یا نانیاں، یا اُن سے بھی اوپر، خواہ وہ اس شخص کی وراثت کی حقدار ہوں یا نہ ہوں۔ یہ سب کی سب محرمات میں سے ہیں۔

نیز بیٹیوں سے نکاح مطلقاً حرام ہے۔ بیٹیاں وہ تمام عورتیں ہیں جن کی ایک شخص سے ولادت کی نسبت ہو۔ اِن میں وہ بیٹیاں بھی ہیں جو ایک شخص کا اپنا خون ہوں یا وہ بیٹیاں جو اس کے بیٹوں یا بیٹیوں کی اولاد ہوں، اور خواہ یہ براہِ راست بیٹوں یا بیٹیوں کی بیٹیاں ہوں یا اُن کی نسل میں ذیلی ہوں، خواہ یہ بیٹیاں وارث ہوں یا وراثت میں حقدار نہ ہوں۔ یہ سب کی سب بیٹیوں کی تعریف میں آتی ہیں اور ان سب سے نکاح حرام ہے۔

پھر بہنوں سے نکاح مطلقاً حرام ہے اور بہنیں تین طرف سے ہوتی ہیں۔ ایک وہ بہنیں جو ماں اور باپ دونوں کے مشترکہ رشتے سے بہنیں ہوں، دوسری وہ جو صرف ماں کے رشتے سے بہن ہو اور تیسری وہ جو صرف باپ کے رشتے سے بہن ہو۔

پھوپھیاں جو باپ کی تینوں طرح سے بہنیں ہوتی ہیں، ان سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نانا اور دادا کی بہنیں بھی محرمات ہوتی ہیں خواہ یہ دادا یا نانا حقیقی ہوں یا حقیقی دادا اور نانا کے اجداد ہوں اور خواہ یہ لوگ ورثے میں حقدار ہوں یا نہ ہوں۔

اسی طرح خالاؤں کا معاملہ ہے جو ماں کی تینوں طرف سے بہنیں ہوں، وہ بھی محرم ہیں۔ اس کے علاوہ نانی کی بہنیں ہوں یا نانی کے اجداد کے تعلق سے بہنیں ہوں سب محرمات میں داخل ہیں کیونکہ ماں کی نانیاں اور نانیوں کی بہنیں سب کی سب خالاؤں کی تعریف میں آتی ہیں اور یہ محرمات عورتیں ہیں۔

اسی طرح بھائی کی بیٹیاں یا کوئی بھی عورت جو بھائی سے ولادت کی نسبت رکھتی ہو وہ سب بھائی کی بیٹیوں میں شمار ہو گی اور نکاح کیلئے محرمات میں داخل ہے خواہ یہ بھائی ایک ماں باپ سے ہو، صرف ماں کے رشتہ سے بھائی یا صرف باپ کے رشتہ سے بھائی ہو۔ نیز اسی طرح بہنوں کی بیٹیوں کا معاملہ ہے۔

یہی معاملہ رضائی ماؤں یعنی جنھوں نے ایک شخص کو دودھ پلایا ہو کا ہے، وہ عورتیں اور اُن کی مائیں اور اُن کی نانیاں دادیاں یا اُن سے بھی اوپر کی نسل جو اُن کے شجرۂ نسب میں ہو وہ سب اس حرمت میں شامل ہیں۔ نیز ہر وہ عورت جس کی ماں نے ایک شخص کو دودھ پلایا ہو یا جنھیں اس شخص کی ماں نے دودھ پلایا ہو یا جس عورت کو اُسی عورت نے دودھ پلایا ہو جس نے اس شخص کو بھی دودھ پلایا، یا اُس عورت نے اور اس شخص نے ایک ہی عورت سے دودھ پیا ہو، ایسی تمام عورتیں بھی محرمات ہوں گی خواہ دودھ پلانے والیوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہی ہو۔ ایسی تمام عورتیں اس شخص کی بہنیں ہوں گی اور وہ سب محرمات میں داخل ہیں جن سے نکاح حرام ہے۔

اپنی بیویوں کی ماؤں سے بھی نکاح حرام ہے۔ جس کسی نے ایک عورت سے شادی کی ہو، پھر اُس عورت کی حقیقی یا رضاعی، قریبی یا دور والی مائیں سب اسی تعریف میں داخل ہیں، اور اس حرمت میں اُس عورت سے مباشرت شرط نہیں ہے بلکہ محض نکاح ہو جانے سے یہ تمام رشتے محرمات میں آگئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے: (**حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ**) "تم پر حرام ہیں تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری خوش دامنیں" (النساء:23)۔

نیز ایک شخص کی بیویاں جن سے نکاح کے بعد مباشرت ہو چکی ہو، کی بیٹیاں اس شخص کی سوتیلی بیٹیاں ہیں اور وہ

محرمات میں اُسی وقت داخل ہوتی ہیں جب اُن کی ماؤں سے مباشرت کی جائے۔ اس صنف میں وہ تمام لڑکیاں یا عورتیں شامل ہیں جو بیوی کی حقیقی یا رضائی، قریبی یا دور کے رشتے سے بیٹیاں ہوں خواہ یہ اس شخص کی وارث ہوں یا نہ ہوں جیسا کہ بیٹیوں کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا۔ اگر اُس بیوی سے مباشرت ہو جائے تو یہ سب حرام ہو جاتی ہیں چاہے ایسی لڑکیاں یا عورتیں اس شخص کی پرورش میں ہوں یا نہ ہوں، کیونکہ اِن کی حرمت والی آیت میں جو کہا گیا:(اللَّاتِي فِي □ جُورِكُمْ)"اور تمہاری پرورش میں ہوں"، یہ اُن کی صفتِ عام کے طور پر ہے نہ کہ شرط کے لحاظ سے۔ پھر جو کہا گیا:(مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ)یعنی"تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے (بیویوں سے) تم ہم بستر ہو چکے ہو"۔ یہ حکم ایک شرط کے ساتھ آیا ہے جس کو واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ (فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ)"لیکن کوئی گناہ نہیں (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنا) اگر ان کی ماؤں سے ہم بستری نہ کی ہو"۔ لہٰذا اگر اُس بیوی سے مباشرت نہ ہوئی ہو تو پھر یہ بیٹیاں محرمات میں نہیں آتیں۔

اسی طرح اپنے بیٹوں کی بیویاں مطلقاً حرام ہیں یعنی ایک شخص کیلئے اُس کے بیٹوں کی بیویاں، اپنے پوتوں اور نواسوں کی بیویاں یا اس نسل میں آنے والوں کی بیویاں، خواہ یہ رشتے حقیقی ہوں یا رضاعی، قریبی ہوں یا دور دراز کے، اِن سب سے محض بیٹوں، پوتوں نواسوں وغیرہ کا نکاح ہوتے ہی حرمت قائم ہو جاتی ہے، مباشرت واقع ہونا یہاں شرط نہیں۔

اپنے باپ کے نکاح میں آنے والی عورتوں سے نکاح حرام ہوتا ہے۔ ایک شخص کیلئے اُس کے باپ کے نکاح میں آنے والی عورت حرام ہے، خواہ یہ رشتے میں قریبی ہو یا دور دراز کی، خواہ وہ وراثت میں حقدار ہو یا نہ ہو، رشتہ خونی ہو یا رضاعت کا۔ نسائی اور الحاکم نے براء بن عازب سے روایت کیا:(لقيت خالي ومعه الراية فقلت: أين تريد؟ قال: أرسلني رسول الله ﷺ إلى رجل تزوج امرأة أبيه من بعده، أن أضرب عنقه أو أقتله) "مجھے میرے ماموں راستے میں ملے، اور اُن کے ہاتھ میں پرچم تھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ اُنھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اُس شخص کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کے فوت ہو جانے کے بعد اُس کی بیوی سے نکاح کر لیا، اور حکم دیا ہے کہ میں اُس کی گردن اُڑا دوں"۔

اسی طرح دو بہنوں کو بیک وقت جمع کرنا حرام ہے خواہ یہ بہنیں حقیقی ہوں یا رضاعی، خواہ اِن بہنوں کا آپس کا رشتہ صرف ماں کی جانب سے ہو، باپ کی طرف سے ہو یا دونوں کی جانب سے ہو، نیز چاہے اِن میں سے ایک سے نکاح دوسری سے مباشرت سے قبل ہوا ہو یا بعد میں، اگر دو بہنیں بیک وقت عقد میں ہوں تو یہ عقد فاسد ہو جائے گا۔

نیز یہ بھی حرام ہے کہ اپنی بیوی اور اُس کی پھوپھی یا خالہ کو ساتھ ساتھ نکاح میں رکھا جائے کیونکہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اللہ ﷺ نے فرمایا: (**لا يجمع الرجل بين المرأة وعمتها، ولا بين المرأة وخالتها**) "کوئی ایک ساتھ نکاح میں نہیں رکھ سکتا ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو" (متفق علیہ)۔ اور سنن ابو داؤد میں روایت نقل ہے: (**لا تنكح المرأة على عمتها، ولا العمة على بنت أخيها، ولا المرأة على خالتها، ولا الخالة على بنت أختها، لا تنكح الكبرى على الصغرى، ولا الصغرى على الكبرى**) "کوئی عورت اپنی پھوپھی کے ساتھ کسی مرد کے نکاح میں نہ جائے، اور نہ کوئی پھوپھی اپنی بھتیجی کے ساتھ نکاح میں رہے، کوئی عورت اپنی خالہ کے ساتھ کسی کے نکاح میں نہ جائے، اور نہ کوئی خالہ اپنی بھانجی کے ساتھ نکاح میں رہے۔ نیز کوئی بڑی بہن اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ نکاح میں رہے اور نہ کوئی چھوٹی بہن اپنی بڑی بہن کے ساتھ کسی کے نکاح میں رہے"۔

اِس کے علاوہ یہ بھی حرام ہے کہ شادی شدہ عورتوں یعنی محصنات سے نکاح کیا جائے کیونکہ محصنات وہ ہیں جنھوں نے شادی کر کے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ کر لیا ہے۔

دودھ کے رشتے یعنی رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسبی یا خونی رشتہ ہوتے ہیں۔ ہر وہ عورت جو خونی رشتہ ہونے کی وجہ سے حرام ہو، وہ رضاعت سے بھی حرام ہو گی، جیسے مائیں، بہنیں، پھوپیاں اور خالائیں، بھانجیاں اور بھتیجیاں جس طرح خونی اور نسبی رشتے کے سبب حرام ہوتی ہیں اُسی طرح رضاعت سے بھی حرام ہوں گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (**يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب**) "پیدائش کا رشتہ جس چیز کو حرام کرتا ہے، دودھ کا رشتہ بھی اسے حرام بناتا ہے" (متفق علیہ)۔ اور مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: (**الرضاع يحرّم ما تحرّم الولادة**) "دودھ کا رشتہ اُس رشتے (سے شادی کو) کو حرام کر دیتا ہے جو پیدائش کے رشتے سے حرام ہو"۔ اسی طرح عائشہؓ سے مروی ہے: (إن

أفلح أخا أبي القعيس استأذن عليّ بعدما أُنزل الحجاب، فقلت: والله لا آذن له حتى استأذن رسول الله ﷺ ، فإن أخا أبي القعيس ليس هو أرضعني، ولكن أرضعتني امرأة أبي القعيس، فدخلت على رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله، إن الرجل ليس هو أرضعني، ولكن أرضعتني امرأة أخيه. قال: اذني له فإنه عمك تربت يمينك) "پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد ابوالقعیس کے بھائی افلح نے اندر آنے کی اجازت چاہی جو (عائشہ کے رضاعی چچا تھے)۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم میں اس وقت تک افلح کو اجازت نہ دوں گی جب تک اس معاملے پر رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ جان لوں کیونکہ ابوالقعیس کے بھائی نے مجھے دودھ نہیں پلایا بلکہ ان کی بیوی نے مجھے دودھ پلایا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ وہ آدمی نہیں تھا جس نے مجھے دودھ پلایا بلکہ اس کی بیوی نے پلایا تھا"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دو کیونکہ وہ تمھارے چچا ہیں، اگر تم نے یہ نہ پوچھا ہوتا تو تم ہلاک ہو جاتیں" (متفق علیہ)۔ اِس حرمت کا سبب وہ دودھ ہے جو پلایا گیا۔ لہٰذا وہ جس نے دودھ پلایا اور وہ جو دودھ کا مالک تھا، دونوں حرام ہو گئے خواہ وہ جو دودھ کا مالک تھا وہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ بچہ جس کو دودھ پلایا گیا وہ دودھ پلانے والی کا بیٹا تھا یا نہیں، بہر حال حرام ہو گیا۔ لہٰذا کسی شخص کیلئے اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح جائز ہوا لیکن اس شخص کیلئے اس کی رضاعی بہن یا بھائی سے نکاح حرام ہوا۔ چنانچہ اگر ایک شخص کو کسی عورت نے دودھ پلایا ہو تو وہ اُس شخص کی رضاعی ماں ہوئی اور اُس کا شوہر رضاعی باپ ہو گیا اور اُن کی اولاد اِس شخص کے رضاعی بہن بھائی ہوئے، تاہم جس شخص نے دودھ پیا ہو، اُس کے اپنے بہن بھائی دودھ پلانے والی عورت کے بچوں کے بہن بھائی نہیں ہوں گے اور اُن کیلئے نکاح کی حرمت نہیں ہو گی۔ لہٰذا جو چیز حرام کرنے والی ہے وہ دودھ ہے۔

یہ وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنا حرام ہوا، اس کے ماسوا نکاح حرام نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **(وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذَالِكُمْ)** "ان کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لئے جائز ہیں" (النساء:24)۔ نیز جیسے پہلے ذکر کیا گیا، اِن رشتوں کے ماسوا مشرک عورتیں اور محصنات حرام ہیں۔

تعدّدِ ازواج

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے:(فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَالِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا)"تو عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی۔ یہ زیادہ قریب ہے(ناانصافی کرنے سے)تاکہ تم ایک طرف جھک جانے سے بچ جاؤ" (سورۃ النساء:3)۔ یہ آیت ہجرت کے آٹھویں سال رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور اس میں ازدواج کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا گیا جس پر اب تک کوئی قید نہیں تھی۔ اس کو پڑھنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کر دینا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو تمہارے لئے حلال ہیں اور جو تمہیں پسند ہیں، اُن میں سے تم دو، تین یا چار سے نکاح کرلو۔ یہاں تعداد کو دو دو، تین تین یا چار چار کہہ کر ہر نکاح کرنے والے کو اپنی پسند سے شادیاں کرنے کی اس شرط پر یہ اجازت دی گئی ہے کہ بہر حال یہ تعداد چار تک محدود رہے۔ بالفاظِ دیگر، ہر وہ شخص جو ایک سے زیادہ نکاح کرنا چاہے، وہ اپنی پسند کی عورتوں سے اس شرط پر نکاح کر سکتا ہے کہ اُن کی تعداد چار سے زیادہ نہ ہو۔ اس کی مثال کچھ ایسی ہے کہ ایک گروہ سے کہا جائے کہ یہ ہزار دینار اس گروہ میں تقسیم کرنا ہے، اور اِنھیں دو دو، تین تین، چار چار کے عدد میں تقسیم کر دو لیکن اگر یہی بات جمع کی جگہ واحد کے صیغہ میں کہی جائے کہ دو، تین یا چار کے حساب سے تقسیم کر دو تو یہ بات بے معنی ہو گی۔ لہٰذا لا محالہ اسے دو دو، تین تین یا چار چار کہا جائے گا تاکہ ہر فرد اپنی پسند کے اعتبار سے اِن میں کوئی ایک عدد چن لے۔ چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنی پسند کی عورتوں میں سے دو دو، تین تین یا چار چار سے نکاح کرلے، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر شخص، دو، تین یا چار نکاح کر سکتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً)"لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یکساں برتاؤ نہ کر سکوگے تو پھر ایک ہی پر بس کرو" (سورۃ النساء:3)۔ اس کے معانی یہ ہوئے کہ اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم اِن سے برابری کا سلوک نہیں کرپاؤ گے تو پھر ایک ہی پر اکتفاء کرو اور باقی ازواج کو چھوڑ دو۔ تعداد کا یہ معاملہ انصاف و عدل پر منحصر ہے۔ جہاں تمہیں لگے کہ انصاف کر سکتے ہو تو تمہارے لئے یہ ایک سے زیادہ کی تعداد ہے۔ البتہ ایک ہی پر اکتفاء کرلینا ناانصافی کے تدارک کیلئے بہتر ہے۔ یہاں(کہ تم یکساں برتاؤ نہ کر سکوگے) کے معانی نانصافی کے ہیں۔ حاکم جب نانصافی کرے تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سیدھے راستے سے ہٹ گیا ہے۔ صحیح ابن حبان میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (أن لا تعولوا: أن لا تجوروا) "أن لا تعولوا کے معانی یہ ہوئے کہ زیادتی و ظلم نہ کرو"۔

یہ آیت ایک سے زیادہ بیوی کیلئے اجازت دیتی ہے اور اُن کی تعداد چار تک مقید کر دیتی ہے لیکن ساتھ میں اُن سب کے ساتھ برابری کے سلوک کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اگر برابری کا برتاؤ نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو ایک ہی پر اکتفاء کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے کیونکہ جب اُن کے درمیان عدل و توازن نہ کر سکنے کا خوف ہو تو انصاف کی بہتر شکل یہی ہے کہ ایک پر اکتفاء کیا جائے۔ اور یہی ایک مسلمان کی صفت ہونا چاہئے۔

البتہ یہ واضح رہنا ضروری ہے کہ یہاں جس عدل و انصاف کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ازواج کے ایک سے زیادہ ہونے کی اجازت کیلئے بطورِ شرط نہیں ہے بلکہ اُس شخص کیلئے برابری کے برتاؤ کا حکم ہے جو ایک سے زیادہ شادیاں کرے کہ وہ اُن کے درمیان انصاف و برابری کا پابند ہے۔ نیز اگر اسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ ایسا نہیں کر پائے گا تو اس حالت میں اسے ترغیب یہی دلائی گئی ہے کہ وہ ایک ہی پر اکتفاء کرے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا:(فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ) "تو عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے"(سورۃ النساء:3)۔ اس کے معانی بیویوں کی تعداد کا ایک سے زیادہ ہونے کی بلا کسی شرط اجازت ہے اور یہاں ایک جملہ ختم ہوا۔ اب ایک دوسری بات کہی جارہی ہے اور وہ یہ کہ "لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ "یہ بات پہلی بات سے علیحدہ جملہ

ہے، اگر یہ بطورِ شرط ہوتا تو لازمی تھا کہ یہ پہلے جملے سے متصل رہتا علیحدہ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اجازت عدل و انصاف سے مشروط ہوتی تو لامحالہ یہ کہا جاتا، "تو عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو، دو دو، تین تین، چار چار، اگر تم انصاف کر سکو"، لیکن ایسا نہیں کہا گیا۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ عدل یا انصاف تعدّدِ ازواج (ایک سے زیادہ بیویاں ہونے) کیلئے شرط نہیں ہو گی بلکہ یہ پہلے حکم سے علیحدہ ایک اور حکم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تعددِ ازواج کیلئے اجازت مرحمت فرمائی، پھر ایک دوسرا حکم آیا اور وہ یہ کہ اگر تم یہ سمجھو کہ اُن کے درمیان برابری کا سلوک نہ کر پاؤ گے تو بہتر یہی ہے کہ ایک ہی پر اکتفاء کر لو۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت بغیر کسی قید، شرط یا علت کے رکھی ہے اور ہر مسلمان اپنی پسند کی عورتوں میں سے دو دو، تین تین یا چار چار سے شادی کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (مَا طَابَ لَكُمْ) "جو بھی تمہیں اچھی لگیں"۔ یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عورتوں کے درمیان انصاف اور برابری کے سلوک کا حکم دیا ہے اور اگر ہمیں ایسا نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو رغبت یہ دلائی ہے کہ ایک ہی پر اکتفاء کر لیں کیونکہ ایک ہی پر بس کرنا، اُن پر ظلم و زیادتی سے بچنے کے قریب تر ہے۔

جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ عورتوں کے درمیان انصاف سے مراد کیا ہے؟ تو درحقیقت یہ قطعی برابری (absolute justice) نہیں ہے؛ بلکہ یہ ازواج کے درمیان اُس حد تک برابری کی بات ہے جو ایک انسان کے بس میں ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اُتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جتنا اُس انسان کے دائرۂ اختیار میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کا سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے: (لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا) "اللہ کسی جان پر بس اس کی طاقت اور وُسعت کے مطابق ذمہ داری کا بوجھ ڈالتا ہے" (سورۃ البقرۃ:286)۔ یہ صحیح ہے کہ یہاں عدل کا حکم عام ہے اور یہ جو کہا گیا کہ (فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا) "لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ"، تو یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کا انصاف اس میں شامل ہے۔ تاہم یہ حکمِ عام بہر حال کسی انسان کے بس یا اُس کی وسعت سے مخصوص ہو جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ ارشاد ہے: (وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ) "اور خواہ تم کتنا ہی چاہو تم سے یہ نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان کامل طور پر برابری کا برتاؤ کر سکو، تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف بالکل ڈھلک جاؤ" (سورۃ النساء:129)۔ اس آیت

میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ہم عورتوں کے درمیان اس طرح عدل و برابری کر سکیں کہ سب کی طرف بالکل یکساں رجحان و میلان ہو اور اُن کے واجبات کی ادائیگی میں ذرا بھی کمی بیشی واقع نہ ہو۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قطعی عدل کی بندش نہیں رکھی اور ہم پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالی جتنی ہماری طاقت و وسعت ہے۔ البتہ یہ شرط رکھی کہ ہم اپنی کوشش اپنی تمام تر وسعت کے ساتھ کریں کیونکہ استطاعت سے بڑھ کر بوجھ ڈالنا دائرۂ ظلم میں آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا) "تمہارا ربّ کسی پر ظلم نہیں کرے گا"(سورۃ الکہف:49)۔ پھر جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ)"تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف بالکل ڈھلک جاؤ"، وہیں یہ بھی کہہ دیا: (وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا) "اور خواہ تم کتنا ہی چاہو تم سے یہ (برابری) نہ ہو سکے گا"۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تم خواہ کتنا بھی چاہو، بہر حال اُن سے محبت میں برابری اور عدل نہ کر پاؤ گے۔ یہی بات سابقہ آیت سے لازم آتی ہے جہاں اس عدل کو محبت اور جنسی جماع کے سوا دوسرے امور میں خاص کیا گیا ہے اِن میں عدل مطلوب نہیں ہے کیونکہ انسان کو اس پر اختیار ہی نہیں ہوتا کہ وہ محبت میں برابری کر سکے۔ اس بات کی تائید اُس حدیث سے بھی ہو جاتی ہے جسے عائشہؓ سے ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے: (كان رسول الله ﷺ يقسم فيعدل ويقول: اللهم هذا قسمي فيما أملك، فلا تلمني فيما تملك ولا أملك)"رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان چیزوں کو انصاف کے مطابق تقسیم فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے، اے میرے رب! جو کچھ میرے بس میں ہے، یہ تقسیم اس کے مطابق ہے، مجھ پر اس کی ذمہ داری یا ملامت نہیں ہو جو میرے بس میں نہیں بلکہ تیرے اختیار میں ہے"۔ یہاں بس میں نہ ہونے سے مراد دل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ)"اور خواہ تم کتنا ہی چاہو تم سے یہ نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان کامل طور پر برابری کا برتاؤ کر سکو"(النساء:129)، کے بارے میں عبد اللہ ابن عباسؓ کا قول مروی ہے کہ "یہ آیت محبت اور جنسی جماع کے متعلق ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ اپنا پورا رجحان اور میلان اُن میں بس کسی ایک ہی پر مخصوص کر لے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ میلان اور رجحان کی بہر حال اجازت ہے کیونکہ پوری توجہ ایک کی جانب کرنے سے منع کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ جھکاؤ اور رجحان فی نفسہ مباح ہیں۔ اس کی مثال قرآن حکیم کی آیت ہے جس میں بے تحاشہ سخاوت سے منع کیا گیا ہے، آیت کے الفاظ ہیں:(وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ) "اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ

دو"(سورۃ بنی اسرآئیل:29)۔ یعنی اس آیت سے مراد ہے کہ اپنے ہاتھ محتاجوں کیلئے کھلے رکھو البتہ یہ بالکل ہی کھلا نہیں ہونا چاہئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مرد کیلئے یہ اجازت رکھی ہے کہ عورتوں میں سے بعض کیلئے دوسری بعض سے زیادہ اُنسیت یا جھکاؤ رکھے لیکن ساتھ ہی اس بات سے بھی منع فرمادیا کہ اس جھکاؤ میں ہر چیز شامل ہو بلکہ لازمی ہے کہ یہ جھکاؤ اُن ہی چیزوں میں ہو سکتا ہے جو اس کیلئے موزوں ہوں یعنی محبت اور شہوت۔ پس آیت سے مفہوم یہ ہو گا کہ بس ایک ہی طرف پورے جھکاؤ سے بچو کیونکہ جب ایسا ہو گا تو لامحالہ دوسری بیوی معلقہ (suspended) محسوس کرے گی جس کی نہ تو طلاق ہوئی ہے اور نہ ہی اُس کا کوئی شوہر ہی ہے۔ ابن حبان نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(من كانت له امرأتان يميل لإحداهما على الأخرى جاء يوم القيامة يجر أحد شقية ساقطاً أو مائلاً)** "جس کسی کی دو بیویاں ہوں اور وہ اُن میں سے ایک کو ترجیح دے یا اس کی جانب مائل ہو تو وہ قیامت کے دن ایسا آئے گا کہ اُس کے جسم کا ایک حصہ گرا ہوا یا جھکا ہوا ہو گا"۔

لہٰذا شوہر پر جو عدل و برابری لازم آتی ہے وہ یہ کہ وہ اپنی بیویوں سے جو امور اُس کے بس میں ہیں اُن میں برابری کرے جیسے رات کو اُن کے ہاں ٹھہرنا، غذائی اشیاء کی فراہمی، لباس، گھر وغیرہ۔ جبکہ وہ امور جو جھکاؤ اور میلان کے زمرے میں آتے ہیں وہ محبت اور شہوت ہیں جن میں عدل مطلوب نہیں ہے کیونکہ انسان کا اس پر بس نہیں اور یہ نصِ قرآنی کی بناء پر مستثنیٰ ہیں۔

نصوصِ شریعت میں ازواج کے تعدّد کا موضوع اس انداز میں وارد ہوا ہے۔ یہ نصوص اور ان نصوص کے لغوی اور شرعی معنی کی حدود و قیود اور اِن سے نکلنے والے اشاروں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ اور چار تک نکاح کرنے کی، بلا کسی قید یا پابندی کے، عام اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس اجازت کی نص بغیر کسی علت (شرعی وجہ) کے وارد ہوئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا: (مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ) یعنی "تو عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں"(النساء:129)، تو یہ فقرہ فی الحقیقت کسی بھی علت کی نفی پر دلیل ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم شرعی حکم اخذ کرنے کیلئے شرعی نصوص اور جن چیزوں سے احکامِ شرع مستنبط ہوتے ہیں، اُن پر ہی اکتفاء کریں۔ اس بات کی اجازت نہیں کہ شریعت کے اس حکم پر اپنی طرف سے کوئی بھی علت لگائی جائے (یعنی اپنی طرف سے حکم کی کوئی وجہ طے کی

جائے) چہ جائیکہ وہ عدل ہی کی علت ہو یا حاجت کی یا کسی اور طرح کی علت سے اس حکم کو مقید کیا جائے کیونکہ نہ تو نصوص میں یہ حکم علت کے ساتھ وارد ہوا ہے اور نہ ہی کہیں اور اس کی کوئی علت آئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی حکم کی کوئی علت صرف شریعت ہی سے ماخوذ ہو سکتی ہے۔ کسی حکم کے صحیح ہونے کیلئے لازمی ہے کہ جس علت کا اس حکم کے استنباط میں اعتبار کیا گیا ہو، وہ نصوصِ شرع میں ہی وارد ہوئی ہو۔ اس کے برعکس اگر عقلی علت پر اعتبار کیا جائے، یا علت نصِ شرع میں وارد نہ ہوئی ہو تو ایسا مستنبط کیا ہوا حکم شرعی حکم ہرگز نہ ہو گا بلکہ یہ انسان کا وضع کردہ مصنوعی حکم ہو گا اور اُس پر عمل حرام ہو گا۔ نیز ایسے حکم کی تطبیق جائز نہیں کیونکہ یہ کفریہ حکم ہے۔ کیونکہ ہر وہ حکم جو شرعی نہیں، وہ کفریہ حکم ہے کیونکہ شرعی حکم کی تعریف ہی یہ ہے کہ یہ حکم شارع (اللہ تعالیٰ) کا خطاب ہے۔ چنانچہ ناگزیر ہو گا کہ یہ حکم شارع ہی کے خطاب کی نص سے یا اس کے مفہوم سے یا اس کی دلالت سے یا پھر نصوصِ شریعت کے اشارے سے ماخوذ ہو۔ نیز ایسے اشارے سے جو بھی احکام اخذ ہوں گے، وہ تمام شرعی حکم ہی کے زمرے میں آئیں گے۔ یہ اشارہ جو نص میں صراحتاً، یا دلالتاً موجود ہو یا نص سے مستنبط ہو یا اسے نص پر قیاس کیا گیا ہو وہ اُس حکم کی شرعی علت ہوتا ہے۔ لیکن اگر نص میں اس طرح کوئی اشارہ موجود نہ ہو تو پھر اس کی کوئی حیثیت و قیمت نہیں رہ جاتی۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تعددِ ازواج کے مسئلہ پر کوئی علت پیش کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسی کوئی علت نصوصِ شریعت میں وارد ہی نہیں ہوئی، اور جب شارع کے خطاب میں علت وارد نہیں تو ایسی کسی بھی خود ساختہ علت کی کوئی قیمت و حیثیت نہیں رہ جاتی۔

البتہ کسی شرعی حکم کی علت وارد نہ ہونے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اُس حکم کی حقیقت کو سمجھنا اور اس کی شرح پیش کرنا ہی درست نہیں یا یہ کہ یہ حکم اُس مسئلے کو کس طرح حل کرتا ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تاہم یہ محض حقیقتِ واقع کی تشریح ہے نہ کہ اُس حکم کی علت۔ کسی حکم کی علت، اور اس کے حقیقتِ حال کی تشریح میں یہ فرق ہوتا ہے کہ وہ علت اُس حکم میں دائمی موجود ہو اور اس پر دوسرے احکام کیلئے قیاس کیا جائے جن میں یہ علت موجود ہو۔ اس کے برعکس اس کی تشریح محض حقیقتِ حال کی اُس وقت وضاحت ہے جب یہ بیان کیا جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسی وضاحت و تشریح دائمی طور پر ہمیشہ کیلئے صحیح ہو۔ لہٰذا اس تشریح یا وضاحت پر کسی اور مسئلے میں قیاس کر کے حکم اخذ نہیں کیا جائے۔ اس بنیاد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس معاشرے میں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہو وہاں رکھیلوں یا

mistressesکی تعداد نہیں ہو گی۔ اس کے برعکس اُن معاشروں میں جہاں تعددِ ازواج ممنوع ہوں وہاں رکھیلوں کی تعداد کثرت سے ہو گی۔ مزید یہ کہ تعددِ ازواج فی نفسہ انسانی معاشرے میں پیدا ہونے والے متعدد مسائل کو حل کر دیتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں جنم لینے والے متعدد مسائل کے حل کا یہی تقاضا ہے کہ وہاں تعدّدِ ازواج کی اجازت ہو۔ ذیل میں ایسی بعض مشکلات بطورِ مثال پیش کی جاتی ہیں:

1) بعض مردوں کا رجحان عام رَوِش سے ہٹ کر ہوتا ہے اور اُن کیلئے ایک ہی بیوی کافی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یا تو وہ اُس پر ظلم کرتے ہیں یا اسے نقصان پہچاتے ہیں اور اگر اُن کے سامنے دوسری اور تیسری شادی کا دروازہ ہی بند ہو تو وہ دوسری عورتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں معاشرے کے افراد بے حیائی اور زنا سے دوچار ہوتے ہیں اور گھروں میں شکوک اور عدم اعتباری کا ماحول چھا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ لازمی ہے کہ ایسے شخص کیلئے حلال مواقع کھلے ہونا چاہئیں جن کے ذریعہ وہ اپنے جسم کی جبلت کو اللہ تعالیٰ کے حلال کئے ہوئے طریقہ سے سیر کر سکے۔

2) ایسا ممکن ہے کہ عورت بانجھ ہو اور اسے اولاد ہی نہ ہوتی ہو لیکن شوہر اور بیوی کے دلوں میں باہم ایک دوسرے کیلئے محبت ہو اور وہ اپنی ازواجی زندگی کو ایک دوسرے کے ساتھ قائم رکھنا چاہتے ہوں اور شوہر میں اولاد کی خواہش ہو۔ اب اگر شوہر کیلئے دوسری شادی کی اجازت نہ ہو اور کوئی دیگر راستہ اُس کیلئے بند ہو تو پھر وہ یا تو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے اور اپنے گھر کو ٹوٹ پھوٹ میں جھونک دے اور ہنسی خوشی کی ازدواجی زندگی کو خراب کرلے یا اولاد ہونے کی خوشی و مسرت سے محروم رہے جو کہ اُس کے اندر باپ ہونے کی فطری جبلت کو کچل دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا یہ ناگزیر ہے کہ ایسے شوہر کیلئے اس بات کی گنجائش باقی رہنا چاہئے کہ وہ اپنی پہلی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرے اور اُسے اولاد حاصل ہو سکے۔

3) ایسا بھی ممکن ہے کہ بیوی کسی ایسے مرض میں لاحق ہو جس کے سبب وہ شوہر کے ساتھ ہم بستری کرنے، گھر کی دیکھ بھال کرنے اور اپنے شوہر اور بچوں کا خیال رکھنے سے قاصر ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے شوہر کو اتنی محبوب ہو کہ اسے طلاق دینا یا اُس کے ساتھ اپنی شادی شدہ زندگی ختم نہ کرنا چاہتا ہو جبکہ صرف اُس بیوی کے ساتھ شوہر کی زندگی بھرپور طور سے استوار بھی نہ ہو رہی ہو۔ ایسے میں لازمی ہے کہ شوہر کیلئے ایک سے زیادہ بیوی کا راستہ ہموار رہے۔

4) دنیا میں جنگیں ہوتی ہیں اور انقلاب آتے ہیں جہاں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں آدمی اِن جنگوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور معاشرے میں عورت اور مردوں کا توازن یکسر بگڑ کر رہ جاتا ہے۔ یہی صورتِ حال پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے دوران خاص کر یورپ میں حقیقتاً واقع ہوئی تھی۔ اِس صورت میں اگر ایک شخص ایک عورت سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکتا تو باقی عورتوں کا کیا ہو گا؟ یہ عورتیں ازدواجی زندگی سے، اس کی خوشیوں سے اور زوجیت کی راحت سے محروم رہیں گی۔ مزید یہ کہ انسان میں جو جبلتِ نوع موجود ہے، اُس کی تسکین نہ ہو سکنے کی حالت میں اخلاقی بگاڑ کا خطرہ پیدا ہو گا۔

5) ایک صورتِ حال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی قوم یا علاقے میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ کر ہو جس کی وجہ سے تناسب بگڑ گیا ہو، جیسا کہ فی زمانہ بیشتر ممالک کا حال ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اس کے سوا اور کوئی چارا نہیں رہ جاتا کہ مرد کو ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت ہو۔

اِن تمام صورتوں کا ایک انسانوں کے معاشرے میں واقع ہونا عین ممکن ہے۔ پھر جب اُس معاشرے میں ایک سے زیادہ بیوی کے رکھنے پر پابندی ہو، تو اس مسئلہ کا علاج ممکن نہیں ہوتا کیونکہ اس کا واحد حل ہی یہ ہے۔ لہٰذا یہ ناگزیر ہو گا کہ ایک سے زیادہ شادی کی اجازت ہو جس سے یہ مسئلہ حل ہو سکے جو انسان کو درپیش ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے تعددِ ازواج کو جائز رکھا البتہ اسے واجب قرار نہیں دیا۔ گو کہ تعدّدِ ازواج ایک ضروری امر ہے تاہم یہ بات ذہن نشین رہے کہ انسانوں کے معاشرے میں پیدا ہونے والے یہ اور اِن جیسے دیگر حالات محض حقیقتِ واقعی ہیں نہ کہ تعدّدِ ازواج کیلئے علت یا اُس کی شرائط۔ اس کے برخلاف ایک مرد کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ بلا کسی قید و پابندی ایک، دو، تین یا چار شادیاں کرے خواہ اسے وہ مشکلات درپیش ہوں جن کا حل تعدّدِ ازواج ہے یا نہ ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ) "تو عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو، دو دو، تین تین، چار چار سے" (سورۃ النساء:3)۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (مَا طَابَ لَكُم) یعنی جو بھی تمہیں اچھی لگیں؛ یہ بات صیغۂ عام میں کہی گئی اور اس میں کسی قسم کی قید یا پابندی نہیں آئی۔ پھر جہاں شریعت نے ایک ہی شادی پر اکتفاء کو پسند کیا، وہ ایسی حالت ہے جہاں اندیشہ ہو کہ کوئی شخص اپنی بیویوں سے عدل نہ کر سکے گا۔ اس کے علاوہ کسی اور صورت میں ایک ہی بیوی کی ترغیب کیلئے کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس کے باوجود کہ اسلام میں تعدّدِ ازواج کیلئے قرآنِ مجید میں صریح نص وارد ہوئی ہے، سرمایہ

دارانہ نظام اور مغربی پروپیگنڈے، جو دیگر ادیان کو چھوڑ کر صرف اسلام پر نشانہ سادھتے ہیں، تعدّدِ ازواج کو اس ڈھنگ سے پیش کرتے ہیں جیسے یہ کوئی کراہت آمیز شئے ہو یا دین میں کوئی کمی یا نقص ہو۔ دراصل اس پروپگنڈے کے پیچھے وجہ یہ نہیں ہے کہ احکامِ الٰہیہ میں کوئی عیب دریافت ہو گیا ہے، اس کا صرف ایک محرک اور مقصد ہے اور وہ یہ کہ اسلام کو نشانہ بنایا جائے۔ اس پروپیگنڈے کا خاصہ اثر ہوا، بالخصوص حکمراں طبقہ اور تعلیم یافتہ نوجوان اس سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ وہ لوگ جو ابھی تک اسلامی جذبات کے حامل ہیں، حرکت میں آئے اور اسلام کے دفاع میں کھڑے ہوئے۔ لیکن اِن افراد نے اسلام کی ایسی تاویلیں پیش کیں جو باطل تھیں اور اِن کے ذریعے اِن لوگوں نے تعدّدِ ازواج پر قدغن لگائی۔ بالفاظِ دیگر اسلامی جذبات کے حامل یہ افراد بھی فی الحقیقت اسلام دشمنوں کے پروپگنڈے کا شکار ہوئے۔ لہٰذا مسلمانوں کو خبردار کرنا لازمی ہے کہ اعمالِ حسنہ وہ افعال ہیں جنہیں شریعت نے حَسَن قرار دیا اور افعالِ بد وہ افعال ہیں جنہیں شریعت نے قبیح بتایا۔ اور یہ کہ جس چیز کی شریعت نے اجازت دی ہے وہ حَسَن ہے نیز جس بات سے روک دیا ہے اور حرام قرار دیا ہے وہ قبیح ہے۔ نیز مسلمانوں کو باخبر کرنا ضروری ہے کہ تعدّدِ ازواج کے نتائج اچھے ہو رہے ہوں یا نہیں، چاہے یہ معاشرے میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کر رہی ہو یا نہیں، حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے اور یہ بات قرآن مجید میں صراحتاً وارد ہوئی ہے، لہٰذا یہ حَسَن ہے اور اس سے روکنا فعلِ قبیح ہے کیونکہ اس سے روکنا کفریہ حکم ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ اسلام نے تعدّدِ ازواج کے فرض ہونے کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ ہی اسے مندوب بتایا ہے بلکہ اسے مباحات میں رکھا ہے اور مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ جب اسے موزوں سمجھیں اختیار کرلیں۔ اسے مباحات میں رکھنے کے معنی یہ ہوئے کہ یہ معاملہ لوگوں کے اختیار میں دیا گیا کہ جب بھی ایسا ضروری ہو وہ اس حل کو استعمال کریں۔ اس حل کے ذریعے اسلام نے مسلمانوں کیلئے یہ جائز رکھا کہ اگر اُن کی دانست میں اُن عورتوں کی طرف رجحان ہو تو اپنے آپ کو اپنی پسندیدہ عورتوں سے محروم نہ کریں۔ چنانچہ تعدّدِ ازواج کی اجازت کا ہونا اور اس اجازت کا فرض نہ ہونا اس حل کو انسانوں کے معاشرے میں ایک نہایت کارگر حل بنا دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی شادیاں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنا یہ قول نازل فرمایا: (فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) "تو اِن عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے، یا تمہاری ملکیت کی لونڈی" (سورۃ النساء: 3)۔ ہجرت کے آٹھویں سال کے اواخر تک رسول اللہ ﷺ اپنی تمام ازواجِ مطہرات کے ساتھ شادیاں مکمل فرما چکے تھے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو اُس وقت آپ ﷺ کی زوجیت میں چار سے زیادہ ازواج تھیں۔ تاہم

آپ ﷺ نے اُن میں سے کسی کو چھوڑ نہیں دیا بلکہ وہ تمام ازواجِ مطہرات آپ ﷺ کے نکاح میں ہی رہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دیگر تمام مسلمانوں کے برخلاف، آپ ﷺ کے ساتھ چار سے زیادہ بیویاں ہونا خاص ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ چار سے زیادہ بیویوں کا ہونا صرف رسول اللہ تک محدود و خاص ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد، جس میں ازواج کی تعداد کو چار تک محدود کیا گیا ہے، سب بیویوں کو نکاح میں رکھا۔ رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی عمل آپ ﷺ کے کسی بھی قول کے متضاد نہیں ہوتا، اگر ایسا تضاد ظاہر ہو تو اُس کے معانی یہ ہوں گے کہ وہ عمل آپ ﷺ کیلئے مخصوص ہے، اور آپ ﷺ کا قول پوری امت کیلئے عام ہے کیونکہ اصولِ شرع میں یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ ﷺ کے افعال امت کیلئے کسی بھی خطاب سے متعارض نہیں ہوتے بلکہ آپ ﷺ کا ایسا عمل صرف آپ ﷺ ہی کیلئے مخصوص ہوتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کیونکہ آپ ﷺ کا امت کو خطاب امت کے لیے ہے اور یہ حکم کسی بھی ایسی دلیل سے بڑھ کر ہے جس میں آپ ﷺ کے قول اور فعل کی اتباع کا کہا گیا ہو۔ لہٰذا عمومی حکم خاص حکم پر قائم ہے اور اسی لیے اس بات کی اجازت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کی اتباع کی جائے جس میں امت کے لیے الگ حکم دیا گیا ہو۔ ہاں البتہ واقعہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی چار سے زیادہ شادیاں اور ازواجِ مطہرات کا خود کو آپ ﷺ کے نکاح کیلئے پیش کرنا آیاتِ قرآنی سے ثابت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَآءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ) "اے نبی ﷺ، ہم نے تمہارے لئے تمہاری وہ بیویاں جائز کی ہیں جن کے مہر تم دے چکے ہو نیز ان عورتوں کو جو تمہاری مِلکِ یمین میں ہوں جو اللہ نے تمہیں بطورِ غنیمت عطا کیں، اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہارے ماموں کی بیٹیاں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں، جنھوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مؤمن عورت جو اپنے نفس کو نبی ﷺ کیلئے ہبہ کر دے اگر نبی ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہے، مؤمنوں سے ہٹ کر یہ خاص تمہارے ہی لئے ہے۔ ہمیں معلوم ہے جو کچھ ہم نے ان کی بیویوں اور ان کی لونڈیوں کے بارے میں ان پر فرض کیا ہے تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے" (سورۃ الاحزاب:50)۔ اس آیت میں

(خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ) "مومنوں سے ہٹ کر یہ خاص تمہارے ہی لئے ہے" کہا گیا ہے۔ لفظ خَالِ□ةً، جو کچھ اس سے پہلے واقع ہوا اُس کی تاکید کیلئے ہے، یعنی یہ جو حلال کیا گیا وہ صرف آپ ﷺ کیلئے مخصوص ہے۔ اس بات کی دلیل کہ یہ حلال کیا جانا چار بیویوں سے زیادہ کیلئے ہے اور صرف آپ ﷺ کیلئے مخصوص ہے، یہ ہے کہ یہ مخصوص دلیل چار جائز معاملات کے دلائل کے بعد وارد ہوئی یعنی بیویوں کا حلال ہونا، لونڈیوں کا حلال ہونا، مالِ غنیمت میں آئی عورتوں کا جائز ہونا، اُن قریبی رشتہ داروں کی بیٹیوں کا جائز ہونا جن کا ذکر کیا گیا اور اُن عورتوں کا جو خود کو براہِ راست آپ ﷺ کیلئے ہبہ کریں۔ مزید یہ کہ اس اجازت کا ذکر تاکید اور زور دے کر کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس کے بعد فرمایا (مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ) "مومنوں سے ہٹ کر" اور آخر میں فرمایا (قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ) "ہمیں معلوم ہے جو کچھ ہم نے ان کی بیویوں اور ان کی لونڈیوں کے بارے میں ان پر فرض کیا ہے"۔ پھر ارشاد ہوا کہ (لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ) "تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے" یعنی آپ ﷺ کیلئے اس میں کوئی تکلیف دہ بات نہ رہے۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی شادیاں بطورِ اتباع یا قانونی پہلو پر مباحثے کیلئے مثال کے طور پر نہیں لی جاسکتیں کیونکہ یہ شادیاں صرف آپ ﷺ کیلئے مخصوص تھیں۔ اس کے علاوہ اِن شادیوں کے حقائق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نبی کی شادیاں تھیں نہ کہ کسی بھی عام انسان کی جو جسمانی شہوت اور مرد یا زن ہونے کے اعتبار سے جبلتِ نوع کیلئے شادیاں کرتا ہے۔ تاریخی حقائق پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی شادی جب امّ المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کی، اُس وقت آپ ﷺ کی عمر تئیس (23) سال تھی اور آپ رضی اللہ عنہا 28 سال آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں۔ بعثتِ نبوی ﷺ کے گیارہویں سال یعنی ہجرت سے محض دو سال قبل، مقاطعہ کی دستاویز کے ختم کئے جانے کے چند مہینوں بعد اور آپ ﷺ کے سفر طائف سے ذرا پہلے سن 620ء میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی جب آپ ﷺ کی عمر پچاس برس ہوگئی تھی۔ آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد اُن کی وفات تک دوسری شادی کا ارادہ بھی نہیں فرمایا جبکہ اُس دور میں عربوں میں ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج عام تھا۔ آپ ﷺ نے امّ المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بعثت سے پہلے سترہ (17) سال نہایت سکون و چین سے بسر کئے اور بعثت کے بعد قریب گیارہ (11) سال کفر کے خلاف نبرد آزما رہتے ہوئے دعوتی زندگی گزاری، لیکن اس دوران مزید شادیوں کا ارادہ نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں امّ

المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یا اُس سے قبل کی زندگی میں جبکہ جاہلیت کے دور میں عورتوں کا تبرّج عام بات تھی، اُس وقت بھی آپ ﷺ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ ﷺ عورتوں کی جانب مائل یا متأثر تھے۔ ہمارے لئے یہ نہایت غیر فطری بات ہوگی کہ ہم آپ ﷺ کے بارے میں یہ موقف رکھیں کہ پچاس سال کی عمر کے بعد آپ ﷺ میں یہ اچانک تبدیلی واقع ہوئی کہ اب آپ ﷺ نے محض ایک بیوی پر اکتفاء نہ کیا اور مزید شادیاں کیں یہاں تک کہ ازواج کی تعداد گیارہ ہوگئی اور اپنی عمر کی چھٹی دہائی کے ابتدائی پانچ سال میں سات بیویاں ہوئیں اور اس دہائی کے بقیہ حصے اور ساتویں دہائی کی ابتدا کے سات سالوں میں اُن کی تعداد نو تک پہنچ گئی۔ کیا عمر کے اس مرحلہ میں عورتوں کی رغبت ہونا ممکن ہے؟ اور کیا عمر کے اس حصے میں ہوئی اِن شادیوں کو جبلتِ نوع اور جبلتِ شہوت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟ یا پھر اِن شادیوں کے محرکات کو اُس حیاتِ رسالت کے حقائق میں تلاش کیا جائے جو آپ ﷺ نے بسر کی اور جو لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کیلئے وقف تھی؟ اِن محرکات کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے ہم آپ ﷺ کی شادیوں کے حالات کا جائزہ لیں گے۔

بعثتِ نبوی کے گیارہویں سال یعنی جب امّ المؤمنین حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی اور جب آپ ﷺ کی عمر پچاس سال تھی، تب آپ ﷺ نے شادی کرنے پر غور فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے رفیق اور مردوں میں پہلے ایمان لانے والے ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی دختر، عائشہ کیلئے پیغام بھیجا۔ جب یہ شادی ہوئی اُس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔ پھر شادی کے تین سال بعد جب ہجرت ہوچکی اور عائشہ کی عمر نو سال کی ہوئی تب اس کی تکمیل ہوئی۔ جب عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا، اُن دنوں میں آپ ﷺ کی شادی امّ المؤمنین سودۃ بنت زمعہ سے ہوئی جو سکران ابن عمرو بن عبد الشمس کی بیوہ تھیں۔ سکران رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے حبشہ ہجرت کی تھی اور مکہ لوٹ آنے کے بعد وفات پائی تھی۔ خود امّ المومنین سودۃ بھی اُنھیں کے ہمراہ ایمان لائی تھیں، حبشہ ہجرت کی تھی اور اُن ہی جیسی مشقتیں اور اذیتیں بھی جھیلی تھیں۔ اُن کے شوہر کی وفات کے بعد سودۃ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے ہوئی۔ روایتوں میں حضرت سودۃ کی خوبصورتی، اُن کا مال دار ہونا یا باحیثیت ہونا کہیں وارد نہیں ہوا ہے جو دنیوی طمع کے محرکات ہوتے ہیں اور جو اس شادی پر اثر انداز ہوئے ہوں۔ لہٰذا اُن کے شوہر کی وفات کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اُن سے شادی کی تو یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا مقصد سودۃ کی کفالت کرنا اور اُنھیں مومنین کی امہات کے درجہ پر فائز کرنا تھا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ

نے ہجرت کی تو مسجدِ نبوی ﷺ کے قریب ہی حضرت سودۃ کیلئے گھر بنایا گیا جو کسی بھی امہات المؤمنین کیلئے گھروں میں پہلا گھر تھا۔

اس کے بعد ہجرت کے پہلے سال میں ہی جب انصار اور مہاجر صحابہ کرام کے درمیان مؤاخات (بھائی چارہ) قائم کر دیا گیا تب عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تکمیل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے اِنھیں سودۃ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے قریب ایک حجرے میں ٹھہرایا جہاں رسول اللہ ﷺ کے رفیق و معاون و وزیر ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کے گھر رسول اللہ ﷺ سے ملنے کیلئے آتے تھے۔

پھر ہجرت کے دوسرے سال، غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے درمیان حفصہ بنتِ عمر الخطاب رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے شادی کی جو اس سے قبل حنیش کی زوجہ تھیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ یہ شادی حنیش کی وفات کے سات مہینے بعد ہوئی۔ اس شادی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھی عمر الخطاب رضی اللہ عنہ سے اُن کی بیٹی حفصہ کے گھر ملاقات کر لیتے۔ اس طرح عائشہ اور حفصہ سے شادی اپنے دو وزیروں کی بیٹیوں سے شادی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دعوت، حکومت اور قتال وغیرہ میں شریک تھے۔ یہ رشتہ محض عام شادیوں جیسا نہیں تھا۔ گو کہ عائشہ رضی اللہ عنہا خوب صورت بھی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کو پسند بھی تھیں، تاہم حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ بات نہیں تھی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اِن شادیوں سے غرض جنسی شہوت نہیں تھی۔

اس کے بعد سن 5 ہجری میں غزوۂ بنی مصطلق کے وقت رسول اللہ ﷺ کا نکاح جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار سے ہوا۔ یہ شادی اُن کے والد کو قریب لانے اور جویریہ کا مقام سربلند کرنے کے مقصد سے ہوئی تھی۔ جویریہ قبیلۂ بنی مصطلق کے سردار کی صاحبزادی تھیں اور اس غزوہ میں ایک انصار کی گرفت میں آگئیں تھیں اور اِس گرفت سے خود کو آزاد کرانا چاہتی تھیں جس میں وہ انصار صحابی کی کنیز بن گئیں تھیں۔ انصار صحابی کو جب یہ پتہ چلا کہ یہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی ہیں تو اُنھوں نے اِن کے آزاد کرنے کی قیمت بڑھادی، لہٰذا اُن کے والد یہ قیمت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اُنھیں آزاد کرایا گیا۔ اس کے بعد ان کے والد، رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے اور اسلام قبول کیا، پھر اپنی بیٹی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے اور اُنھوں نے بھی اپنے والد کی طرح اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد رسول

اللہ ﷺ نے اُن کے والد کو نکاح کا پیغام دیا اور اُنھوں نے خود اپنی بیٹی کی شادی رسول اللہ سے کروائی۔ لہٰذا یہ شادی ایک زیرِ دست آئے قبیلے کے سردار کی بیٹی سے شادی تھی جس کا مقصد سردار کی بیٹی سے شادی کر کے اُس کی دوستی اور محبت جیتنا تھا۔

ہجرت کے ساتویں سال فتح خیبر کے بعد صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی جو ایک یہودی سردار حی ابن اخطب کی بیٹی تھیں۔ اس شادی کا احوال یہ تھا کہ آپ اُن عورتوں میں شامل تھیں جنھیں مسلمانوں نے خیبر کے قلعہ سے گرفتار کیا تھا۔ اِن کے بارے میں بعض مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ "یہ بنو قریظہ اور بنو نضیر قبیلوں کی ایک معزز خاتون ہیں اور آپ ﷺ کے سوا کسی اور کیلئے موزوں نہیں ہوں گی"۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں قید سے نجات دے کر آزاد کیا اور اُن سے نکاح کر لیا۔ یہ نکاح حضرت صفیہ کی حفاظت، ان کو غلامی سے آزاد کروانے اور انہیں عزت بخشنے کے لیے کیا گیا۔ ابو ایوب انصاری کی نسبت سے وارد ہوا ہے کہ اُنھیں خوف تھا کہ صفیہ، رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنے دل میں نفرت رکھتی ہیں کیونکہ اُن کے والد، شوہر اور دیگر افرادِ قبیلہ کو رسول اللہ ﷺ نے قتل کر دیا تھا، لہٰذا ابو ایوب انصاری اپنی تلوار لے کر رات بھر اُس خیمے کی پہرے داری کرتے رہے جہاں خیبر سے واپسی کے وقت یہ شادی ہوئی تھی۔ علی الصبح جب رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں خیمے کے باہر دیکھا تو پوچھا: "کیا بات ہے؟" اُنھوں نے جواب دیا: "مجھے آپ کے لیے اس خاتون کی طرف سے خطرہ تھا۔ آپ نے اُن کے والد، شوہر اور دیگر اہلِ قبیلہ کو قتل کیا ہے۔ اور یہ ابھی ابھی حالتِ کفر سے باہر آئیں ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو اطمینان دلایا، اور صفیہ رسول اللہ ﷺ سے اپنی موت تک وفادار رہیں۔

ہجرت کے آٹھویں سال آپ ﷺ کی میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی۔ میمونہ، ام فضل کی بہن تھیں اور ام الفضل عباس بن عبد المطّلب کی بیوی تھیں۔ یہ شادی عمرۂ قضاء کے وقت عمل میں آئی۔ اس شادی کا واقعہ یہ ہے کہ اُس وقت میمونہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھبیس (26) سال تھی اور انھوں نے اپنی بہن یعنی ام فضل کو اپنی شادی کیلئے ذمہ دیا تھا۔ جب میمونہ نے عمرۂ قضاء کے دوران مسلمانوں کے احوال دیکھے تو دل میں اسلام کی طرف مائل ہو گئیں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے اُن کیلئے اپنے بھتیجے اور ہمارے آقا محمد ﷺ کو پیغام دیا کہ وہ یہ شادی کر لیں جسے رسول اللہ ﷺ نے قبول کر لیا۔ صلح

حدیبیہ کی شرائط میں جو تین دن کی میعاد رکھی گئی تھی وہ پوری ہو چکی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ارادہ کیا کہ میمونہ سے اپنی شادی کے ذریعے اپنے اور قریش کے مابین تفاہم کو فروغ دیا جائے۔ اس مدت کے ختم ہونے کے بعد قریش کی جانب سے سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزی آئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ شرط کی مدت پوری ہو گئی ہے لہٰذا اب آپ ﷺ ہمارے درمیان سے چلے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:" تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تم لوگ مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے، میں تمہارے درمیان شادی کے کھانے کا اہتمام کرتا ہوں۔ ہم لوگ تمھارے لیے کھانے کا انتظام کرتے ہیں تو کیوں نہ تم لوگ شریک ہو؟"۔ اُنھوں نے جواب دیا:" ہمیں تمہارے کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بس تم لوگ یہاں سے اب چلے جاؤ"۔ رسول اللہ ﷺ نے بلا تامل کوچ فرمایا اور صحابہ کرام پیچھے ہو لئے۔

امّ المؤمنین زینب بنتِ خزیمہ اور اُمّ سلمہ سے جو رسول اللہ ﷺ کی شادیاں ہوئیں، تو یہ شادیاں آپ ﷺ کے ایسے صحابہ کی بیواؤں سے تھیں جو معرکۂ قتال میں شہید ہوئے تھے۔ زینب بنتِ خزیمہ، عبیدہ بن الحارث بن المطلب کی بیوہ تھیں جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے، اور زینب اپنی خوبصورتی کیلئے نہیں البتہ اپنے اچھے برتاؤ اور محتاجوں کی خدمت کرنے والی کی حیثیت سے جانی جاتیں تھیں۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہا کو امّ المساکین کہا گیا۔ ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر میں اُن کے شوہر کی شہادت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اُن سے شادی کی، تو امّ المؤمنین اپنی عمرِ شباب گزار چکی تھیں۔ زینب نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زوجیت کے دو ہی سال گزارے تھے کہ اُن کی وفات ہو گئی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ یہی زینب تھیں جن کی وفات خود رسول اللہ ﷺ سے قبل ہوئی۔ ام سلمہ ابو سلمہ کی بیوی تھیں اور اُن سے اُن کے کئی لڑکے بھی تھے۔ ابو سلمہ جنگِ اُحد میں زخمی ہوئے تھے اور اِن زخموں کے ٹھیک ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں بنی اسد کے معرکے پر جانے کی اجازت دی جہاں اِنھوں نے بنی اسد کو شکست دی اور مالِ غنیمت لے کر مدینہ لوٹے، لیکن اُحد کے زخم پھر اُبھر آئے اور اِن کا اثر تا دم حیات رہا۔ حالتِ نزاع کے وقت رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس تھے اور آخری دم تک اُن کے حق میں دعائے خیر فرماتے رہے اور موت واقع ہونے پر آپ ﷺ نے اُن کی آنکھوں کی پلکیں بند کیں۔ اس کے چار ماہ گزرنے کے بعد خود آپ ﷺ نے ام سلمہ کو شادی کا پیغام دیا تو اُنھوں نے زیادہ بچے ہونے اور عمرِ شباب کے گزر جانے کی وجہ سے معذرت کرنا چاہی لیکن آپ ﷺ کے اصرار پر یہ شادی ہو گئی اور آپ ﷺ نے اُن کے

بچوں کی پرورش پر توجہ فرمائی۔ اِن دونوں سے آپ ﷺ نے جو شادیاں کیں، تو یہ اپنے ساتھیوں کی وفات کے بعد اُن کے گھر والوں کی کفالت کیلئے تھیں۔

امّ حبیبہ بنت ابی سفیان سے آپ ﷺ کی شادی ایک ایسی مسلم خاتون سے شادی تھی جو اپنے دین کی حفاظت کیلئے حبشہ ہجرت کر چکی تھیں اور اپنے شوہر کے مرتدّ ہو جانے کے بعد، اسلام کی راہ میں صابر رہیں۔ امّ حبیبہ کا نام رملہ تھا اور یہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں جو کفارِ مکہ کا سردار تھا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی عبید اللہ بن جحش الاسدی کی بیوی تھیں اور اُن ہی کے ساتھ مسلمان ہو گئی تھیں جبکہ ان کے والد اپنے کفر پر برقرار رہے۔ انھیں اپنے والد کی طرف سے خطرہ تھا لہٰذا اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ ہجرت فرمائی، اس وقت آپ حمل کی مشقت میں تھیں۔ اپنی ہجرت گاہِ حبشہ میں رملہ، یعنی امِ حبیبہ کے ہاں حبیبہ بنت عبید اللہ پیدا ہوئیں اور اسی نسبت سے آپکی کنیت اُم حبیبہ ہو گئی۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ آپ کے شوہر عبید اللہ بن جحش نے اسلام سے خارج ہو کر عیسائیت اختیار کر لی جو اہل حبشہ کا دین تھا۔ اُس نے بہت کوشش کی کہ ام حبیبہ بھی اسلام ترک کر دیں لیکن آپ اپنے ایمان پر قائم رہیں۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو اپنا وکیل بنا کر ام حبیبہ سے نکاح کرانے کیلئے کہا۔ نجاشی نے یہ بات ام حبیبہ کو بتائی تو اُنھوں نے خالد بن سعید بن العاص کو اس نکاح کیلئے اپنا وکیل نامزد کیا اور یہ عقدِ نکاح ہوا جس میں خالد بن سعید بن العاص، حبیبہ کے اور نجاشی رسول اللہ ﷺ کے وکیل تھے۔ پھر جب غزوۂ خیبر کے بعد مہاجرینِ حبشہ لوٹ کر مدینہ آئے تو ام حبیبہ اُن کے ساتھ آئیں اور رسول اللہ ﷺ کے گھر پہنچیں۔ مدینہ میں اس شادی کی محفل ہوئی اور ام حبیبہ پھر اس کے بعد وہیں قیام پذیر رہیں۔

جہاں تک زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح کا تعلق ہے تو اس میں کئی تشریعی پہلو مضمر تھے۔ اِن میں ایک اُس عام رواج کے خلاف تھا جسے عرفِ عام میں مرد اور عورت کا ایک دوسرے کے لیے موزوں ہونا کہا جاتا ہے۔ زینب رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں اور اُن کا تعلق قبیلۂ بنی اسد سے تھا جو قریش کے امرا میں سے تھے۔ ان کی شادی ایک آزاد کردہ غلام سے کی گئی تھی۔ زینب سے شادی کا مقصد یہ بھی تھا کہ اس شادی کے ذریعے قانونی طور پر عربوں میں جاہلیت کے زمانے سے رائج عام رواج کو ختم کیا جائے جس کے مطابق گود لیا ہوا لڑکا اپنا لڑکا ہی مانا جاتا تھا اور اُس کی طلاق شدہ یا بیوہ سے نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام کی بیوی سے اُن کو طلاق دے دیے جانے کے بعد

نکاح کر کے اِس مروّجہ تصوّر کو ختم کر دیا۔ اس شادی کا احوال یہ تھا کہ زینب بنت جحش، رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں اور آپ ﷺ ہی کی آنکھوں کے سامنے اور نگرانی میں اُن کی پرورش ہوئی لہٰذا اس لحاظ سے زینب رسول اللہ ﷺ کی بیٹی یا چھوٹی بہن کے مثل ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ اُن سے اچھی طرح واقف تھے اور زید رضی اللہ عنہ سے اُن کی شادی کرنے سے قبل اچھی طرح جانتے تھے کہ آیا وہ خوبصورت ہیں یا نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اُنھیں اُن کے بالکل بچپن سے لڑکپن اور پھر شباب تک دیکھا تھا اور وہ آپ ﷺ کیلئے غیر معروف نہ تھیں بلکہ وہ آپ ﷺ کی بیٹیوں ہی کی طرح تھیں۔ آپ ﷺ نے ہی اُن کیلئے اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے رشتہ کا پیغام دیا تھا جسے اُن کے بھائی عبد اللہ ابن جحش نے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ اُن کی بہن زینب قبیلۂ بنی اسد سے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ خدیجہ کے خریدے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کئے غلام سے اُنھیں باندھ دیا جائے؟ اس رشتے میں عبد اللہ کو اپنی بہن کیلئے بڑا عار محسوس ہوا۔ حقیقتاً یہ اہلِ عرب کیلئے بڑا عار تھا اور شرفائے عرب کی بیٹیاں غلاموں سے شادی نہیں کرتی تھیں گو کہ وہ آزاد بھی ہو چکے ہوں۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ ایسے تمام عصبیتی رجحانات اور میلانات جو عام تھے، اُنھیں ختم کر دیا جائے اور لوگ یہ سمجھ لیں کہ کسی عربی کو عجمی پر اگر فوقیت حاصل ہے تو وہ صرف تقویٰ کے باعث ہی ہو سکتی ہے اور اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں: (إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ) "درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے" (سورۃ الحجرات: 13)۔ پھر مزید یہ کہ اس عام رواج کے رجحان کو نیست و نابود کرنے کیلئے آپ ﷺ نے اپنے خاندان کے باہر کسی اور خاتون کو اس امتحان میں ڈالنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی ہی پھوپھی زاد بہن کو عرب میں رائج اس رواج کو توڑنے کیلئے پسند کیا اور لوگوں کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کی جبکہ خود زینب کو اس کی فکر تھی۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنے غلام زید، جن کو آپ نے گود لیا تھا اور جو عرب رواج کے مطابق اب آپ کی وراثت میں بھی دوسرے بیٹوں کی طرح برابر کے شریک بنتے تھے، اُنھیں اس شادی کیلئے چُنا۔ مقصد یہ تھا کہ زید اُس آنے والی آزمائش و قربانی کیلئے تیار رہیں جو شارع الحکیم نے گود لئے ہوئے بیٹوں کیلئے وضع کر رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے اصرار کیا کہ زینب اور اُن کے بھائی عبد اللہ اس رشتے کو قبول کر لیں لیکن خود زینب اور اُن کے بھائی اس سے انکار کرتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (وَمَا كَانَ

لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا) "نہ کسی مؤمن مرد کو یہ حق ہے، نہ کسی مؤمن عورت کو کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اُنھیں اپنے معاملے میں اختیار باقی رہے۔ جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا"(سورۃ الاحزاب:36)۔ اب زینب اور اُن کے بھائی عبد اللہ کے پاس سرِ تسلیم خم کر دینے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے کہا:"اے اللہ کے رسول ﷺ، ہمیں یہ منظور ہے"۔ آپ ﷺ نے زینب کو اُن کا مہر بھیجا اور پھر یہ شادی مکمل ہوئی۔ البتہ زوجین کی ازدواجی زندگی پر سکون نہیں ہو پائی اور اُن کے درمیان ہمیشہ ناچاقی رہی۔ زینب اس رشتے سے خوش نہیں تھیں گو کہ یہ رشتہ اللہ اور اُس کے رسول کے حکم سے ہوا تھا، اُنھوں نے زید کی اطاعت نہیں کی اور نہ اُن کی طرف نرمی کا برتاؤ کیا بلکہ اُن کے سامنے فخر سے کہتی تھیں کہ غلامی کی بیڑیاں اُن پر نہیں پڑیں اور اس طرح زید کی زندگی اُن پر تنگ ہو گئی تھی۔ زید نے متعدد مرتبہ اس کی شکایت آپ ﷺ سے کی اور اپنی زوجہ کے سلوک سے آپ ﷺ کو باخبر کیا اور کئی بار طلاق دینے کی اجازت بھی چاہی لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ اُنھیں یہی جواب دیا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتایا کہ زینب آپ ﷺ کی آئندہ زوجہ ہوں گی۔ یہ خبر آپ ﷺ کیلئے باعثِ تشویش بنی کیونکہ آپ ﷺ نے زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور آپ کو لوگوں سے اندیشہ تھا کہ وہ اِس پر چہ میگوئیاں کریں گے اور عیب نکالیں گے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہی بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی جانب سے زید کو طلاق دینے کیلئے نہیں کہنا چاہتے تھے حالانکہ زید یہی چاہتے تھے اور اصرار کر رہے تھے کہ اُنھیں طلاق دینے کی اجازت دی جائے۔ گو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعۂ وحی بتا دیا تھا کہ زینب آپ ﷺ کی آئندہ زوجہ ہوں گی۔ تاہم آپ ﷺ کی نصیحت زید کو یہی تھی جیسا سورۃ احزاب میں وارد ہوا ہے: (أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ) "اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ کا ڈر رکھو"(سورۃ الاحزاب:37)۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تنبیہ کی کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا تھا کہ ایسا ہو گا، اسے آپ ﷺ نے اپنے دل میں چھپا کر رکھا اور یہ آیت نازل فرمائی: (وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ) "اور تم اپنے جی میں اُس بات کو چھپا رہے ہو جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے"(سورۃ الاحزاب:37)۔ جس بات کو رسول اللہ ﷺ ظاہر نہیں فرما رہے تھے وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ زینب آپ ﷺ کی آئندہ زوجہ

ہوں گی۔ گو کہ وہ اُن کے گود لئے ہوئے بیٹے کی بیوی تھیں اور اس بات کو اللہ تعالیٰ نے بعد ازاں ظاہر فرمادیا کہ یہ شادی گود لئے ہوئے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی اس بات کو، جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا، خود ظاہر نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ عربوں کا رواج تھا کہ اپنے گود لی ہوئی اولاد کو اپنے ہی گھر میں رکھتے اور ان کے رشتے داروں سے تعلقات رکھتے، اُنھیں ویسے ہی حقوق دیے جاتے جو اُن کے اپنے بیٹوں کے ہوتے، یہاں تک کہ اُن کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو بیٹوں کے ساتھ کیا جاتا جیسے وراثت میں حصہ اور اُن کے رشتے کی حرمت۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ خبر دے دی کہ اُن کے منہ بولے بیٹے کی زوجہ زینب آپ ﷺ کی آئندہ زوجہ ہوں گی، تب بھی آپ ﷺ زید کو یہی نصیحت کرتے رہے کہ وہ اپنی بیوی کو ساتھ رکھیں اور اُنھیں طلاق نہ دیں۔ گو کہ اُن کے مابین شادی کے آغاز سے ہی ہم آہنگی نہ تھی اور ناچاقی رہتی تھی اور وہ بار بار اپنی زوجہ کی شکایت کرتے اور طلاق کی اجازت طلب کرتے رہے۔ تاہم زید کے مسلسل اصرار پر آپ ﷺ نے اُنھیں طلاق کی اجازت مرحمت فرمائی اور زید نے زینب کو طلاق دے دی۔ اُس وقت زید رضی اللہ عنہ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہی زینب سے نکاح کرنے والے ہیں اور نہ ہی زینب کو یہ معلوم تھا کہ وہ رسول اللہ کی زوجیت میں جانے والی ہیں۔ اِس بات کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے جسے مسند احمد، مسلم اور سنن نسائی میں سلیمان بن مغیرہ سے روایت کیا گیا ہے جنہوں نے ثابت سے انس کو نقل کیا ہے کہ (**لما انقضت عدة زينب، قال رسول الله لزيد: اذكرها علي. قال: فانطلقت فقلت: يا زينب، أبشري، أرسل رسول الله يذكرك. فقالت ما أنا بصانعة شيئاً حتى أُؤامر ربي، فقامت إلى مسجدها، ونزل القرآن وجاء رسول الله حتى دخل عليها بغير إذن، حين أنزل الله تعالى قوله: (فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ)**
"جب زینب کی عدت کی میعاد تکمیل کو پہنچی، تو آپ ﷺ نے زید سے فرمایا کہ اے زید، اُن سے جاکر میرا تذکرہ کرو، زید اُن کے پاس پہنچے اور اُن سے کہا: اے زینب، مبارک ہو، مجھے اللہ کے رسول نے بھیجا ہے اور وہ تمہیں (نکاح کرنے کیلئے) یاد فرمارہے ہیں۔ زینب نے کہا" میں اُس وقت تک کچھ نہ کروں گی جب تک میرا ربّ مجھے حکم نہ دے" اور وہ اپنی جائے نماز پر کھڑی ہوگئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس آئے اور بغیر اجازت طلب کئے ہوئے اندر داخل ہوگئے اور یہ آیت نازل ہوئی: **(فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ)** "پس جب زید اُس سے اپنی حاجت پوری کر چکا، تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا، تاکہ اہلِ ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے

معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے "(سورۃ الاحزاب:37)۔ اگر زید یا زینب کو پہلے سے اس بات کا علم ہوتا تو نہ زید رضی اللہ عنہ اُن کے پاس جا کر مبارک باد دیتے اور نہ وہ خود کہتیں کہ "میں اُس وقت تک کچھ نہ کروں گی جب تک میرا ربّ مجھے حکم نہ دے" یعنی انہوں نے اس معاملے کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔ اس شادی کی علت یہ تھی کہ مؤمنین کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ باقی نہ رہے۔

یہ تھے رسول اللہ ﷺ کی شادیوں کے حقائق و واقعات۔ اِن میں سے ہر نکاح کا پس منظر یہ واضح کرتا ہے کہ یہ شادیاں محض شادی کے مقصد سے نہیں تھیں۔ اِن سے رسول اللہ ﷺ کی شادیوں کی تعداد کا چار سے زیادہ ہونے اور اس زیادہ تعداد کا پوری امت کیلئے نہ ہونے بلکہ صرف آپ ﷺ کی ذات کیلئے مخصوص ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت کہ ان شادیوں کا مقصد ایک پچاس سالہ شخص کی جبلتِ نوح کی تسکین نہیں تھی بالکل واضح ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ دعوت کے کام اور اپنے رب کے پیغام کو تمام عالم میں پہنچانے میں مصروف تھے تاکہ وہ لوگوں کو نشاطِ ثانیہ کی راہ پر ڈال کر انھیں ایک امتِ واحدہ میں پرو دیں جس امت کی زندگی کا مقصد اللہ کے پیغام کو پوری دنیا تک لے کر جانا ہو۔ رسول اللہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ پرانے معاشرے کو ڈھا کر اُس کی جگہ ایک بالکل نئے معاشرے کی بنیاد ڈالیں اور ایک ریاست کو قائم کریں جو دنیا اور لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچائے۔ کوئی بھی شخص جس نے ایک امت کو جگا کر ریاست قائم کرنے کی ٹھان رکھی ہو اور معاشرے کی تعمیر اور اسلام کے پیغام کو ساری دنیا تک پہنچانا اپنا مقصد قرار دے دیا ہو، اس کیلئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ عورتوں میں مشغول رہے اور اپنے آپ کو ان کے لیے وقف کر دے اور ہر سال ایک شادی کرے۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کو لوگوں تک پہنچایا اور ساتھ ساتھ ایک عام انسان کی طرح ازدواجی زندگی بھی بسر کی۔

ازدواجی زندگی

بیوی اپنے شوہر کی زندگی کی شریک ہی نہیں بلکہ اُس کی ساتھی ہوتی ہے۔ اُن کی باہمی زندگی صرف شراکت کی زندگی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ تمام زندگی ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہنے کیلئے مجبور ہیں۔ اُن کی آپس کی زندگی رفاقت کی زندگی ہے جس میں وہ ایک دوسرے کا ہر معاملے میں مکمل ساتھ دیتے ہیں۔ یہ رفاقت ایسی ہوتی ہے جس میں دونوں کو ایک دوسرے سے سکون و راحت میسر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس زوجیت کو زوجین کیلئے سکون کا منبع بنایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا) "وہی ہے جس نے تمہیں اکیلی جان پیدا کیا، اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کی طرف متوجہ ہوکر سکون و آرام حاصل کرے" (سورۃ الاعراف:189)۔ اور فرمایا: (وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً) "اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اُس کے پاس سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی" (سورۃ الرّوم:21)۔ یہاں سَکَن سے مراد وہ اطمینان و راحت ہے جس سے شوہر بیوی کے ذریعے اور بیوی شوہر کے ذریعے محظوظ ہوتی ہے اور دونوں کا جھکاؤ ایک دوسرے کی جانب ہوتا ہے نہ کہ ایک دوسرے سے دوری کی طرف۔ لہٰذا شادی کی اصلیت راحت و اطمینان ہے اور ازدواجی زندگی کا مقصد راحت اور ذہنی سکون ہے۔ زوجین کے درمیان اس رشتے کو اُن کیلئے راحت و اطمینان کا منبع و مصدر بنانے کی غرض سے شریعت نے بیوی کے شوہر پر اور شوہر کے بیوی پر حقوق کو واضح بیان کر دیا ہے اور اس ضمن میں صریح آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ) "اور ان بیویوں کے بھی عام دستور کے مطابق اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں" (سورۃ البقرۃ:228)۔ یعنی جس طرح شوہروں کو بیویوں پر کچھ حقوق ہوتے ہیں، اسی طرح بیویوں کو بھی شوہروں پر ازدواجی زندگی میں حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، وہ کہتے ہیں کہ "میں خود کو اپنی بیوی کیلئے سنوارتا ہوں جس طرح وہ خود کو میری خاطر سنوارتی ہے، میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اُس پر میرے جو حقوق ہیں میں اُن سب کو حاصل کروں تاکہ وہ بھی مجھ پر

اپنے حقوق سے محظوظ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ) "اور ان بیویوں کے بھی عام دستور کے مطابق اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں"(سورۃ البقرۃ:228)۔ یہاں زینت اور سنورنے سے مراد وہ زینتیں ہیں جن میں کوئی گناہ نہیں۔ اسی طرح ابن عباس سے ہی مروی ہے کہ:"عورتوں کا یہ حق ہے کہ اُنھیں بھلی صحبت و قربت ملے جس طرح اُن پر اُن کے شوہروں کی اطاعت کا حق واجب ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان بھلی ازدواجی زندگی کا حکم دیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: (وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ) "اور اُن کے ساتھ بھلے طریقہ سے رہو"(سورۃ النساء:19)۔ اور فرمایا: (فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ) "پھر دستور کے لحاظ سے روک لیا جائے"(سورۃ البقرۃ:229)۔ رفاقت سے مراد قربت اور میل جول ہے یعنی اکھٹے رہنا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی ازواج کے ساتھ حسنِ قربت سے رہیں تاکہ اُن کا میل جول اور رشتہ اپنے عروج کو پہنچے۔ یہی نفس کو سکون پہنچاتا ہے اور خوشحال زندگی کا باعث بنتا ہے۔ مردوں کی عورتوں کے ساتھ گزر بسر محض اُن کے حقوق کی واجبی سی ادائیگی یا اُس کا حقِ مہر اور نان و نفقہ دے دینا نہیں بلکہ اس کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ بلا سبب بیوی کو گرم تیور نہ دیکھائے جائیں، اُس سے گفتگو خوش دلی سے کی جائے نہ کہ ترش روی یا تلخی سے اور اُس کے سامنے اس کے سوا کسی اور کی جانب اپنے جھکاؤ کا اظہار نہ کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ بھلا برتاؤ کریں۔ مسلم نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا: (**فاتقوا الله في النساء فإنكم أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله، ولكم عليهن أن لا يوطئن فرشكم أحداً تكرهونه، فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضرباً غير مبرح، ولهن رزقهن وكسوتهن بالمعروف**) "عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے اُنھیں اللہ تعالیٰ کی امانت پر لیا ہے اور اللہ کے حکم سے تمہارے لیے ان سے مباشرت جائز ہے۔ اُن پر تمہارے حقوق ہیں اور وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارہ نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم اُنھیں مار سکتے ہو لیکن سختی سے نہیں اور تم پر اُن کا حق یہ ہے کہ تم اُنھیں معروف طریقے کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ"۔ اور رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا کہ آپ نے فرمایا: (**خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي**) "تم میں سب

سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کیلئے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنی بیویوں کیلئے بہتر ہوں"۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ کا اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نہایت ہی اچھا رشتہ تھا۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ کھیلتے، ان کے ساتھ نہایت نرم رویہ رکھتے اور ان کے ساتھ وقت سے محظوظ ہوتے۔ یہاں تک کہ ام المؤمنین عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ بھی لگاتے اور اس طرح اُن کا دل جیت لیتے۔ آپ فرماتی ہیں کہ:" میں نے، اپنا وزن بڑھنے سے پہلے، آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ لگائی اور میں جیت گئی۔ بعد میں وزن بڑھ جانے کے بعد جب دوڑ لگائی تو آپ ﷺ نے بازی جیت لی اور فرمایا کہ (**هذه بتلك**) "یہ (تمہاری) اُس (جیت) کا بدلہ ہے"۔ اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں داخل ہوتے اور سونے سے قبل کچھ وقت اپنی بیویوں کے ساتھ گفتگو فرماتے اور اس طرح اُن سے اُنسیت پیدا کرتے۔ سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (**خياركم خياركم لنسائهم**) "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کیلئے سب سے اچھا ہے"۔

ان تمام سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا رشتہ استوار کرے۔ چونکہ ازدواجی زندگی میں ایسا کچھ ہوتا رہتا ہے جس سے اس زندگی کا نظم متاثر ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے گھرانے کی قیادت عورت کے اوپر مرد کو سونپی ہے یعنی مرد کو عورت کا رکھوالا بنایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (**الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ**) "شوہر بیویوں کے نگراں و ذمہ دار ہیں" (سورۃ النساء:34)۔ اور فرمایا: (**وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ**) "اور ان بیویوں کے بھی عام دستور کے مطابق اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، اور شوہروں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے" (سورۃ البقرۃ:228)۔

رسول اللہ ﷺ نے نے عورتوں کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کریں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (**إذا باتت المرأة هاجرة فراش زوجها لعنتها الملائكة حتى ترجع**) "جب ایک عورت اپنے شوہر کے بستر سے ہٹ کر رات گزارے تو جب تک کہ وہ لوٹ نہ آئے فرشتے اُس پر لعنت کرتے رہتے ہیں" (متفق علیہ)۔ اسی طرح حاکم کی مستدرک میں حصین ابن محصن کی پھوپھی سے روایت ہے کہ (**أذات زوج أنت؟ قالت: نعم، قال:**

فإنّه جَنتك ونارك) "آپ ﷺ نے ایک خاتون سے پوچھا: "کیا تمہارا شوہر ہے؟" اُس نے جواب دیا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا" پس وہی تیری جنت ہے اور وہی تیری جہنم بھی"۔ بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (لا يحل لامرأة أن تصوم وزوجها شاهد إلا بإذنه، ولا تأذن في بيته إلا بإذنه، وما أنفقت من نفقة من غير إذنه فإنه يرد إليه شطره) "کسی عورت کیلئے اپنے شوہر کی موجودگی میں اُس کی اجازت کے بنا روزے رکھنا حلال نہیں، نہ ہی اُس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر بلانے کی اجازت ہے اور جو کچھ وہ اُس کے مال میں سے اُس کی اجازت کے بغیر (صدقہ وغیرہ میں) خرچ کرے تو اُس کا آدھا اجر شوہر کو ملے گا"۔ احکام النساء میں ابن بطہ انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص سفر پر روانہ ہوا اور اپنی بیوی کو باہر جانے سے منع کر دیا، اس دوران اُس عورت کے والد کی طبیعت خراب ہوئی تو اُس عورت نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے والد کی عیادت کیلئے گھر سے نکلنے کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے اُس سے فرمایا: (اتقي الله ولا تخالفي زوجك) "اللہ سے ڈرو اور اپنے شوہر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو"۔ اس کے بعد اُس کے والد کی وفات ہو گئی۔ اُس عورت نے پھر آپ ﷺ سے اپنے والد کے جنازے میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے کہا (اتقي الله، ولا تخالفي زوجك) "اللہ سے ڈرو اور اپنے شوہر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو"۔ اس پر اللہ ربُّ العزت نے آپ ﷺ پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا: (إني قد غفرت لها بطاعة زوجها) "میں نے اُس عورت کی اپنے شوہر کی اطاعت کے سبب مغفرت فرمادی" (حدیثِ قدسی)۔ لہٰذا شریعت نے شوہر کو یہ حق دے رکھا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو گھر سے باہر جانے سے روک دے خواہ وہ والدین سے ملنے کیلئے ہو یا پھر کسی ضرورت کے تحت یا محض تفریحاً۔ بیوی کیلئے جائز نہیں کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے۔ البتہ شوہر کیلئے اپنی بیوی کو اُس کے والدین سے ملنے سے باز رکھنا صحیح نہیں کیونکہ اس سے زوجین کے درمیان رشتہ خراب ہوتا ہے اور عورت اپنے شوہر کی حکم عدولی پر آمادہ ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو باہم باعزت طریقے سے رہنے کا حکم دیا ہے اور بیوی کو اُس کے والدین سے ملنے سے روکنا اچھا طور طریقہ نہیں ہے۔ نیز شوہر کو بیوی کو مسجد جانے سے روکنا نہیں چاہیے کیونکہ بخاری و مسلم میں عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (لا تمنعوا إماء الله مساجد الله) "اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مساجد میں آنے سے نہ روکو" (متفق علیہ)۔ اگر بیوی اپنے شوہر سے بغاوت کرے تو اللہ تعالیٰ نے شوہر کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اُس کی تادیب کرے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (وَاللَّاتِي تَخَافُونَ

نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا) "اور وہ عورتیں جن کی سرکشی کا تمہیں اندیشہ ہو اُنھیں نصیحت کرو، اور بستروں میں اُنھیں تنہا چھوڑ دو، اور اُنھیں مار بھی سکتے ہو۔ پھر اگر وہ تمہاری بات ماننے لگیں، تو اُن کے خلاف کوئی راستہ تلاش مت کرنا" (سورۃ النساء:34)۔ اس آیت میں جس مار کی بات کہی گئی ہے لازم ہے کہ وہ ہلکی پھلکی ہو نہ کہ شدید جیسا کہ مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: (فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضرباً غير مبرح) "اگر وہ ایسا کریں تو تم اُنھیں مار سکتے ہو لیکن سختی سے نہیں"۔ شوہر کو یہ جو حق دیا گیا ہے کہ اگر بیوی غلطی کرے تو وہ اُس کا مواخذہ کرے، یہ اس لئے ہے کہ شوہر گھر کے معاملات اور دیکھ بھال کا نگراں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو عورت پر فرض کیا ہے ان کے علاوہ شوہر کو یہ قطعاً حق نہیں کہ وہ بیوی کو تنگ و ہراس کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے: (فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا) "پھر اگر وہ تمہاری بات ماننے لگیں، تو اُن کے خلاف کوئی راستہ تلاش مت کرنا" (سورۃ النساء:34)۔ اس کے برعکس شوہر کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ بیوی کا رفیق بنے، اُس سے کچھ مانگنا ہو تو نرمی سے کہے یہاں تک کہ اگر شوہر کو بیوی کی خواہش ہو تو وہ ایسے حالات میں کہے جو بیوی کیلئے مناسب و موزوں ہوں۔ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (لا تطرقوا النساء ليلاً حتى تمتشط الشعثة، وتستحد المُغيبة) "رات کے وقت عورتوں کے پاس مت جاو یہاں تک کہ وہ اپنے بکھرے بالوں میں کنگھی کر لیں اور (وہ بیویاں جن کے شوہر کچھ وقت سے باہر ہوں) اپنے زیرِ ناف بال صاف کر لیں"۔ (متفق علیہ)۔ یہاں شوہر کا بیوی پر نگراں ہونے اور گھر کی قیادت سنبھالنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اُس پر مسلط ہو یا اِس طرح اُس پر حاکم بن بیٹھا ہو کہ اُس کی مخالفت نہ کی جا سکتی ہو بلکہ شوہر کی قیادت سے مراد، گھر کی دیکھ بھال اور انتظام میں اُس کا قائد ہونا ہے نہ کہ گھر پر غلبہ حاصل کرنا اور اپنا حکم مسلط کرنا۔ چنانچہ بیوی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے شوہر کو کسی بات پر جواب دے دے، یا اُس پر تنقید کرے اور جو شوہر کہے، اُس پر اُس سے گفتگو یا بحث کرے، کیونکہ زوجین ایک دوسرے کے رفیق اور دوست ہیں نہ کہ امیر اور غلام یا حاکم و محکوم۔ بلکہ اس کے برعکس وہ دونوں رفیق ہیں اور اُن میں سے ایک گھر کو چلانے اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال میں گھر کا قائد ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ ریاست کے امیر و حاکم اور اللہ کے رسول ہونے کے باوجود اپنے گھر میں اپنی ازواجِ مطہرات کے رفیق تھے نہ کہ اُن پر مسلط

امیر۔ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ "بخدا! ایامِ جاہلیت میں ہم عورتوں کی ذرا پرواہ نہیں کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے نازل کیا جو اس نے نازل کیا ہے اور اُن کیلئے حصہ مقرر فرمایا"۔ انہوں نے کہا: "ایسا ہوا کہ میں کسی بارے میں سوچ رہا تھا جب میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ کاش آپ نے ایسا ایسا کیا ہوتا! اس پر میں نے اُس سے کہا، اس سے تمہیں کیا غرض؟ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں اس میں تمہیں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُس نے مجھ سے کہا: خطاب کے بیٹے تم کتنے عجیب انسان ہو، تمہیں یہ بھی گوارہ نہیں کہ تمہیں کوئی جواب دے؟ جبکہ تمہاری اپنی بیٹی اللہ کے رسول ﷺ کو جواب دے دیتی ہے یہاں تک کہ ان کا دن مشکل میں گزرتا ہے"۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں نے اپنی پوشاک اُٹھائی اور اپنے گھر سے نکلا یہاں تک کہ حفصہ کی طرف پہنچ گیا اور اس سے کہا: اے بیٹی، (میں نے سنا ہے کہ) تم اللہ کے رسول ﷺ کو جواب دے دیتی ہو اور اُن کا دن پریشانی میں گزرتا ہے۔ حفصہ نے کہا: "اللہ کی قسم ہم تو انہیں جواب دے دیتے ہیں"۔ میں نے کہا: "میری بیٹی خیال رکھو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو اور اللہ کے رسول ﷺ کے غضب سے بچو۔ اس (یعنی عائشہ) کی وجہ سے جس کو اپنی خوبصورتی پر ناز ہے اور جس کو اللہ کے رسول کی اس کے لیے محبت نے سرشار کر رکھا ہے، کی وجہ سے دھوکے میں نہ رہنا۔ پھر میں ام سلمہ کے گھر گیا کیونکہ وہ میری رشتہ دار تھیں اور ان سے بات کی۔ ام سلمہ نے مجھ سے کہا عمر بن الخطاب بڑی عجیب بات ہے تم ہر معاملے میں اس قدر دخل دیتے ہو، یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ اور اُن کی ازواج کے معاملے میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔ میں اس بات سے پریشان ہوا اور جو کچھ کہنا چاہتا تھا اُس سے پرہیز کیا اور ان کے پاس سے اٹھ آیا" (متفق علیہ)۔ صحیح مسلم میں آتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی اجازت چاہی، اُنھیں اجازت مل گئی تو وہ داخل ہوئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی اجازت چاہی، اُنھیں اجازت مل گئی تو وہ داخل ہو گئے۔ اور دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اطراف اُن کی ازواجِ مطہرات بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ غمگین اور خاموش تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کچھ بول کر رسول اللہ ﷺ کو خوش کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں چاہتا تھا کہ آپ بنتِ خارجہ کو دیکھتے کہ اُس نے مجھ سے نفقے کا مطالبہ کیا، میں نے اُٹھ کر اُس کی گردن پر ہاتھ سے دھپ لگا دیا۔ رسول اللہ ﷺ ہنس دیئے اور فرمایا (**هن حولي يسألنني النفقة**) "تم دیکھ رہے ہو، یہ تمام بھی میرے آس پاس بیٹھی ہوئی نفقے کا مطالبہ کر رہی ہیں"۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آدمی

کا عورت پر کفیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حکم کا معاملہ مرد کے ہاتھ رہنا چاہئے، لیکن حکم ایسا ہو جو رفاقت کی طرز پر ہو نہ کہ تسلّط اور حاوی ہونے کی مانند۔ اس طرح عورت اپنے شوہر کو جواب دے سکتی ہے اور اس سے بحث کر سکتی ہے۔

یہ تفصیل تو رفاقت کے حوالے سے ہوئی، پھر جہاں تک گھر کے کام کاج کا سوال ہے تو عورت پر یہ فرض ہے کہ وہ آٹا گوندھے، روٹی اور کھانا پکائے، گھر کو جھاڑ پونچھ کر صاف رکھے اور اس طرح اپنے شوہر کی خدمت کرے۔ شوہر جب پانی مانگے تو پانی پیش کرے اور کھانا نکال کر اُسے پیش کرے۔ نیز گھر میں جیسی ضرورت ہو، اُس اعتبار سے کام کیلئے کھڑی ہو جائے۔ گھریلو معاملات میں جس کام کی حاجت پیش آئے، خواہ وہ کوئی بھی کام ہو، عورت اُس کیلئے تیار رہے۔ شوہر پر یہ لازم آتا ہے کہ گھر سے باہر کی کسی بھی چیز کی بیوی کو ضرورت ہو، تو شوہر وہ اسے لا کر دے، جیسے پانی لانا، صفائی کیلئے درکار اشیاء، ناخن تراشنے کا آلہ، عورت کو شوہر کیلئے مزین ہونے کیلئے سامان جو اس کے لیے مناسب ہو وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ گھر کے اندر جس کام کی بھی ضرورت ہو، عورت پر لازم ہے کہ وہ انجام دے، خواہ یہ کوئی بھی کام ہو اور گھر کے باہر کا کوئی بھی کام شوہر پر لازم ہے کہ وہ اسے انجام دے۔ رسول اللہ ﷺ سے علی اور فاطمہ کے سلسلے میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ کے معاملے میں فیصلہ کیا کہ وہ اپنے گھر کے اندرونی کام انجام دیں اور علی پر یہ عائد فرمایا کہ وہ باہر کے کام سنبھالیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات کو اپنی خدمت کا حکم فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے عائشہ سے فرمایا: **(يا عائشة اسقينا يا عائشة أطعمينا يا عائشة هلمي الشفرة، واشحذيها بحجر)** "اے عائشہ، ہمیں پانی پلاؤ، اے عائشہ ہمیں کھانا کھلاؤ، اے عائشہ، ہمارے لئے استرا لاؤ اور اس کی دھار پتھر پر تیز کر دو"۔ اسی طرح بخاری و مسلم میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور شکایت کی کہ ہاتھ کی چکی پیسنے میں اُنھیں بہت مشقت ہوتی ہے، چنانچہ اس کام کیلئے ایک نوکر کی درخواست کی۔ اس سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ عورت کیلئے یہ واجب ہے کہ وہ گھر کی دیکھ بھال کرے اور شوہر کی خدمت انجام دے اور یہ اُس کے فرائض میں داخل ہے۔ البتہ یہ تمام افعال اُس کی اپنی استطاعت پر منحصر ہیں، اگر کام اتنے زیادہ ہوں کہ بیوی کو مشقت اُٹھانا پڑتی ہو تو شوہر پر لازم آتا ہے کہ وہ نوکر مہیا کرے جس سے کام انجام کو پہنچیں اور عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نوکر کا مطالبہ کرے۔ تاہم اگر کام اتنا زیادہ نہ ہو اور عورت اُنھیں خود انجام دے سکتی ہو تو شوہر پر نوکر فراہم کرنا ضروری نہیں بلکہ

عورت خود ہی اُن کاموں کو انجام دے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دختر فاطمہ کے معاملے میں خود فاطمہ کو ہی گھریلو کام انجام دینے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ چنانچہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ہمراہ رواداری اور بھلائی سے زندگی گزارے اور بیوی پر لازم ہے کہ وہ اپنی تمام ذمے داریوں کو اسی طرح پورا کرے جس طرح اس کا شوہر چاہتا ہے تاکہ زندگی میں ایسا سکون و راحت ہو جو ازدواجی زندگی سے مطلوب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے: (وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً)"اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہاری ہی جنس سے، تمہارے لئے عورتیں پیدا کیں تاکہ تم اُن کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی"(سورۃ الروم:21)۔

عزل

(**على عهد رسول الله فبلغه ذلك فلم ينهنا**)"ہم لوگ عہدِ نبوی رسول اللہ ﷺ میں عزل کیا کرتے تھے اور یہ بات آپ تک پہنچی تھی تاہم، اُنھوں نے ہم لوگوں کو نہیں روکا"۔ عزل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ تھا جو اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اگر عزل حرام ہوتا تو آپ اس پر خاموش نہیں رہتے۔ عزل کا یہ حکم صحابی سے مروی ہے عزل کے معنی یہ ہیں کہ مرد جب دورانِ مباشرت انزال کے قریب ہو تو پیچھے ہو جائے اور انزال عورت کے جسم سے باہر ہو۔ شرعاً عزل جائز ہے لہٰذا مرد کیلئے مباشرت کے وقت اور انزال کے قریب عورت کے جسم کے باہر انزال کر دینا جائز ہے۔ بخاری نے عطاء سے روایت کیا ہے جو وہ جابر سے نقل کرتے ہیں جابر کہتے ہیں: (**كنا نعزل على عهد رسول الله والقرآن ينزل**) "ہم عہدِ نبوی میں عزل کیا کرتے تھے جب قرآنِ مجید نازل ہو رہا تھا"۔ عطاء سے ہی مروی ہے کہ اُنھوں نے جابر سے سنا کہ:(**كنا نعزل والقرآن ينزل**)"ہم عزل کیا کرتے تھے جب قرآنِ مجید نازل ہو رہا تھا"(متفق علیہ)۔ اور مسلم میں آتا ہے: (**كنا نعزل على عهْد رسُول اللَّه ﷺ فبلغه ذلِك فلمْ ينْهنا**) اور یہ عہدِ نبوی رسول اللہ ﷺ کو پہنچتا ہے، چنانچہ یہ رسول سے منسوب حکم شرعی ہوا کیونکہ واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر تھی اور آپ نے اسے قائم رکھا اور ایسے متعدد مواقع آئے جہاں صحابہ نے اپنے سوالات آپ کے سامنے حکم معلوم کرنے کیلئے رکھے۔ عزل کے جواز میں متعدد صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں جو مسند احمد، مسلم اور سنن ابو داؤد میں جابر سے مروی ہیں: (**أن رجلاً أتى النبي ﷺ فقال: إن لي جارية هي خادمتنا وسانِيَتُنا في النخل وأنا أطوف عليها وأكره أن تحمل فقال: اعزل عنها إن شئت فإنه سيأتيها ما قدر لها**)"ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ میرے پاس ایک کنیز ہے جو ہماری خادمہ ہے، وہ ہمارے لئے پانی لاتی ہے اور میں اُس سے مباشرت کرتا ہوں، لیکن میں نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو جائے۔ رسول اللہ نے فرمایا:"اگر تم چاہو تو عزل کرو لیکن بہر حال جو اُس کیلئے مقرر ہے وہ ہو گا ہی"۔ نیز مسلم میں ابی سعید سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: (**خرجنا مع رسول الله في غزوة بني المصطلق فأصبنا سبياً من سبْيِ العرب فاشتهينا النساء، واشتدت علينا العزبة، وأحببنا العزل فسألنا عن ذلك رسول الله ﷺ فقال: ما عليكم أن لا تفعلوا فإن الله**

عز وجل قد كتب ما هو خالق إلى يوم القيامة)"ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ بنی مصطلق پر نکلے تھے، ہم نے کچھ خوبصورت عرب عورتیں قید میں لیں جن کی ہمیں خواہش تھی کیونکہ ہم اپنی بیویوں سے دور تھے۔ ہم عزل کرنا چاہتے تھے لہٰذا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اُنھوں نے فرمایا:"تمہیں ایسا کرنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے جس چیز کا پیدا ہونا مقرر فرما دیا ہے وہ تو بہر حال ہو گا ہی"۔ سنن ابی داؤد میں جابر سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ: (إن لي جارية وأنا أطوف عليها وأنا أكره أن تحمل فقال: اعزل عنها إن شئت فإنه سيأتيها ما قدر لها) "میرے پاس ایک کنیز ہے جس سے میں مباشرت کرتا ہوں لیکن میں نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص سے فرمایا:"اگر تم چاہو تو عزل کر لو، لیکن جو اس کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے وہ تو ہو گا ہی"۔ پس عزل مطلقاً جائز ہے، خواہ عزل کرنے والا کسی بھی نیت سے کرے، چاہے اُس کی نیت بچہ نہ ہونے کی ہو، بچوں کی تعداد کم رکھنے کی ہو یا بیوی کے کمزور ہونے کی وجہ سے وہ اُس پر از راہِ ہمدردی بارِ حمل نہ ڈالنا چاہتا ہو، یا عورت پر حمل کا بار نہ ڈال کر وہ اُس کی جوانی کو اپنے لئے برقرار رکھنا چاہتا ہو، بہر حال کسی بھی نیت سے مرد کیلئے عزل جائز ہے کیونکہ عزل کے جو دلائل وارد ہوئے ہیں اُن میں قید نہیں ہے بلکہ وہ مطلق ہیں اور کسی بھی مطلق کو اس کی تخصیص کی غیر موجودگی میں مقید نہیں کیا جا سکتا۔ مطلق کا عام ہونا باقی رہتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عزل بچے کو اُس کی پیدائش سے قبل قتل کر دینے کے مترادف ہے کیونکہ متعدّد احادیث وارد ہوئی ہیں جو صراحتاً اس کی تردید کرتی ہیں۔ سنن ابی داؤد میں ابو سعید سے مروی ہے: (أن رجلاً قال: يا رسول الله إن لي جارية وأنا أعزل عنها وأنا أكره أن تحمل وأنا أريد ما يريد الرجال وإن اليهود تحدث أن العزل الموءودة الصغرى. قال: كذبت يهود لو أراد الله أن يخلقه ما استطعت أن تصرفه)"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری ایک کنیز ہے میں اس کے ساتھ مباشرت میں عزل کرتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو جائے، میری بھی وہی خواہش ہے جو مردوں کی ہوتی ہے، لیکن یہودی کہتے ہیں کہ عزل کرنا موءودۃ الصغریٰ ہے (یعنی بچے کو زندہ دفن کرنے جیسا ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہودیوں نے جھوٹ کہا، اگر اللہ کسی کو پیدا کرنا چاہے تو تم اس کو روک نہیں سکتے"۔ چنانچہ یہاں اولاد نہ ہونے کے ارادے سے عزل کے جواز کیلئے نص وارد ہوئی ہے۔ مسندِ احمد اور مسلم میں اسامہ ابن زید سے مروی ہے: (أن رجلاً جاء

إلى النبي فقال إني أعزل عن امرأتي. فقال له: لم تفعل ذلك؟ فقال له الرجل: أشفق على ولدها، أو على أولادها فقال رسول الله: لو كان ضاراً ضر فارس والروم)"ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ عزل کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اُس نے کہا کہ مجھے اُس کے بچے یا بچوں پر رحم آتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ نقصان دہ ہوتا تو روم اور فارس کو نقصان ہوا ہوتا"۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (لم تفعل) "تم ایسا کیوں کرتے ہو"؟ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ "تم ایسا مت کرو" اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس سے اتفاق کیا۔ لیکن یہ بھی معلوم ہوا کہ یکے بعد دیگرے اولاد ہونا نقصان دہ نہیں ہوتا جیسا کہ مسلم میں اسامہ ابن زید کی روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ کے پاس آیا اور کہا: (إني أعزل عن امرأتي شفقة على ولدها فقال رسول الله إن كان كذلك فلا، ما ضر ذلك فارس ولا الروم) "میں اپنی بیوی کے ساتھ اُس کے بچے کی وجہ سے عزل کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: "اگر ایسا ہے تو پھر نہیں ایسا کرنا – یہ رومیوں اور فارسیوں کیلئے نقصان دہ نہیں ہوا"۔ مسلم میں عبدالرحمٰن ابن بشر، ابی سعید سے روایت کرتے ہیں کہ: (خشية أن يضر الحمل بالولد الرضيع) "اس خوف سے کہ دودھ پیتے بچے کی وجہ سے حمل کو نقصان پہنچے گا"۔ لہٰذا جب آپ نے حمل کو روکنے کیلئے عزل سے اتفاق فرمایا تاکہ دودھ پیتے بچے کو نقصان نہ ہو، تو اس کا اطلاق اُس عزل پر بھی ہوا جو کثرت اولاد کو روکنے کیلئے کیا جائے، یا اولاد ہونے سے بچنے وغیرہ کیلئے کیا جائے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بچہ پیدا ہوگا، تو وہ بچہ لازماً پیدا ہوگا خواہ عزل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ چنانچہ ابن حبان میں انس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ اسے عزل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا :(لو أن الماء الذي يكون منه الولد أهرقته على صخرة لأخرج منها ولداً):"خواہ منی جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے ایک پتھر پر ہی گرے، اللہ تعالیٰ اُس سے بچہ پیدا کر ہی دے گا"۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عزل کے ذریعے بچوں کی تعداد کو محدود کرنا رسول اللہ ﷺ کی اُس ترغیب سے متصادم ہے جہاں آپ نے کثرتِ اولاد کی ترغیب دلائی اور فرمایا: (تناكحوا تناسلوا تكثروا) "نکاح کرو، مباشرت کرو اور اولاد میں کثرت کرو"۔ یہ دونوں چیزیں باہم متضاد نہیں ہیں کیونکہ ایک کثرتِ نسل کی ترغیب ہے اور دوسری عزل کی اجازت۔ جہاں تک مسندِ احمد کی وہ حدیث جسے جذامہ بنت وہب الاسدیہ نے روایت کیا ہے کا تعلق ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں اُس وقت آپ کے پاس تھی جب آپ لوگوں کے درمیان تھے اور فرمارہے

تھے: (لقد هممت أن أنهى عن الغيلة فنظرت في الروم وفارس فإذا هم يغيلون أولادهم فلا يضر أولادهم شيئاً، ثم سألوه عن العزل. فقال رسول الله : ذلك الوأد الخفي وهي: وإذا الموءودة سئلت) "میں نے ارادہ کیا تھا کہ بچے کو دودھ پلانے والی عورتوں سے مباشرت کو روک دوں، پھر رومیوں اور فارسیوں کو دیکھا کہ وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور اُن کی اولاد کو اس سے نقصان نہیں پہنچتا۔ پھر لوگوں نے آپ سے عزل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہ دفن کرنے کا چھوٹا روپ ہے، پھر آپ نے آیت پڑھی کہ "اور جب زندہ درگور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا"۔ یہ حدیث اُن صحیح اور واضح احادیث سے ٹکراتی ہے جو عزل کے جواز میں وارد ہوئی ہیں، جب کوئی حدیث دوسری احادیث سے تعرض کرے جن کی اسناد اُس سے زیادہ ہوں تو وہ حدیث راجح ہوتی ہے جس کی روایات ٹکرانے والی حدیث سے زیادہ ہوں۔ اس بنیاد پر اس حدیث کو اس سے قوی تر اور زیادہ اسناد والی احادیث کے حق میں ترک کیا جائے گا۔

اسی طرح اس حدیث اور عزل کے جواز کی دیگر احادیث کو جمع کر کے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حدیث عزل کے ناپسندیدہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ایسا اُس وقت ممکن ہوتا جب رسول اللہ ﷺ کی عزل سے نفی کی بابت دوسری حدیث اسی حدیث کے معنوں میں وارد ہوتی اور اس نفی میں تصادم نہ ہوتا۔ لیکن وہ حدیث جو سنن ابی داؤد اور مسندِ احمد میں ابی سعید سے مروی ہے جس میں آتا ہے: (وإن اليهود تحدث أن العزل الموءودة الصغرى قال: كذبت يهود) "یہودی کہتے ہیں کہ عزل کرنا موءودۃ الصغریٰ ہے یعنی بچے کو زندہ دفن کرنے جیسا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہودیوں نے جھوٹ کہا۔" جبکہ جذامہ بنت وہب والی حدیث میں آتا ہے: (ذلك الوأد الخفي وهي: وإذا الموءودة سئلت) "یہ دفن کرنے کا چھوٹا روپ ہے، پھر آپ نے آیت پڑھی کہ "اور جب زندہ درگور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا"۔ ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا ممکن نہیں۔ اِن میں سے ایک منسوخ ہوگی یا جو قوی تر ہو اس کے حق میں ضعیف کو ردّ کیا جائے گا۔ اب چونکہ اِن دونوں احادیث کی تاریخ غیر معروف ہے اور ابی سعید والی حدیث کی تائید متعدد احادیث اور متعدد اسناد سے ہوتی ہے، جبکہ جذامہ والی حدیث صرف ایک ہے اور اس کی تائید کسی بھی اور حدیث سے نہیں ہوتی، لہٰذا اسے ردّ کر کے راجح حدیث جو جذامہ والی حدیث سے قوی تر ہے، اسے اختیار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا عزل بغیر کسی کراہت کے جائز ہے خواہ عزل کرنے والے کی اس سے جو بھی منشاء ہو کیونکہ عزل کے دلائل کی نوعیت عام ہے۔ عزل کیلئے مرد عورت کی اجازت کا محتاج نہیں کیونکہ یہ مرد کا معاملہ

ہے عورت کا نہیں۔ یہ کہنا کہ جب مباشرت عورت کا حق ہے تو منی بھی اُس کا حق ہوا اور اس لئے عورت کی اجازت کے بغیر اسے اُس کے فرج کے باہر نہ نکالا جائے ٹھیک نہیں کیونکہ یہ عقلی علت ہوئی جس کی کوئی وقعت نہیں۔ اس پر مزید یہ کہ عورت کا حق مباشرت ہے نہ کہ منی کا انزال، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک شخص جو صفتِ رجولیت سے محروم ہو، اگر وہ مباشرت کر لیتا ہے لیکن منی خارج نہیں ہوتی تو یہ مانا جائے گا کہ اُس نے مباشرت کا حق ادا کیا اور ایسی صورت میں عورت کو اپنے نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔ پھر جہاں تک سنن ابن ماجہ میں عمر بن الخطاب سے مروی حدیث کا سوال ہے، جس میں آتا ہے: (**نهى رسول الله أن يعزل عن الحرة إلا بإذنها**) "رسول اللہ نے کسی آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔" یہ ضعیف حدیث ہے اور اس کے راویوں میں ابن لھیعۃ ہے جس کے بارے میں کافی کچھ کہا گیا ہے۔ لہٰذا اُن احادیث کا مطلق ہونا قائم رہا جن میں عزل کا جواز وارد ہوا ہے۔

عزل کا یہ حکم دواؤں اور مانعِ حمل کے وسیلوں جیسے کنڈلی اور کنڈوم پر بھی ہوتا ہے۔ یہ تمام وسائل اسی حکم کے تحت آتے ہیں کیونکہ جوازِ عزل کے دلائل اِن پر مکمل منطبق ہوتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ مرد حمل کو روکنے کی تدبیر کر سکتا ہے، خواہ وہ عزل کے طریقے سے ہو یا کسی اور وسیلے سے۔ اور جو چیز مرد کیلئے جائز ہے وہی عورت کیلئے بھی جائز ہے کیونکہ اصل حکم حمل کے جواز کو روکنے کا ہے خواہ وہ عزل کے توسط سے ہو یا کسی اور طرح سے۔

عزل کا یہ حکم وقتی نوعیت تک ہی مخصوص ہے۔ رہی بات اسے دائمی طور پر روکنا اور عقیم بن جانا، تو یہ حرام ہے۔ ایسی دواؤں کا استعمال جو حمل کو دائمی طور پر روک کر نسل کے منقطع ہونے کا سبب بنیں، یا ایسی جراحی عملیات جو حمل کو ہمیشہ کیلئے روک کر نسل کے ختم ہونے کا سبب بنیں وہ حرام ہوں گے اور اُن کو اختیار کرنا جائز نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے وسائل خصاء کے زمرے میں آتے ہیں لہٰذا اِن پر خصاء کا ہی حکم منطبق ہو گا کیونکہ خصاء کی طرح ہی یہ وسائل بھی نسل کے خاتمے کیلئے ہیں۔ خصاء کی حرمت کیلئے صریح حکم وارد ہوا ہے۔ سعد ابن ابی وقاص سے بخاری و مسلم میں مروی ہے: (**رد رسول الله على عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصينا**) "رسول اللہ ﷺ نے عثمان ابن مظعون کے تجرّد (شادی نہ ہونا) کو مسترد کر دیا، اگر آپ نے اجازت دی ہوتی تو میں نے ایسا کر لیا ہوتا۔" عثمان ابن مظعون رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے اور کہا تھا کہ: (**يا رسول الله إني رجل يشق عليّ العزوبة فأذن لي بالاختصاء، قال: لا، ولكن**

عليك بالصيام) "اے اللہ کے رسول، میں ایک مرد ہوں اور اپنے کنوارے پن کی وجہ سے عاجز ہوں، لہٰذا مجھے خصاء کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن تمہیں چاہئے کہ روزے رکھو"۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے: **(يا رسول الله إني رجل يشق عليّ العزوبة فأذن لي بالاختصاء، قال: لا، ولكن عليك بالصيام)** "اے اللہ کے رسول، مجھے خصاء کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے رہبانیت کے بدلے سیدھا اور حق دین رکھا ہے۔" مسندِ احمد میں انس سے مروی ہے: **(كان النبي يأمرنا بالباءة، وينهى عن التبتل نهياً شديداً، ويقول: تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة)** "رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمیں سختی سے کنوارہ رہنے سے منع فرماتے اور شادی کرنے کا حکم دیتے تھے، آپ فرماتے کہ محبت والفت والیوں سے شادی کرو جو خوب اولاد خیز ہوں کیونکہ یقیناً میں چاہتا ہوں کہ میری امت قیامت کے دن سب سے زیادہ کثرت سے ہو۔

اس کے ساتھ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ نے جو حملِ اولاد اور فروغِ نسل کو شادی کا اصل رکھا ہے، خصاء کا اختیار کرنا اُس اصل مقصود سے متصادم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم و رحمت کو لوگوں پر واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے : **(وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً)** "اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے"۔ (سورۂ النحل: آیت:72) اللہ تعالیٰ نے کثرتِ اولاد کو پسندیدہ (مندوب) رکھا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلائی اور کثیر العیال کی مدح سرائی بھی کی۔ چنانچہ مسندِ احمد میں انس سے مروی ہے: **(تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأنبياء يوم القيامة)** "آپ فرماتے کہ محبت والفت والیوں سے شادی کرو جو خوب اولاد خیز ہوں کیونکہ یقیناً میں چاہتا ہوں کہ میری امت قیامت کے دن سب سے زیادہ کثرت سے ہو۔" عبداللہ ابن عمر سے مسندِ احمد ہی میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: **(انكحوا أمهات الأولاد فإني أباهي بكم يوم القيام)** "بچوں کی ماؤں سے نکاح کرو کیونکہ یقیناً میں قیامت کے دن تم پر فخر کروں گا۔" سنن ابی داؤد میں معقل ابن یسار سے مروی ہے کہ: **(جاء رجل إلى رسول الله فقال: إني أصبت امرأة ذات حسب وجمال وإنها لا تلد أفأتزوجها؟ قال: لا، ثم أتاه الثانية فنهاه، ثم أتاه الثالثة فقال: تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم)** "ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے ایک عورت ملی ہے جو اچھے گھرانے کی اور خوب شکل ہے، لیکن اسے اولاد نہیں ہوتی، کیا میں اُس سے شادی کر لوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، وہ شخص پھر دوسری بار حاضر ہوا تو پھر منع فرما

دیا، پھر جب وہ تیسری مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: "محبت والفت والیوں سے شادی کرو جو خوب اولاد خیز ہوں کیونکہ یقیناً میں چاہتا ہوں کہ میری امت سب سے زیادہ کثرت سے ہو"۔

حمل کے اس طرح عزل یا کسی اور وسیلے سے وقتی طور پر روکنے سے مراد اسقاطِ حمل کا جائز ہو جانا نہیں ہے۔ ایسا حمل جس میں روح پھونک دی گئی ہو اُس کا اسقاط حرام ہو جاتا ہے، خواہ وہ دوائیں لینے سے ہو یا شدید جھٹکے دیئے جائیں یا طبی جراحت سے کیا جائے۔ چاہے یہ ماں کی طرف سے کیا جائے یا باپ کی جانب سے یا پھر طبیب کے ذریعے، یہ حرام ہی ہو گا کیونکہ یہ ایسی انسانی جان پر حملہ ہے جس کا خون معصوم ہے۔ یہ ایسا جرم ہے جس پر دِیت (خون بہا) ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے جس کی مقدار ایک مرد یا عورت غلام آزاد کرنے کی ہے جو ایک مکمل زندہ انسان کی دِیت کی مقدار کا دسواں حصہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ) "اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے قتل نہ کرو مگر جائز طور پر (سورۂ اسرائیل:33) نیز بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ سے نقل کیا گیا ہے: (قضى رسول الله في جنين امرأة من بني لحيان سقط ميتاً بغرّةٍ عبدٍ أو أَمَةٍ) "رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ بنی لحیان کی ایک عورت کے اسقاطِ حمل پر فیصلہ دیا کہ ایک مرد یا عورت غلام دِیت کے طور پر آزاد کیا جائے"۔ اسقاطِ حمل کیلئے جو حمل کی کم از کم مدّت جس کے گرائے جانے پر دِیت واجب ہو جاتی ہے وہ یہ واضح ہونا ہے کہ حملِ جنین میں انسانی شکل کے کچھ عناصر جیسے انگلیاں، یا ہاتھ، پیر، سَر، آنکھ یا ناخن بن جائیں۔

تاہم اگر اسقاطِ حمل اُس میں روح ڈالے جانے سے قبل واقع ہو تو یہ قابلِ غور ہو گا۔ اگر حمل کے آغاز سے چالیس دن کے بعد جب کہ تخلیق کی ابتداء ہوتی ہے اگر ایسا کیا جائے تو یہ حرام ہی کے حکم میں رہے گا۔ مسلم میں عبد اللہ ابن مسعود سے نقل ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: (إذا مر بالنطفة ثنتان وأربعون ليلة بعث الله إليها ملكاً فصورها وخلق سمعها وبصرها وجلدها ولحمها وعظامها ثم قال: يا رب أذكر أم أنثى فيقضى...) "جب نطفے پر بیالیس (42) راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اُس جنین کو شکل عطا فرماتا ہے؛ اُس میں سماعت اور بصارت ڈالی جاتی ہے، اُس کی جلد بنائی جاتی ہے، گوشت پوست اور ہڈیاں بنائی جاتی ہیں، پھر وہ فرشتہ عرض کرتا ہے، اے میرے ربّ، یہ مذکر ہو یا مونث"۔ چالیس دن والی اس روایت میں جب جنین کی تخلیق کا آغاز ہوتا ہے، تو اس کے گرائے جانے پر اسقاطِ حمل کا اطلاق ہو گا اور دیت واجب ہو جائے گی جو ایک مرد یا عورت غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب جنین کی زندگی کا آغاز ہو گیا اور اُس میں بعض اعضاء کا ظہور ہوا تو اُس جنین کا

(زندہ)ہونا قرار پایا، اب یہ جنین مکمل انسان بن جانے کی راہ پر چل پڑا ہے، لہٰذا اس پر حملہ انسانی زندگی پر حملے کے مترادف ہوا جس کا خون مقدس ہے اور اس پر حملہ اسے زندہ در گور کرنے کی مانند ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، ارشادِ ربّانی ہے: (وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ)"اور جب زندہ در گور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی۔ (سورۂ التکویر: آیت:8,9)

لہٰذا اس لیے حمل کے واقع ہونے کے چالیس دن گزر جانے پر اس کا اسقاط، ماں، باپ یا طبیب پر حرام ہو گا۔ جو کوئی بھی اس کا اسقاط کرے، وہ جرم اور گناہ دونوں کا مرتکب ہو گا اور اس پر جنین کے اسقاط کی دیت واجب ہو جائے گی جو کہ ایک مرد یا عورت غلام کی ادائیگی ہے، جیسا کہ بخاری اور مسلم کی احادیث میں وارد ہوا ہے۔

جنین کا اسقاط خواہ دورِ تخلیق میں ہو یا اس میں جان پھونکھ دیئے جانے کے بعد، اس کی اجازت نہیں ہے۔ سوائے اس کہ صاحبِ عدل اطباء یہ فیصلہ کر لیں کہ اس حمل کا ماں کے بطن میں باقی رہنا ماں اور اس کے ساتھ حمل کی موت کا سبب بنے گا۔ ایسی صورتِ حال میں ماں کی جان بچانے کیلئے اسقاطِ حمل جائز ہو جاتا ہے۔

طلاق

جس طرح اللہ تعالیٰ نے نکاح کا قانون بنایا ہے اسی طرح طلاق کا قانون بھی بنایا ہے۔ طلاق کی بنیاد کتاب اللہ، سنتِ نبوی اوراجماع ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ) "طلاقِ رجعی دو ہی بار ہے، پھر دستور کے لحاظ سے روک لیا جائے یا نیک طریقے سے رخصت کر دیا جائے۔ (سورۂ البقرۃ:آیت:229)اور فرمایا: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ) "اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہہ دو) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو عدت کے شروع میں طلاق دو" (سورۂ الطلاق:1) جہاں تک طلاق کی سنت سے استدلال کی بات ہے، تو حاکم اور ابن حبان نے عمر بن الخطاب سے روایت کیا ہے: (أن النبي طلق حفصة ثم راجعها)"نبی نے حفصہ کو طلاق دی پھر رجوع فرمالیا"۔ نیز ترمذی اور حاکم نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے: (كانت تحتي امرأة أحبها وكان أبي يكرهها فأمرني أن أطلقها فأبيت فذكر ذلك للنبي فقال: يا عبد الله بن عمر، طلق امرأتك)"میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے محبت تھی اور جسے میرے والد ناپسند کرتے تھے، اُنھوں مجھے اسے طلاق دینے کا حکم دیا جسے میں نے نہیں مانا، پھر اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا اور آپ نے فرمایا کہ اے عبد اللہ ابن عمر، اسے طلاق دے دو۔"اسی طرح صحابہ کرام کا بھی طلاق پر اجماع تھا۔

طلاق نکاح کے عقد کی قید کو منسوخ کر دیتی ہے۔اس کے جائز ہونے کیلئے کوئی شرعی علت نہیں ہے، اور وہ نصوصِ شرع جو اس کے جواز میں وارد ہوئے ہیں اُن میں طلاق کی کوئی علت نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا طلاق اس لئے حلال ہے کہ شریعت نے اسے حلال کیا ہے اس کے سوا طلاق کے حلال ہونے کا کوئی اور سبب نہیں۔ شرعی طلاق تین طلاقوں یعنی تین لفظی ادائیگیوں پر مشتمل ہے جو ایک کے بعد ایک ہو۔ لہٰذا اگر ایک بار لفظ ادا کیا گیا تو ایک طلاق ہوئی، اب شوہر عدت کی مدت کے دوران بغیر دوسرے نکاح کے عورت سے رجوع کر سکتا ہے۔ اگر وہ دوسری بار لفظ ادا کر دیتا ہے تو دوسری طلاق واقع ہوئی، اب بھی شوہر اپنی بیوی سے عدت کی مدت کے دوران بغیر دوسرے نکاح کے رجوع کر سکتا ہے۔ اگر اِن دونوں صورتوں میں عدت کی مدت گزر جائے اور شوہر اس مدت میں رجوع نہ کرے تو عورت بائنہ ہو جاتی ہے

اور یہ بائنہ صغریٰ کہلاتی ہے۔ اس شکل میں رجوع اسی وقت ممکن ہے جب شوہر نئے مہر سے نیا نکاح کرے۔ اگر شوہر تیسری بار طلاق دے دیتا ہے تو یہ تین ادائیگیاں ہو گئیں اور اب وہ بائنہ کبریٰ ہو گئی۔ اب شوہر اُس عورت سے رجوع نہیں کر سکتا جب تک کہ کوئی اور شخص اُس عورت سے نکاح اور مباشرت نہ کرلے اور عورت پھر اُس شخص سے اپنی عدت پوری نہ کرلے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ) "طلاق (صرف) دوبار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ وہ خدا کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ خدا کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلنا۔ اور جو لوگ خدا کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے وہ گنہگار ہوں گے۔ پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہو گی۔ ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ خدا کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ خدا کی حدیں ہیں ان کو وہ ان لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں"۔ (سورۃ البقرۃ: آیت:-230-229) اِس آیتِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو طلاق دینے کا طریقہ بیان فرمادیا، فرمایا: (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) یعنی طلاق دوبار ہے۔ اس بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اختیار دیا ہے کہ یا وہ وہ اپنی ازواج کو رکھیں اور اُن کے ساتھ اچھے برتاؤ اور اپنے فرائض کی تکمیل کے ساتھ رہیں یا اُنھیں بھلے طریقہ سے چھوڑ دیں جو اُن پر عائد کیا گیا ہے، پھر فرمایا: (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ) "(دو طلاقوں کے بعد) پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے، تو اس کے بعد وہ اس کیلئے جائز نہ ہو گی، جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی

دوسرے شوہر سے ہم بستر نہ ہو لے۔ "یعنی اگر شوہر نے پچھلی دو بار کے بعد پھر تیسری بار طلاق دے دی ہو تو اب وہ اُس شوہر کیلئے جائز نہ رہی جب تک کہ عورت کسی اور شخص سے شادی نہ کر لے۔ اس کے بعد فرمایا: (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا) "پس اگر وہ اسے طلاق دے دے تو پھر اِن دونوں کیلئے ایک دوسرے کی طرف پلٹ آنے میں کوئی گناہ نہ ہو گا "یعنی اگر دوسرا شوہر بھی اس عورت کو طلاق دے دے تو پھر پہلے شوہر کیلئے جائز ہو گا کہ وہ نئے نکاح اور نئے مہر کے ساتھ اسے اپنا لے۔ (طَلَّقَهَا)، "یعنی وہ طلاق دے دے" فقہ میں فاعل (زَوْجًا غَيْرَهُ) یعنی شوہرِ ثانی ہے، جبکہ (يَتَرَاجَعَا) میں فاعل کا اشارہ پہلے شوہر کی جانب ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ اپنے زوج کے پاس لوٹ آئے۔ لہٰذا شوہر کیلئے تین طلاقوں کی ادائیگی ہے جن میں سے دو ایسی ہیں کہ اُن کے دوران بیوی کے پاس لوٹا جا سکتا ہے اور تیسری کے بعد اُس وقت تک نہیں لوٹا جا سکتا جب تک کہ عورت کسی اور شخص سے شادی نہ کر لے۔

طلاق دینا شوہر کا اختیار ہے نہ کہ بیوی کا۔ طلاق کا اختیار شوہر کے پاس صرف اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے شوہر کے اختیار میں رکھا ہے، اور شریعت میں اس اختیار کے مرد کے پاس ہونے کی کوئی علت وارد نہیں ہوئی ہے، لہٰذا اس کی کوئی علت بیان نہیں کی جائے گی۔ البتہ شادی کی کیفیتِ واقعہ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ شادی ایک نئی ازدواجی زندگی کا آغاز ہے جہاں ایک مرد اور ایک عورت اپنی مرضی اور اختیار سے اپنی پسند کا ساتھی چنتے ہیں، جہاں دونوں کو اختیار ہے کہ وہ جسے چاہیں چنیں اور جس سے چاہیں شادی نہ کریں۔ لیکن جب ایک بار یہ شادی ہو گئی تو مرد کو اس خاندان کی قیادت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ عورت کا رکھوالا بن جاتا ہے۔ لہٰذا ناگزیر ہوا کہ طلاق کا اختیار شوہر کے پاس رہے اور یہ اُس کا حق رہے کیونکہ وہ اس خاندان کا امیر اور اس گھر کا کرتا دھرتا ہے، صرف اسی پر گھر کی تمام تر ذمہ داری ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ اس نکاح کے عقد کی تحلیل کا اختیار بھی اسی کے پاس ہو۔ اختیارات اور ذمہ داریوں میں تناسب ہوتا ہے، لہٰذا زوجین کے درمیان علیحدگی اُس کے ہاتھ میں ہو سکتی ہے جس پر دوسرے کی ذمہ داری کا بار ہے۔ بہرحال یہ شرعی حکم کی علت نہیں، محض واقعِ حال کا تجزیہ ہے، کیونکہ کسی بھی شرعی حکم کی علت صرف وہی ہو سکتی ہے جو نصِ شرع میں وارد ہوئی ہو۔

البتہ طلاق کے صرف شوہر کے ہاتھ میں ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ عورت کو علیحدگی کا اختیار نہیں ہے یا وہ اپنے اور شوہر کے درمیان علیحدگی نہیں کر سکتی۔ یقیناً شوہر کو ہی اصلاً، بلا قید اور تمام حالات میں یہ اختیار ہے اور وہ بلا سبب بھی طلاق دینے کا

مجاز ہے، تاہم عورت کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر سے مخصوص حالات میں، جن کو شریعت نے بیان کیا ہے، علیحدگی لے لے۔ شریعت نے عورت کو مندرجہ ذیل احوال میں علیحدگی کی اجازت دی ہے:

1۔ جب شوہر ہی بیوی کو یہ اختیار سونپ دے، اس وقت عورت اپنے اس اختیار کے بموجب خود کو طلاق دے سکتی ہے۔ عورت یہ کہہ کر کہ میں نے فلاں شخص سے اپنے آپ کو اس اختیار کے بموجب طلاق دی، یا وہ شوہر سے کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تم سے طلاق دی، البتہ عورت یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں نے تمہیں طلاق دی یا تم کو طلاق ہوئی کیونکہ طلاق عورت پر واقع ہوتی ہے نہ کہ شوہر پر خواہ طلاق عورت ہی نے اپنے اس حاصل شدہ اختیار کے بموجب دی ہو۔ شوہر طلاق کا اپنا یہ اختیار عورت کو منتقل کرنے کا مجاز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات کو یہ اختیار دیا تھا نیز اس پر صحابہؓ کرام کا اجماع ثابت ہے۔

2۔ اگر عورت کو معلوم ہو جائے کہ شوہر میں ایسی کوئی خامی یا نقص ہے جو مباشرت میں مانع واقع ہوتی ہو جیسے وہ نامرد ہو یا آختہ شدہ ہو، اور عورت میں خود یہ نقائص موجود نہ ہوں۔ اِن حالات میں عورت اُس شخص سے اپنے نکاح کے فسخ کئے جانے کی درخواست کر سکتی۔ حاکم یا قاضی جب اِن نقائص کے ہونے کی یقین دہانی کرلے تو وہ اس معاملے کو ایک سال کی مدت کیلئے مؤخر کرے اور پھر بھی اگر شوہر میں یہ نقائص برقرار پائے تو عورت کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے نکاح کو فسخ کر دے۔ روایت وارد ہوئی ہے کہ ابن منذر نے ایک عورت سے شادی کی جبکہ اُن میں خصی تھی۔ عمر نے اُن سے پوچھا کہ کیا عورت اس بات سے واقف ہے؟ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ نہیں، اسے اس کا علم نہیں ہے۔ عمر نے اُن سے کہا کہ عورت کو یہ بات بتا دو اور اسے اختیار دے دو۔ مروی ہے کہ عمر نے اس معاملہ کو پھر ایک سال تک ملتوی رکھا۔ اگر عورت یہ پائے کہ شوہر کا عضوِ تناسل قطع شدہ یا مشلول ہے تو اسے فوراً علیحدگی کی درخواست کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اور اس معاملہ کو ملتوی نہیں رکھا جاتا کیونکہ اب مباشرت کی کوئی توقع نہیں رہتی اور انتظار بے معنی ہے۔

3۔ اگر عورت کو مباشرت سے قبل یا بعد یہ علم ہو کہ شوہر میں کوئی ایسا مرض ہے جس کے باعث وہ اُس کے ساتھ بنا خود کو نقصان پہنچائے گزرا نہیں کر سکتی؛ مثلاً جزام، کوڑھ، آتشک یا تپِ دق تو عورت حاکم یا قاضی سے رجوع کر کے اپنے اور شوہر کے درمیان علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے، نیز مرض کے ثابت ہو جانے اور ایک معین مدت میں اس مرض سے چھٹکارا پانے کا

امکان نہ ہونے پر اُس کا مطالبہ منظور کیا جائے گا۔ عورت کا یہ اختیار وقتی نوعیت کا نہیں ہوتا بلکہ اسے یہ اختیار ہمیشہ رہتا ہے۔ اس کی بنیاد مؤطا امام مالک میں وارد سعید ابن مسیب کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: (أيما رجل تزوج امرأة وبه جنون أو ضرر فإنها تخير فإن شاءت قرت، وإن شاءت فارقت) "اگر ایک شخص نے کسی عورت سے مجنون ہوتے ہوئے شادی کی یا اُس شخص میں نقص تھا تو عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اُس کے ساتھ رہے اور نہ چاہے تو شوہر سے علیحدگی لے لے"۔

4۔ اگر شوہر شادی ہونے کے بعد مجنون ہو جائے تو بیوی کو اختیار ہے کہ وہ قاضی سے رجوع کر کے علیحدگی کا مطالبہ کرے۔ قاضی ایک سال تک اس معاملے کو ملتوی رکھتا ہے اور اگر اس مدت میں شوہر کی دیوانگی درست نہیں ہوتی اور بیوی اپنے مطالبے پر قائم رہتی ہے تو قاضی علیحدگی کا حکم صادر کر دے گا جیسا کہ سابقہ روایت میں وارد ہوا ہے۔

5۔ اگر شوہر کسی قریبی یا دور دراز مقام کا سفر کرے اور اس طرح غائب ہو جائے کہ نہ تو اُس کی خبر ملتی ہو اور نہ ہی اُس سے بیوی کا نان و نفقہ آتا ہو، تو عورت کو شوہر کی تلاش اور اُس کی خبر حاصل کرنے کی تمام تر کوشش کر لینے کے بعد یہ حق ہے کہ وہ علیحدگی کا مطالبہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مسندِ امام احمد اور سنن دار قطنی میں نقل ہے کہ آپ نے بیوی کے بارے میں فرمایا کہ وہ کہتی ہے (أطعمني وإلا فارقني) "میرے لئے غذاء مہیا کرو یا مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ"۔ یہاں غذاء مہیانہ کرنا علیحدگی کی علت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

6۔ اگر شوہر بیوی کو نفقہ دینا بند کر دے اور وہ مالدار ہو اور بیوی کی اپنے نفقہ کے لیے اس کی دولت تک رسائی کسی بھی صورت میں ممکن نہ ہو تو یہ عورت کا حق ہے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے اور قاضی کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ بغیر کسی تاخیر کے فوراً اس کی اس کے شوہر سے علیحدگی کا حکم صادر کرے۔ یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مسندِ امام احمد اور سنن دار قطنی میں نقل ہے کہ آپ نے فرمایا: (امرأتك ممن تعول تقول أطعمني وإلا فارقني) "تمہاری بیوی جس کی تم ذمے داری اٹھاتے ہو کہتی ہے: میرے لیے غذا مہیا کرو یا مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ۔" اور اس لیے کہ عمر نے ان لوگوں کو خط لکھا جو اپنی بیویوں سے دور تھے اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی بیویوں کو نفقہ دیں یا انہیں طلاق دے دیں۔ صحابہ کو اس کا علم تھا اور انہوں نے

اس کی مخالفت نہیں کی جو ان کے اجماع پر دلالت کرتا ہے۔

7۔ اگر شوہر اور بیوی کے درمیان تنازعہ اور جدال ہو تو عورت علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ قاضی ایسے حالات میں بیوی اور شوہر کے گھر والوں میں سے ایک ایک شخص کو اس تنازعے کا ثالث بنائے گا اور گھر کی یہ کمیٹی طرفین کی دہائی اور شکووں کو سُنے اور دونوں میں تصفیہ کرانے کیلئے اپنی تمام تر کاوش و سعی کرے۔ پھر بھی اگر زوجین کے مابین مصالحت کی کوئی شکل نہ بنے تو یہ کمیٹی اپنی تفتیش کی بنیاد پر جس طرح مناسب سمجھے، اُن کے درمیان علیحدگی کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا)"اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو، تو ایک ثالث مرد کے لوگوں میں سے اور ایک ثالث عورت کے لوگوں میں سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں بناؤ چاہیں گے، تو اللہ ان میں موافقت کی صورت پیدا کر دے گا۔"(سورۃ النساء: آیت:35)

چنانچہ اِن معینہ حالات میں شریعت نے عورت کو پہلی صورتِ حال میں خود کو طلاق دینے اور باقی حالات میں شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کرنے کا مجاز رکھا ہے۔ اِن حالات کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت ازدواجی زندگی میں عورت کو شوہر کے ساتھی اور شریک کی حیثیت سے دیکھتی ہے جو گھر میں واقع ہونے والے ہر کرب، افتاد و بلا کا اسی طرح شکار ہوتی ہے جس طرح شوہر اِن سے متاثر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ شریعت عورت کو نکاح کے عقد سے آزاد ہونے کا مجاز رکھے۔ نیز خانگی خوشیوں اور امن و آستی سے محروم ہونے کی صورت میں عورت کو اسی زندگی سے بندھی رہنے کیلئے مجبور نہیں کیا گیا۔ اسے اس بات کا مجاز رکھا گیا ہے کہ وہ خانگی زندگی میں باآبرو اور ازدواجی خوشحالی کے نہ ہونے کے امکان کی صورت میں اپنے نکاح کو فسخ کر دے۔

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ نے طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں رکھا ہے کیونکہ مرد عورت کا والی و نگران اور گھر کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار عورت کیلئے بھی رکھا ہے تاکہ وہ ازدواجی زندگی میں مصائب اور مشقتوں میں بے بس نہ ہو جائے اور وہ گھر جو سکون و اطمینان کا گہوارہ ہونا چاہئے، وہ بے چینی و پریشانیوں کا مسکن نہ بن جائے۔

جہاں تک طلاق کا کسی علت کے ساتھ مشروط ہونے کا سوال ہے تو شرعی نصوص میں طلاق کی کوئی علت بیان نہیں کی گئی ہے،

لہٰذا اس کی کوئی علت نہیں ہے۔ البتہ طلاق کے قانون کی حقیقتِ واقعہ، شادی سے اس کا ربط اور طلاق کے مضمرات بیان کئے جاسکتے ہیں۔ شادی کی واقعی شکل یہ ہے کہ یہ خاندان کی تعمیر اور اس خاندان میں چین وسکون کی غرض کیلئے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر صورتِ حال یہ ہو کہ اس میں ازواجی زندگی ناممکن بن جائے تو ایسا راستہ ہونا چاہئے جس کے ذریعہ شوہر اور بیوی دونوں کیلئے ایک دوسرے سے چھٹکارا پانا ممکن ہو۔ ایسی صورت میں جہاں دونوں یا ایک فریق کیلئے بھی یہ ربط ناگوار ہو تو پھر اسے قائم رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور اسی غرض کیلئے اللہ تعالیٰ نے طلاق کا قانون رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (**الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ**) "طلاقِ رجعی دو ہی بار ہے؛ پھر دستور کے لحاظ سے روک لیا جائے یا نیک طریقے سے رخصت کر دیا جائے"۔ (سورۂ البقرۃ: آیت:229) تاکہ گھر میں بدحالی اور آفات نہیں بلکہ لوگوں کے درمیان خانگی خوشگواری اور مسرتیں قائم رہیں۔ اگر دو اشخاص کے درمیان اُن کے مزاج اور طبیعتوں کی وجہ سے، یا اُن پر ایسے حالات واقع ہوئے ہوں جس سے صورتِ حال بگڑ چکی ہو، اگر ایسا خوشگوار رشتہ قائم نہیں رہ سکتا تو دونوں کیلئے ایسے مواقع میسّر ہونا چاہئیں جہاں وہ اپنی ازدواجی مسرتیں اور ازواج میں تلاش کرلیں۔ البتہ اسلام نے محض کراہت اور بے رغبتی کو طلاق کا سبب نہیں بنایا بلکہ زوجین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں وقار سے زندگی بسر کریں اور اُنھیں ترغیب دلائی ہے کہ وہ ناگواریوں میں تحمل برتیں ممکن ہے یہ ناگواریاں کسی خیر کا باعث ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (**وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا**) "اور ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے رہو سہو؛ پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں، تو ممکن ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو، اور اللہ اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دے"۔ (سورۂ النساء:19) اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایسی سبیل اور وسائل اختیار کریں جس سے خواتین کی نافرمانیوں کی شدّت میں کمی ہو، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (**وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ**) "اور وہ عورتیں جن کی سرکشی کا تمہیں اندیشہ ہو اُنھیں سمجھاؤ۔ اور بستروں میں اُنھیں تنہا چھوڑ دو اور اُنھیں مار بھی سکتے ہو"۔ (سورۂ النساء:34) اس طرح اللہ تعالیٰ نے زوجین کے مابین تمام مسائل کو نمٹانے اور حل کرنے کیلئے تمام نرم اور غیر نرم طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ طلاق کی نوبت نہ آئے۔ ایسے حالات میں بھی جب باوقار زندگی ناممکن ہو، شدید وسائل بھی کارگر نہ ہوں اور معاملہ محض ناپسندیدگی، نافرمانی اور سرکشی سے تجاوز کرکے نزاع اور ٹوٹ پھوٹ تک بڑھ جائے، تب بھی اسلام نے اس کے

بعد طلاق کا مرحلہ نہیں رکھا گو کہ زوجین کے درمیان شدید بحران کی حالت ہو۔ اس کے برعکس یہ حکم دیا کہ اس معاملے میں زوجین کے رشتہ داروں سے رجوع کیا جائے تاکہ وہ زوجین کے مابین مصالحت کی کوشش کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا)"اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان افراق کا اندیشہ ہو، تو ایک ثالث مرد کے لوگوں میں سے اور ایک ثالث عورت کے لوگوں میں سے مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں بناؤ چاہیں گے، تو اللہ اُن میں موافقت کی صورت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، خبر رکھنے والا ہے"۔ (سورۃ النساء:35) اگر یہ دونوں ثالث بھی زوجین کے درمیان مصالحت کرانے میں کامیاب نہ ہوں تو پھر اِن تمام کوششوں کے بعد ازدواجی زندگی برقرار رکھنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ اُن کے درمیان دل کی گرہیں سلجھائی نہیں جا سکتیں اور علیحدگی کے سوا کوئی راہ نہیں رہ جاتی۔ اب طلاق ناگزیر ہو جاتی ہے تاکہ وہ اپنی ازدواجی مسرت کہیں اور حاصل کر سکیں، اور طلاق اس مسئلے کو حل کر سکے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا)"اور اگر دونوں الگ ہی ہو جائیں، تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا، اللہ ہے بھی بڑا کشادہ دامن، نہایت حکمت والا"۔ (سورۃ النساء:130)

بہر حال اس طلاق کے بعد بھی زوجین کیلئے گنجائش ہے کہ وہ پھر ایک ہو سکیں، لہٰذا اُن کے درمیان طلاق کا سبب بننے والی یہ علیحدگی حتمی اور ابدی نہیں ہوتی۔ اُنھیں پہلی اور دوسری طلاق کے بعد بھی رجعت کا حق ہے۔ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد زوجین اپنی ازدواجی زندگی بحال کر سکتے ہیں، یعنی پہلی طلاق کے بعد دوسری بار اور دوسری طلاق کے بعد تیسری مرتبہ وہ زوجیت کی زندگی کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت نے طلاق تین بار رکھی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ)"طلاقِ رجعی دو ہی بار ہے۔ پھر دستور کے لحاظ سے روک لیا جائے یا نیک طریقے سے رخصت کر دیا جائے۔ (سورۃ البقرۃ: آیت:229) تاکہ شوہر اور بیوی دونوں کو یہ اختیار ہو کہ وہ ایک دوسرے کو دوبارہ اپنا کر اُن کے سینوں میں جو اللہ تعالیٰ کے تقوے سے لبریز ہیں، اُس کی بدولت اللہ کی طرف لوٹ آئیں اور اپنی ازدواجی زندگی اور اس میں مسرتیں، آسانی اور اطمینان لانے کی پھر سے کوشش کریں جو ان کو پہلے حاصل نہیں تھیں۔ اس طرح پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے شوہر کیلئے یہ اجازت رواں رکھی ہے کہ وہ اپنی بیوی سے پہلی اور دوسری طلاق کے

بعد رجوع کرلے۔ اس طرح شرعی طریقہ کار زوجین کو رجوع کرکے اپنے سابقہ اسلوب پر نظر ثانی کرنے کا موقع دیتا ہے تا کہ وہ پہلے سے زیادہ سنجیدگی سے معاملے پر غور کر سکیں۔ اسلام نے طلاق کے بعد عدت کی میعاد تین حیض کی رکھی ہے جو تقریباً تین ماہ کی ہوتی ہے یا پھر حاملہ عورت کی زچگی تک رکھی ہے اور شوہر پر عدت کے دوران عورت کے لیے نان ونفقہ اور چھت مہیا کرنا فرض ہے۔ ساتھ ہی اسے عورت کو اس دوران گھر سے نکال باہر کرنے سے روکا گیا ہے جب تک کہ اُس کی عدت پوری نہ ہو جائے، تاکہ اس دوران اُن میں مفاہمت کی صورت پیدا ہو اور ایک دوسرے کو قبول کرکے پاکیزگی کی ایک نئی زندگی شروع کر سکیں۔ اس حوالے سے قرآنِ حکیم میں واضح تنبیہ و سرزنش کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ) "اور جب تم عورتوں کو (دو دفعہ) طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں یا تو حسن سلوک سے نکاح میں رہنے دو یا بطریق شائستہ رخصت کر دو اور اس نیت سے ان کو نکاح میں نہ رہنے دینا چاہئے کہ انہیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو۔ اور جو ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔" (سورۃ البقرۃ: آیت: 231) پھر اگر اِن تمام وسائل کا بھی معاملات پر خاطر خواہ اثر نہ ہو، یا پہلی اور دوسری طلاق کے بعد قدرے اثر ہوا ہو لیکن پھر بھی تیسری طلاق ہو جائے تو پھر یہ صورتِ حال نہایت گہری اور الجھی ہوئی اور آپس کی تلخی حد درجہ ہو گی۔ ایسی صورتِ حال میں بقاء ازدواجیت تو درکنار، رجعت بے سود ہو گی۔ اب اس زوجیت کو بحال کرنے کی مزید کوشش سے پہلے مکمل علیحدگی اور دوسری زوجیت میں نئی زندگی کی تلاش ہی واحد حل باقی رہ جاتا ہے۔ اس طرح یہ تیسری طلاق فیصلہ کن ہوتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ)" (دو طلاقوں کے بعد) پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے، تو اس کے بعد وہ اس کیلئے جائز نہ ہو گی، جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے ہم بستر نہ ہو لے"۔ (سورۃ البقرۃ: آیت: 230) اب اس تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اپنے سابقہ شوہر کیلئے ممنوعہ ہو گئی جب تک کہ وہ کسی اور شوہر کے ساتھ رہ کر ہم بستر نہ ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (حتى تذوق عسيلته ويذوق عسيلتها) "جب تک کہ وہ ایک دوسرے کی مٹھاس نہ چکھ لیں"۔ یہاں مٹھاس چکھنے سے مراد ہم بستری ہے۔ یعنی وہ مکمل طور پر ازدواجیت میں نہ بندھ جائیں۔ پھر اگر عورت کسی اور شوہر کے ساتھ فطری ازدواجیت میں رہے اور اسے وہاں بھی راحت نہ ہو، اور اُن کے درمیان

پھر علیحد گی واقع ہو جائے تو پھر عورت کیلئے یہ گنجائش ہے کہ وہ دوبارہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرلے کیونکہ اُس نے دوسرے شوہر کے ساتھ ازدواجیت بسر کرلی ہے اور دونوں کے درمیان موازنہ کرلیا ہے۔ اب اگر وہ پہلے شوہر سے رجوع کر رہی ہے تو وہ اپنی پسند سے کر رہی ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت نے اسے دوسری شادی کے بعد اپنے سابقہ شوہر جس نے اسے تین بار طلاق دے دی تھی، اُس سے رجوع کرنے کی اجازت دی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **(فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ)**"(دو طلاقوں کے بعد) پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے، تو اس کے بعد وہ اس کیلئے جائز نہ ہو گی، جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے ہم بستر نہ ہولے"۔(سورۃ البقرۃ: آیت:230) اس کے بعد اسی آیت میں فوراً فرمایا **(فَإِنْ طَلَّقَهَا)** اگر پہلے شوہر کے بعد دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے تو **(فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا)**"اُن کیلئے کوئی گناہ نہیں "یعنی پہلے شوہر اور وہ عورت جس کی دوسرے شوہر سے طلاق ہو گئی ہو کہ **(أَنْ يَتَرَاجَعَا)**"وہ دونوں پھر رجوع کرلیں "یعنی دونوں آپس میں شادی کرلیں۔

قانونِ طلاق کی کیفیت سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں اور طلاق کا طریقہ واضح ہوتا ہے، اس کے واقع ہونے اور اس کی حکمت سامنے آتی ہے نیز اجتماعی معاشرتی زندگی پر اس کی گہری نظر عیاں ہوتی ہے جس سے مسرتوں بھری پر سکون زندگی ممکن بنے۔ اگر یہ راحت باقی نہ رہے اور اسے بحال کرنے کا کوئی امکان بھی نہ رہے تو زوجین کے درمیان علیحد گی ضروری ہو جاتی ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے طلاق کا حکم رکھا ہے جسے ہم نے یہاں واضح کر دیا ہے۔

حسب نسب

حکمتِ الٰہیہ کا تقاضہ یہ ہے کہ عورت حمل اور ولادت کا بار اُٹھائے۔ لہٰذا عورت کا نکاح ایک ہی مرد تک قید ہے اور اُس کیلئے ایک سے زیادہ مرد کا ہونا ممنوع رکھا گیا ہے۔ عورت کیلئے ایک سے زیادہ مرد کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ ہر شخص کو اُس کے

نسب کا علم ہو۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ نسب ثابت رہے اور شرع میں یہ معاملہ نہایت واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

حمل کی مدّت کم از کم چھ مہینے ہے، اکثریت میں یہ مدّت نو ماہ کی ہوتی ہے۔ ایک شوہر کی بیوی جب نکاح کی تاریخ سے چھ مہینے بعد بچے کو جنم دے تو امکان ہوا کہ یہ بچہ اسی شوہر کا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ (**الولد للفراش**) "بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر اس کی ولادت ہوئی"۔ یہ حدیث عائشہ سے بخاری اور مسلم میں منقول ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ جب تک صورتِ حال یہ ہو کہ عورت ایک شخص کی زوجیت میں ہو اور نکاح کے چھ ماہ بعد ولادت ہوئی ہو تو وہ بچہ ہر حال میں شوہر ہی کا ہو گا۔

تاہم جب اس کی بیوی نکاح کے چھ ماہ یا اُس سے زیادہ مدت میں بچے کو جنم دے اور شوہر کو یہ یقین ہو کہ بچہ اُس کا نہیں ہے، تو شوہر کیلئے اجازت ہے کہ وہ بعض شرائط کی تکمیل کے ساتھ اس بچے کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ اگر شوہر اِن شرائط کو پورا نہیں کرتا تو اُس کا بچہ قبول کرنے سے انکار کرنا قابلِ قبول نہیں ہو گا۔ وہ بچہ اسی کا تسلیم کیا جائے گا خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے۔ یہ شرائط حسبِ ذیل ہیں:

1۔ یہ کہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو۔ ایک شوہر ایسے بچے کے نسب سے انکار نہیں کر سکتا جو زندہ پیدا نہ ہوا ہو کیونکہ مردہ پیدائش والے بچے کا نسب قبول نہ کرنے کیلئے کوئی شرعی حکم وارد نہیں ہوا۔

2۔ یہ کہ شوہر نے براہِ راست صریح طور پر، یا اشارۃً اُس کو اپنا بچہ قبول نہ کر لیا ہو۔ اگر شوہر صاف طور پر یا ڈھکے چھپے لفظوں میں بچے کو اپنا مان چکا ہو تو پھر اس کے بعد اب اُس کے انکار کا اعتبار نہیں ہو گا۔

3۔ شوہر کا یہ انکار مخصوص وقت اور مخصوص حالات میں کیا جائے۔ مخصوص وقت یا تو وقتِ ولادت ہے یا پھر بچے کی ضرورت کا سامان خریدنے کے وقت۔ اگر وہ ولادت کے وقت موجود نہ ہو تو پھر جب اسے ولادت کا علم ہو، اُس وقت۔ اِن اوقات اور احوال کے علاوہ اگر شوہر بچے کی ولدیت سے انکار کرے تو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہو گا۔ جب عورت بچے کو جنم دے اُس وقت شوہر خاموش رہے اور باوجود ایسا کر سکنے کے، وہ انکار نہ کرے تو بچے کی ولدیت ثابت ہو گئی۔ اب شوہر اس کے نسب سے انکار نہیں کر سکتا۔ شوہر کا بچے کی ولدیت سے انکار کا یہ اختیار اس جگہ اور وقت پر جہاں اسے ولادت کی اطلاع ہوئی اور اُس کے

انکار کے امکان پر منحصر ہوتا ہے۔ جب اسے علم ہوا اور اُس کیلئے انکار کرنا ممکن بھی تھا، پھر بھی اُس نے ایسا نہیں کیا تو ولدیت ثابت ہو گئی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (الولد للفراش) "بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر اس کی ولادت ہوئی"۔ اگر شوہر یہ دعویٰ کرے کہ اسے ولادت کی خبر نہیں ہوئی کیونکہ وہ کسی ایسے مقام پر تھا جہاں اطلاع نہیں پہنچ پاتی جیسے وہ کسی اور بستی یا ملک میں ہو تو فیصلے کیلئے اُس کے دعوے پر اسے حلف لینا ہو گا کیونکہ اصل چیز ولادت سے باخبری ہے۔ لیکن شوہر کے بے خبر ہونے کا دعویٰ اُس وقت غیر معتبر ہو گا جب وہ کسی ایسی جگہ ہو جہاں خبر اُس سے چھپی نہ رہے، مثلاً عورت کے ساتھ گھر میں ہی ہو۔ اگر شوہر یہ دعویٰ کرے کہ مجھے ولادت کی اطلاع تو تھی لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں بچے کے اپنا ہونے سے انکار کر سکتا ہوں، یا یہ کہ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ انکار فوراً ہی کیا جانا ہوتا ہے، تو اگر یہ حکم عام افراد کے علم میں نہ ہو، تو شوہر کا دعویٰ قبول کر لیا جائے گا کیونکہ یہ حکم عام لوگوں کے علم میں نہیں ہے، جیسے اُن لوگوں کا معاملہ ہے جو اسلام میں حال ہی میں داخل ہوئے ہوں۔ کسی شخص کیلئے کسی بھی ایسے حکم سے اس طرح بے خبر ہونا کہ اُس طرح کے اور لوگ بھی اس حکم سے غافل ہوں، جیسے ایک نو مسلم، قابلِ معافی ہے۔ لیکن اگر اُس شخص جیسے افراد اس حکم سے بے خبر نہیں ہیں تو اُس شخص کی بے خبری کا اعتبار نہیں ہو گا۔

4۔ اپنے بچے کو قبول کرنے سے انکار کرنے کے بعد لازمی ہے کہ لعان کی کارروائی کی جائے، یا وہ لعان ہی کے تحت بچے سے انکار کرے۔ بچے کی ولدیت سے اُس کا انکار مکمل لعان کے بغیر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اِن چار شرائط کی تکمیل کے بعد اب بچے کے نسب و ولدیت سے انکار ثابت ہو گیا اور بچہ اُس کی ماں کو دے دیا جائے گا۔ بخاری میں ابن عمر سے مروی ہے: (أن رجلاً لاعن امرأته في زمن رسول الله وانتفى من ولدها ففرق رسول الله بينهما، وألحق الولد بالمرأة) "ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اپنی زوجہ پر لعان کیا یعنی الزام لگایا اور بچے کو اپنا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اُن کے درمیان علیحدگی فرما دی اور بچہ عورت کو دے دیا"۔ اس انکار کی شرائط اگر پوری نہ ہوتی ہوں تو یہ انکار قبول نہیں کیا جائے گا اور بچے کی ولدیت و نسب شوہر ہی کا رہے گا نیز اُس پر والد ہونے کے تمام احکام کا اجراء ہوتا رہے گا۔ یہ وہ حالات ہیں جہاں ولادت پر تنازعہ کی شروعات شوہر کی جانب سے ہوئی ہوں، لیکن اگر یہ اختلاف بیوی کی جانب سے شروع ہوتا ہے، کہ عورت اپنی ازدواجی زندگی میں بچے کو جنم دے اور شوہر اس بچے کو اپنی بیوی کا

بچہ ماننے سے یہ کہہ کر انکار کرے کہ یہ بچہ تمہارا نہیں ہے، تو اب اُس بیوی پر یہ بارِ ثبوت عائد ہو گا کہ وہ ایک مسلم عورت کی شہادت پیش کرے۔ یہاں ایک ہی عورت کی شہادت کافی ہے کیونکہ بہر حال بچہ اُس شوہر کے گھر پیدا ہونے سے اُس کا نسب تسلیم شدہ ہے۔ ولادت کی شہادت کیلئے ایک عورت کی گواہی جو شہادت کی شرائط کے مطابق ہو، کافی ہے۔

لعان (الزام لگانا)

لفظ لعان در اصل لعن کا صیغہ ہے کیونکہ اس حلف میں شوہر اور بیوی پانچویں بار کی قسم میں اپنے آپ کو اگر وہ جھوٹے ہوں تو کوستے ہیں۔ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ)" اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت۔ اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے۔ اور پانچویں دفعہ یوں (کہے) کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب (نازل ہو)"۔ (سورۂ النّور، آیات: 9-6) سنن ابی داؤد نے اپنی اسناد سے ابن عباس سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہلال ابن امیہ جو اُن تین افراد میں سے ایک ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تھی، وہ ایک رات اپنی زمینوں سے گھر لوٹے اور اپنی بیوی کے پاس ایک شخص کو پایا، اُنھوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا لیکن صبح ہونے تک اُنھیں ٹوکا نہیں۔ صبح کو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اُن سے عرض کیا: (يا رسول الله، إني جئت أهلي فوجدت عندهم رجلاً فرأيت بعيني وسمعت بأذني فكره رسول الله ما جاء به، واشتدت عليه فنزلت (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ) اے اللہ کے رسول! میں جب اپنے گھر لوٹا تو میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی کو پایا، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، رسول اللہ ﷺ کو یہ بہت ناگوار اور ناپسند گزرا اور اُنھوں نے ان پر سختی کی، پھر یہ آیات نازل ہوئیں: (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ) اِن آیات کے نازل ہونے پر رسول اللہ ﷺ کو اطمینان ہوا اور آپ نے فرمایا: (أبشر يا هلال قد جعل الله لك فرجاً ومخرجاً. قال هلال: قد كنت أرجو ذلك من ربي تبارك وتعالى. فقال رسول الله أرسلوا إليها. فأرسلوا إليها. فتلاها عليها رسول

الله وذكّرهما وأخبرهما أن عذاب الآخرة أشد من عذاب الدنيا. فقال هلال والله لقد صدقت عليها. فقالت كذب. فقال رسول الله : لاعنوا بينهما)"اے ہلال، تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسان راستہ نکال دیا ہے، ہلال نے عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ سے ایسی ہی امید تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس عورت کو بلا بھیجو، چنانچہ اسے بلوایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں پھر اُنھیں بتایا اور یاد دلایا کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے شدید تر ہو گا۔ ہلال نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے اس کے بارے میں جو کہا تھا وہ سچ ہے، عورت نے کہا کہ نہیں یہ جھوٹ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اِن لوگوں پر لعان کی کارروائی کرو"۔ پھر ہلال سے کہا گیا کہ وہ چار مرتبہ اللہ کو حاضر جان کر یہ شہادت دیں کہ وہ سچے ہیں، پھر پانچویں بار کیلئے اُن سے کہا گیا کہ اے ہلال اللہ سے ڈرو کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل تر ہے اور یہی پانچویں بار کی شہادت وہ چیز ہے جو (جھوٹے کیلئے) اللہ کے عذاب کو واجب ٹھہراتی ہے، ہلال نے کہا اللہ کی قسم اللہ مجھے اس کی سزا نہ دے گا جیسا کہ اُس نے مجھے اس الزام کیلئے کوڑوں کی سزا نہیں دی۔ پھر اُنھوں نے پانچویں شہادت دی کہ اگر اُنھوں نے جھوٹ کہا ہو تو اللہ کا اُن پر قہر ہو۔ پھر عورت سے کہا گیا کہ وہ شہادت دے۔ عورت نے اللہ کی قسم پر چار بار یہ شہادت دی کہ شوہر نے جھوٹ کہا ہے۔ پانچوں بار کیلئے عورت سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈرے کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے آسان تر ہے اور یہ کہ پانچویں قسم ہی وہ چیز ہے کہ جھوٹی ہونے پر اُس کیلئے عذاب کی موجب ہو گی۔ عورت ایک لمحے کیلئے تذبذب میں پڑ گئی پھر کہا، اللہ کی قسم میں اپنے لوگوں کو رسوا نہ کروں گی اور یہ کہہ کر اُس نے پانچوں بار قسم کھائی کہ اُس پر اللہ کی لعنت ہو اگر اُس کے شوہر نے سچ کہا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن دونوں میں علیحدگی فرما دی اور فیصلہ کیا کہ عورت کیلئے نہ گھر دیا جائے گا اور نہ ہی اُسے نان و نفقہ ملے گا۔

لہٰذا اگر ایک شوہر اپنی بیوی پر الزام عائد کرے اور اُس سے کہے کہ تو نے زنا کیا، یا کہے، اے زانیہ، یا یہ کہ میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا، لیکن شوہر اپنی صفائی میں ثبوت پیش نہ کرے تو اُس پر حد قائم کی جائے گی اگر وہ لعان والی (پانچ) قسمیں نہ کھائے۔ اور اگر وہ پانچ قسمیں لعان کی کھاتا ہے اور اُس کی بیوی لعان کی پانچ شہادتیں نہیں دیتی تو پھر عورت پر حد قائم کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **(وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ)**"بیوی سے بھی سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ چار شہادتیں دے۔"(سورۂ النّور: آیت:8) جو عذاب اُس عورت پر سے ٹلا وہ ایک شوہر والی عورت کے زنا

کرنے کی حد کا عذاب ہے، کیونکہ ہلال ابن امیہ نے جب اپنی بیوی پر الزام لگایا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے اسے بلوانے کو کہا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے درمیان لعان کرایا۔ لعان اُن حالات میں سے ایک خاص صورتِ حال ہے جہاں زنا ثابت ہوتا ہے یعنی جہاں شوہر نے الزام لگایا پھر اُس کے ثبوت کے طور پر اُس نے لعان کی قسمیں بھی کھالیں لیکن عورت نے ایسا نہ کیا۔ تاہم اگر عورت بھی لعان کی شہادتیں دے دے تو زنا ثابت نہیں ہوتا۔ عورت کا لعان کی شہادتوں سے گریز کرنا زنا کا ثبوت ہوا اور شوہر کے لعان کی شہادتیں دینا عورت پر حد قائم کرنے کا موجب ہے۔

اگر شوہر اور بیوی دونوں لعان کی شہادتیں دیں، اور حاکم یا قاضی اُنھیں علیحدہ کر دے تو اُن کے درمیان یہ علیحدگی ہمیشہ کی ہو گی اور وہ کبھی آپس میں نکاح نہ کر پائیں گے، اب یہ عورت اُس مرد کیلئے ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے لعان کی شہادت دینے والے دونوں میاں بیوی میں علیحدگی کرا دی تھی۔ امام مالک نے نافع سے ابن عمر کی روایت نقل کی ہے: **(أن رجلاً لاعن امرأته في زمن رسول الله وانتفى من ولدها ففرق الرسول بينهما فألحق الولد بالمرأة)**" ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اپنی بیوی پر الزام لگایا، لعان کی شہادت دی اور بچے کو تسلیم نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی اور بچہ ماں کے ساتھ رہا"۔ سہل ابن سعد سے سنن ابی داؤد میں روایت منقول ہے کہ: **(مضت السنة في المتلاعنين أن يفرق بينهما ثم لا يجتمعان أبداً)**"دونوں لعان کرنے والوں کیلئے سنت یہی رہی ہے کہ اُنھیں علیحدہ کر دیا جائے اور پھر وہ کبھی نہ ملیں"۔ اس طرح لعان کے ذریعے علیحدگی عقد نکاح کو فسخ کر دیتی ہے کیونکہ اس سے ہمیشہ کیلئے دونوں پر ایک دوسرے کی حرمت واقع ہو جاتی ہے۔ اب وہ عورت اُس شوہر کیلئے کبھی حلال نہیں ہو گی یہاں تک کہ اگر وہ یہ شہادت بھی دے کہ اُس نے جھوٹ کہا تھا۔ البتہ اگر وہ اپنے جھوٹ کہنے کی شہادت دے دیتا ہے تو عورت کا یہ حق ہوا کہ وہ اُس پر حد قائم کرائے۔ جہاں تک بچے کی ولدیت کا سوال ہے، تو خواہ وہ شوہر اپنے جھوٹ کا اقبال لعان سے قبل کرے یا بعد، بچے پر اُسی کی ولدیت ثبت ہو گی۔

لعان جس سے شوہر حد قائم کئے جانے سے بری ہو جاتا ہے اور عورت کے لعان نہ کرنے پر حد عورت پر واجب ہو جاتی ہے، وہ لعان ہے جہاں شوہر حاکم یا قاضی کی موجودگی میں عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے کہ اس نے زنا کیا ہے، اور اگر عورت وہاں موجود نہ ہو تو اُس کا نام اور نسب بتا کر چار بار وہی شہادت دے پھر وہ رکے، اور اُس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر، یہ

پانچویں بار عذاب کا موجب ہو گا، اور دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے آسان تر ہے، پھر وہ اگر باز نہ آئے اور یہ کہے کہ اللہ کا غضب ہو اُس پر اگر اُس نے اپنے الزام میں جھوٹ کہا ہو کہ اس کی بیوی نے زنا کیا ہے۔ وہ لعان جس سے بیوی حد قائم کئے جانے سے بری ہو جاتی ہے، یہ ہے کہ وہ اللہ کو شاہد رکھ کر چار مرتبہ شہادت دے کہ شوہر نے جھوٹ کہا ہے، پھر وہ توقف کرے اور اسے اسی طرح اللہ کا خوف دلایا جائے جس طرح شوہر کو اللہ کا خوف دلایا گیا تھا، پھر اگر وہ عورت اپنی قسم پر قائم رہے تو پانچویں مرتبہ یہ شہادت دے کہ اُس پر اللہ کا غضب ہو اگر شوہر نے اُس کے زنا کرنے کے الزام میں سچ کہا ہو۔ اگر اُن کا کوئی بیٹا ہو تو اس لعان میں اُس کا ذکر کیا جائے۔ جب شوہر یہ کہے کہ میں اللہ کو شاہد رکھ کر کہتا ہوں کہ اِس عورت نے زنا کیا، اور یہ لڑکا میرا نہیں۔ عورت اللہ کو شاہد رکھ کر یہ کہے کہ شوہر نے جھوٹ کہا، یہ بچہ اُس ہی کا ہے۔

لعان کی یہ کیفیت اور الفاظ ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر عورت ایک بچے کو جنم دے اور شوہر یہ کہے کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں یا میرا نہیں ہے، تو اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ قذف نہیں ہوا، تاہم اُس سے پوچھا جائے گا کہ کیا اُس عورت نے زنا کیا ہے اور تب یہ بچہ ہوا ہے؟ اب یہ قذف ہو گیا اور لعان سے ثبوت کو پہنچے گا۔ لیکن اگر شوہر یہ کہے کہ میرا کہنے کا ارادہ یہ تھا کہ بچہ اپنی خلقت میں مجھ سے مشابہت نہیں رکھتا، یا یہ کہ اس عورت نے جنسی اختلاط کیا تھا اور یہ بچہ اُس مباشرت سے ہے، تو شوہر پر حد قائم نہیں ہوتی اور اسی کو بچے کی ولدیت منتقل ہوتی ہے کیونکہ اُس نے قذف نہیں کیا۔ یہاں لعان کی نوبت نہیں آتی کیونکہ لعان قذف سے مشروط ہے۔

والد کی محافظت

والد کیونکہ خاندان کا امیر، قائد اور رکھوالا ہوتا ہے لہٰذا یہ ناگزیر ہے کہ بچوں کی سرپرستی اسی کی ہو۔ والد ہی چھوٹے بچوں اور بڑے بچے جو مکلف نہیں ہیں اُن کے مال کا سرپرست ہوتا ہے، خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں،۔ والد کی سرپرستی میں وہ بچے بھی شامل ہوتے ہیں جو اپنی والدہ یا کسی اور قریبی رشتہ دار کے زیرِ کفالت ہوں۔

ایک شخص یا تو چھوٹی عمر کا ہو گا یا بڑی عمر کا، اور ایک بڑی عمر والا بھی یا تو ذی عقل ہو گا یا غیر ذی عقل۔ چنانچہ اگر وہ بڑی عمر کا ہے اور صاحبِ عقل ہے تو اُس پر اور اُس کے مال پر کوئی سرپرست نہیں ہوتا، وہ از خود ہی اپنے معاملات کا نگہبان ہے۔ البتہ اُس کے والد کو اُس کی سرپرستی کا حق رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ شخص یا تو چھوٹی عمر کا ہے یا بڑی عمر کا غیر عاقل ہے، تو اُس کی سرپرستی اُس کے ذمے نہیں ہو گی کیونکہ وہ غیر ذی عقل ہونے کے سبب اپنی سرپرستی سے عاجز ہے۔ اُس کی سرپرستی اُس کے والد کے ذمے ہو گی اور یہ اُس وقت تک رہے گی جب تک اُس میں یہ دونوں صفات ہیں جن کے باعث والد کی سرپرستی ضروری ہوئی، یعنی یا تو وہ بالغ عمر کو پہنچ جائے یا ذی شعور ہو جائے، تب اُس وقت وہ خود اپنے معاملات و امور کا نگہبان بن جاتا ہے لیکن پھر بھی والد کی سرپرستی من بابِ استحباب یا من بابِ ندب (ترجیح) باقی رہتی ہے کیونکہ والد کی سرپرستی کا حق ابدی ہے۔

اولاد کی کفالت

ایک بچے کو اگر ترک کر دیا جائے یا چھوڑ دیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ لہٰذا اُس کی کفالت فرض ہے اور یہ حفاظتِ نفس کے ضمن میں آتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ اسے ہلاکت اور خطرات سے محفوظ رکھنا فرض ہے۔ پھر اس کفالت کے فرض ہونے کے علاوہ قرابت کے تعلق کا بھی یہی تقاضہ ہے کیونکہ یہ بچے کا حق ہے، لہٰذا کفالت جہاں فرض ہے وہیں یہ ایک حق سے بھی منسلک ہے۔ کفالت بچے کا حق ہے اور یہ ہر اُس شخص پر فرض ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بارِ کفالت عائد کیا ہے۔ جب کسی کو اس کی ذمہ داری دے دی جائے تو یہ فرض اُس کفیل پر عائد ہو جاتا ہے۔ جہاں تک اس کفالت کے ذمہ کے حق کا سوال ہے، تو جن پر اللہ تعالیٰ نے بارِ کفالت ڈالا ہے اُن میں سے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو، یہ حق اُس کا ہے نہ کہ اُس کا جس کے پاس بچے کے ہلاک ہو جانے کا امکان ہو۔ لہٰذا یہ کفالت اسے نہیں دی جاسکتی جو یا تو خود بچہ ہو یا جو عقل سے معذور ہو کیونکہ یہ کفالت کی ذمہ داری نباہنے سے قاصر اور خود کفالت کے محتاج ہیں تو یہ کیونکر کفالت کا حق ادا کر پائیں گے؟ اسی طرح بچے کی کفالت اُنھیں بھی نہیں سونپی جاسکتی جن کے پاس بچے کی دیکھ بھال نہ ہو سکے، خواہ اُن کی فراموشی کے باعث ہو یا اُن کے دیگر کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے بچے کی دیکھ بھال کو نظر انداز کرنے کے سبب سے۔ اور نہ ہی یہ ایسے شخص کے سپرد کی جاسکتی ہے جس میں مثلاً فسق کی صفت ہو کہ بچہ بھی اُسی صفت پر پروان پائے گا اور فسق بھی ایک قسم کی ہلاکت ہے۔ مزید یہ کہ ایک کافر کو بھی یہ ذمہ داری نہیں دی جاسکتی سوائے اس استثناء کے کہ بچے کی والدہ خود ہی کافرہ ہو۔

جہاں تک بچے کی کفالت کا تعلق ہے تو اس معاملے کو پرکھا جائے گا۔ اگر بچے کی عمر اتنی ہے کہ وہ اشیاء کو پہچان سکتا ہے، اپنے والد اور والدہ کے سلوک میں فرق کر سکتا ہے، اُس کا دودھ چھوٹ چکا ہے، تو ایسی حالت میں اسے اپنے ماں اور باپ میں سے کسی ایک کو چن لینے کا اختیار دیا جائے گا۔ اسے والدین میں سے اس کے حوالے کر دیا جائے گا جسے اس نے چنا ہو کیونکہ مسندِ احمد اور ابو داؤد میں عبد الحمید ابن جعفر اپنے والد کے توسط سے اپنے دادا رافع ابن سنان سے روایت کرتے ہیں کہ: **(أنه أسلم، وأبت امرأته أن تسلم فأتت النبيﷺ فقالت: ابنتي وهي فطيم أو شبهه. وقال رافع ابنتي. فقال النبيﷺ : أقعد ناحية. وقال لها: اقعدي ناحية. وقال: ادعواها. فمالت الصبية إلى أمها. فقال النبي ﷺ:**

اللهم اهدها. فمالت إلى أبيها فأخذها) "اُن کے دادا رافع نے اسلام قبول کر لیا جبکہ دادی نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر دادی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ میری بیٹی دودھ چھوڑ چکی ہے یا بس چھوڑنے پر ہی ہے، رافع نے کہا :میری بیٹی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"تم ایک طرف بیٹھو"، پھر دادی سے فرمایا کہ تم بھی ایک جانب بیٹھو، پھر دونوں سے فرمایا کہ اب بچی کو بلاؤ، تو بچی والدہ کی جانب متوجہ ہوئی۔ پھر آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ، اسے راستہ دکھا، تب بچی اپنے والد کی جانب بڑھی اور اُنھوں نے اسے اُٹھالیا"۔ اسی حدیث کو مختلف الفاظ میں اسی معنی کے ساتھ نسائی نے بھی نقل کیا ہے۔

اس کے برعکس اگر بچہ کم عمر ہے اور اشیاء میں تمیز نہیں کر سکتا اور نہ ہی ماں اور باپ کے سلوک میں فرق کر سکتا ہے اور ابھی اُس کی دودھ پینے کی عمر ہے یا ابھی دودھ چھوٹا ہی ہے تو ایسی صورت میں اسے یہ اختیار نہیں دیا جائے گا، بلکہ ایسی صورت میں بچہ ماں کی ہی کفالت میں رہے گا، اس کی کی دلیل بھی وہی رافع والی حدیث ہے۔ اور چونکہ کوئی شرعی نص اس کے خلاف نہیں ہے لہٰذا ماں کا بچے کی کفالت کیلئے زیادہ مستحق ہونا ثابت ہے۔ یہاں بچے کی کفالت کو ولایت سے تعبیر کرنا اور یہ کہنا کہ ایک مسلم کی ولایت کسی کافر کے سپرد نہیں کی جاسکتی، درست نہیں، کیونکہ کفالت در حقیقت بچے کی پرورش اور خدمت ہے نہ کہ ولایت، لہٰذا اس پر ولایت کے احکام کا انطباق درست نہیں ہو گا۔

عورت کی طلاق ہو جانے کی صورت میں وہی بچے اور مجنون (دیوانہ) کی کفالت کی مستحق ہے کیونکہ مسندِ احمد اور سنن ابی داؤد میں عبداللہ ابن عمرو العاص سے روایت نقل کی گئی ہے کہ: **(أن امرأة قالت يا رسول الله إن ابني هذا كان بطني له وعاء، وثديي له سقاء وحجري له حواء، وإن أباه طلقني وأراد أن ينزعه مني. فقال رسول الله أنت أحق به ما لم تنكحي)** "ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، میرا بطن میرے اس بیٹے کے لیے ٹھکانہ ہے میرا سینہ اسے سیراب کرتا ہے اور میری گود اس کی حفاظت کرتی ہے۔ پھر بھی اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور بچے کو مجھ سے چھین رہا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا: بچے کا حق تجھے زیادہ ہے جب تک کہ تو دوبارہ نکاح نہ کر لے"۔ نیز ابن ابی شیبہ عمر سے روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے امِّ عاصم کو طلاق دی پھر ایک بار جب وہ اُن کے پاس پہنچے تو عاصم اپنی والدہ کی گود میں تھے، عمر کا ارادہ تھا کہ وہ بچے کو ماں سے لے لیں، دونوں بچے کو کھینچ رہے تھے یہاں تک کہ بچہ رونے لگا۔ پھر وہ دونوں ابو بکر کے پاس آئے تو اُنھوں نے فرمایا کہ: **(مسحها وحجرها وريحها خير له منك حتى يشب الغلام**

فیختار لنفسه) "جب تک بچہ بڑا نہ ہو جائے، ماں کا لمس، اُس کی گود اور اُس کی خوشبو بچے کیلئے تم سے بہتر ہے، جب وہ بڑا ہو جائے گا تو خود ہی اپنے لئے تم میں سے کسی کو چن لے گا"۔ اگر والدہ کفالت کی شرائط کی پر پوری نہ اترتی ہو، یا اُن میں سے کسی ایک شرط پر پوری نہ اترتی ہو، مثلاً اُس نے شادی کر لی ہو یا وہ دیوانی ہو وغیرہ تو اُسے کفالت نہیں دی جاتی اور ایسے تصور کیا جاتا ہے جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو اور اب کفالت کا حق ماں کے بعد، زیادہ قریبی عزیز کو ہوتا ہے۔ اگر ماں اور باپ دونوں ہی کفالت کی شرائط پر پورے نہ اترتے ہوں تو پھر یہ ذمہ داری سب سے قریبی عزیز کو دے دی جاتی ہے کیونکہ وہ دونوں ہی مستحق نہیں ہیں اور دونوں کو ہی معدوم تعبیر کیا جاتا ہے۔ بہر حال بچے کی کفالت کی سب سے زیادہ مستحق اُس کی والدہ ہی ہے، پھر اُس کے بعد اُس کی والدہ کی والدہ اور والدہ کی نانی، ان میں سے ماں کے قریب تر کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ وہ خواتین ہیں اور بچے کی پرورش میں اُن کا تجربہ ثابت شدہ ہے اور یہ سب ماں ہی کے حکم میں آتی ہیں۔ اس کے بعد والد کا حق ہے پھر والد کی والداؤں کا، یعنی والد کی والدہ اور دادی یا نانی کا، پھر دادا کا، پھر دادا کی والداؤں کا، پھر والد کے دادا کا اور پھر اس کی والداؤں کا، گو کہ وہ ورثاء میں سے نہیں تاہم ان کا ان سے رشتہ ہے جو کفالت کے حق دار ہیں۔ اگر والد اور والدہ دونوں ہی فوت ہو چکے ہوں تو کفالت کا حق والدین کی بہنوں کو جاتا ہے، بہنوں میں ماں کی بہنیں پھر باپ کی بہنیں زیادہ مستحق ہیں۔ اِن کے بعد کفالت کا حق، اُس بہن کو جاتا ہے جو باپ کے رشتے سے سوتیلی بہن ہو، پھر اُس بہن کا حق ہے جو ماں کے رشتے سے سوتیلی بہن ہو، یہاں بہن کو بھائی پر ترجیح ہو گی کیونکہ وہ عورت ہے اور کفالت کی اہل ہے لہٰذا اسے اپنے ہم منصب رشتہ داروں پر ترجیح ہوتی ہے۔ اگر والدین کی کوئی بہن نہ ہو تو ماں باپ کے بھائی کا حق پہلے ہوتا ہے۔ اِن کے بعد باپ کے رشتے سے سوتیلا بھائی اور اُس کی اولاد کفالت کے مستحق ہوتے ہیں، تاہم ماں کے رشتے سے سوتیلا بھائی کفالت کا حقدار نہیں ہوتا۔ اگر یہ رشتہ دار نہ ہوں تو پھر کفالت کی ذمہ داری خالاؤں کے سپرد ہوتی ہے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھوپھیاں مستحق ہوتی ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں سگے چچا اور پھر وہ سوتیلا چچا جو باپ کے رشتے سے چچا ہو (جن کی والدہ دوسری ہوں)، اُس چچا کو کفالت کا حق نہیں ہوتا جس سے صرف ماں کی جانب سے رشتہ ہو، یعنی باپ سوتیلا ہو۔ اِن سب کے نہ ہونے پر ماں کی خالاؤں کو کفالت کا حق ہوتا ہے، پھر باپ کی خالاؤں کو، اس کے بعد باپ کی پھوپھیوں کو، البتہ ماں کی پھوپھیوں کو کفالت کا حق نہیں کیونکہ وہ ماں کے والد کے ذریعے رشتہ دار ہیں اور ماں کے والد کو کفالت کا حق نہیں ہے۔

کفالت کا حق اُس کے مستحق سے صرف اُس کے نہ ہونے پر یا اُس میں کفالت کی اہلیت نہ ہونے پر ہی منتقل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص جسے کفالت کا حق ہے، وہ کفالت نہیں کرتا تو بچے کی کفالت کا ذمہ اگلے مستحق کو اسی صورت میں منتقل ہوتا ہے جب وہ کفالت کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، کیونکہ گو کہ کفالتِ طفل اُس مستحق کا حق ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ اُس بچے کا حق بھی ہے جو اُس مستحق پر واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا کفالت کو ترک کر دینا اُس وقت تک درست نہیں جب تک کہ اس کی ذمہ داری کوئی اور نہ لے لے جو اس ذمہ داری کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔ اس وقت آئندہ کفالت کرنے والا سابقہ ترتیب کے مطابق اگلا رشتہ دار ہو گا۔ اگر کوئی ایسا شخص جو کفالت کا اپنا حق ترک کر چکا ہو، وہ دوبارہ کفالت کرنا چاہے اور اُس میں کفالت کی شرائط بھی برقرار ہوں تو اس کا یہ حق بہر حال باقی رہتا ہے اور بچے کو کفالت کیلئے اُس کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر والدہ پھر شادی کر کے اپنا حق کھو چکی ہو تو وہ بھی اپنی طلاق کے بعد کفالت کا حق دوبارہ پا لیتی ہے، اور اسی نہج پر ہر رشتہ دار جو کفالت کا حق دار ہو لیکن کسی شرطِ کفالت کے فقدان کے سبب نہ کر پائے، تو جب اُس کی وہ رکاوٹ زائل ہو جائے تو اُس کا حقِ کفالت بھی بحال ہو جاتا ہے کیونکہ اُس میں بہر حال وہ شرائط برقرار ہیں جو کفالت کیلئے درکار ہوتی ہیں۔

بچے کی کفالت کے حق پر اگر کچھ لوگوں میں تنازعہ ہو جائے اور ہر ایک کا یہ موقف ہو کہ وہی کفالت کا زیادہ حق دار ہے تو ایسی صورت میں بچے کی کفالت اُس کے حق میں جائے گی جو سب سے زیادہ حق والے رشتہ دار کی اولاد میں سے ہو۔ البراء بن العازب سے روایت ہے کہ حمزہ کی دختر کے بارے میں علی، زید، اور جعفر کے مابین تنازعہ ہوا، تو علی نے کہا کہ میرا زیادہ حق ہے یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، جعفر نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اِس کی خالہ میری بیوی ہے، زید نے کہا کہ یہ میری بھتیجی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا فیصلہ اُس کی خالہ کے حق میں کیا اور فرمایا: (الخالة بمنزلة الأم) "خالہ والدہ کا مقام رکھتی ہے"۔ (بخاری)

یہ تمام بحث اُس بچے کے حوالے سے تھی جسے ہلاکت سے محفوظ رکھنے کیلئے کفالت ضروری ہو۔ رہا وہ بچہ جو اب کفالت کا محتاج نہیں رہا، تو اب اس میں کفالت کی علت باقی نہیں رہی اور اُس کی کفالت کی فرضیت کا حکم زائل ہو گیا، چنانچہ اُس کی کفالت کا اُس کے قریبی رشتہ داروں کا حق بھی ساقط ہو گیا۔ اب واقعِ حال پر غور کیا جائے گا۔ اب جسے اُس کی کفالت کا حق تھا، جیسے اُس کی ماں، اگر کافرہ ہے، تو ایسے میں اُس کی نگرانی ماں سے لے کر اسے دے دی جائے گی جسے اس نگرانی کا حق ہے۔ کیونکہ

اب اس بچے کو کفالت کی نہیں بلکہ نگرانی کی ضرورت ہے جو ایک کافر کیلئے جائز ہی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:(وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا) "اور اللہ نے کافروں کیلئے مومنوں پر غالب آنے کا کوئی راستہ نہیں رکھا ہے"۔ (سورۂ النّساء: آیت:141)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے: (الإسلام يعلو ولا يعلى عليه)) "اسلام ہمیشہ غالب رہتا ہے، نہ کہ اِس پر کوئی غالب آتا ہے"۔ (سنن الدار قطنی) یہاں خطاب عام ہے اور ایسی کوئی نص نہیں جو اسے مخصوص کر دیتی ہو، اور کفالت والی مخصوص حدیث اس پر منطبق نہیں ہوتی جبکہ بچہ کفالت کا محتاج نہ رہا۔ لیکن اگر صورتِ حال یہ ہو کہ کفالت اور نگرانی دونوں کے مستحق مسلم ہی ہوں، مثال کے طور پر والدین دونوں مسلم ہوں تو بچے یا بچی کو ماں اور باپ کے درمیان چن لینے کا اختیار ہے اور وہ جسے چن لے اُسی کے ساتھ اسے رہنا ہوتا ہے۔ مسندِ احمد، سنن ابن ماجہ اور ترمذی میں روایت ہے: (عن أبي هريرة أن النبيﷺ خيَّر غلاماً بين أبيه وأمه) "ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو اپنے والد اور والدہ میں سے کسی ایک کو چن لینے کا اختیار دیا"۔ نیز سنن ابو داؤد کی روایت میں ہے:(أن امرأة جاءت فقالت: يا رسول الله، إن زوجي يريد أن يذهب بابني، وقد سقاني من بئر أبي عِنبة، وقد نفعني، فقال رسول الله : استهما عليه. فقال زوجها: من يحاقّني في ولدي، فقال النبيﷺ: هذا أبوك، وهذه أمك فخذ بيد أيهما شئت. فأخذ بيد أمه فانطلقت به) "ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا اے اللہ کے رسول، میرا شوہر میرے بچے کو لے لینا چاہتا ہے جبکہ وہ میرے لئے ابی عنبۃ کے کنوئیں سے پانی کھینچ کر لاتا ہے اور میری مدد کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس پر قرعہ ڈال لو۔ شوہر نے کہا کہ کون میرے بچے کے بارے میں مجھ سے تنازعہ کرتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں، تم جسے چاہے چن لو، بچے نے ماں کا ہاتھ تھام لیا اور ماں اسے لے کر چلی گئی"۔ بیہقی میں بھی عمر سے روایت منقول ہے کہ آپ نے ایک لڑکے کو اپنے ماں اور باپ کے درمیان چننے کا اختیار دیا اور علی کے بارے میں روایت نقل ہے کہ اُنھوں نے عمارۃ الجرمی کو جو سات یا آٹھ سال کے تھے اختیار دیا کہ وہ اپنی ماں اور چچا کے درمیان کسی کو چن لیں۔ ان احادیث میں صریح دلیل ہے کہ جب ماں اور باپ کے درمیان بچے پر تنازعہ ہو تو بچے کو اختیار دیا جانا واجب ہو جاتا ہے اور وہ جسے چن لے اسی کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں جو قرعہ کا ذکر ہے وہ البتہ نسائی اور دیگر روایات میں نہیں آتا، قرعہ اندازی کو ایسی صورت پر محمول کیا جاتا ہے جہاں بچہ

دونوں میں سے کسی ایک کو نہ چنے۔ اس اختیار کو دیئے جانے کیلئے کسی مخصوص عمر کی قید نہیں ہوتی، یہ فیصلہ کرنے والے (حاکم، قاضی) کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے جو ماہرین کی رائے کی بنیاد پر ہو۔ اگر ماہرین کی رائے یہ ہو کہ بچے کو کفالت کی حاجت نہیں رہی اور فیصلہ کرنے والا اس رائے سے مطمئن ہو تو وہ بچے کو اختیار دیتا ہے ورنہ وہ بچے کو اسی کے پاس رہنے دیتا ہے جسے بچے کی کفالت کا حق ہو۔ اس میں معاملے کا منحصر بچے کے احوال پر ہوتا ہے، ایک بچہ پانچ سال کی عمر میں ہی ممکن ہے کہ کفالت کا محتاج نہ رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے کسی بچے کو نو سال کی عمر میں بھی کفالت کی ضرورت ہو۔ یہاں بچے کے احوال قابلِ اعتبار ہوتے ہیں کہ وہ اب کفالت کا محتاج ہے یا اسے کفالت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

صلہ رحمی

اللہ تعالیٰ نے جاہلی عصبیت سے منع فرمایا ہے۔ اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ قبائلی یا خاندانی عصبیت امتِ اسلامیہ کے فرزندان کے درمیان ربط کی بنیاد بنے اور یہ کہ اس کی بنیاد پر مسلمانوں کے معاملات طے ہوں۔ تاہم اس کے ساتھ مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اقارب سے بہتر تعلقات رکھیں اور اُن کے ساتھ نرم روی کا سلوک کریں۔ حاکم اور ابن حبان نے طارق المحاربی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**يد المعطي العليا وابدأ بمن تعول، أمك وأباك وأختك وأخاك، ثم أدناك أدناك**)" وہ ہاتھ جو خرچ کرتا ہے وہ بالا دست ہے۔ ان سے شروع کرو جن کی مدد تم نے کرنی ہے۔ تمہاری ماں، تمہارا باپ، تمہارے بھائی بہن اور پھر اُن کے بعد قریب ترین اور پھر ان کے بعد قربت والے"۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں: (**أتتني أمي وهي مشركة في عهد قريش ومدتهم إذ عاهدوا النبي مع ابنها فاستفتيت النبي فقلت: إن أمي قدمت وهي راغبة. قال: نعم صلي أمك**)(متفق علیہ)"میری والدہ جو ایک مشرکہ تھیں مجھ سے ان دنوں ملنے آئیں جب قریش سے معاہدہ ہو چکا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہدایت لینے آئی اور کہا: میری والدہ آئیں ہیں اور وہ مجھ سے اچھے سلوک کی امید کرتی ہیں آپ نے فرمایا: ہاں اُن سے خوش سلوکی کرو"۔ (متفق علیہ)

اسلام نے عزیز و اقارب کو دو حصوّں میں تقسیم کیا ہے: ایک وہ اقارب جن سے موت کے بعد وراثت میں حصہ ہوتا ہے اور دوسرے ماں کی جانب کے اقارب یعنی اولو الارحام۔ پہلی قسم جن سے وراثت کا تعلق ہوتا ہے اُن میں اصحاب الفروض یعنی وہ رشتہ دار جن کا وراثت میں حصہ ہو اور عصبات، یعنی والد کی جانب سے رشتے دار شامل ہیں۔ اولو الارحام یعنی ماں کی جانب سے عزیر ان سے مختلف ہوتے ہیں کہ اُن کا ورثے میں حصہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ عصبات میں سے ہوتے ہیں۔ اِن میں دس اصناف ہیں: ماموں، خالہ، نانا، نواسہ، بھانجہ، بھتیجی، چچازاد بہن، پھوپھی، والدہ کے چچا اور ماموں زاد بھائی اور جو کوئی اُن میں سے ہو۔ اِن رشتوں کا کسی کی میراث میں حصہ نہیں ہوتا نہ ہی ان کی کفالت ایک شخص پر واجب ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے تمام اقارب سے صلہ رحمی اور خوش سلوکی کی تاکید کی ہے۔ ابن حبان اور ابن خزیمہ نے جابر سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: (إذا كان أحدكم فقيراً فليبدأ بنفسه فإن كان له فضل فعلى عياله فإن كان له فضل فعلى قرابته) "اگر تم میں سے کوئی شخص مفلس ہو تو وہ (اپنا مال) خود پر ہی خرچ کرے، اور اگر اُس کے پاس مال زیادہ ہو تو وہ اپنے عیال پر خرچ کرے اور اگر پھر بھی اُس کے پاس مال ہو تو وہ اپنے اقارب پر خرچ کرے"۔ بخاری نے ابو ایوب الانصاری سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: (يا رسول الله، أخبرني بعمل يدخلني الجنة. فقال القوم: ما له، ما له؟ فقال رسول الله : أرَبٌ ما له. فقال النبي: تعبد الله لا تشرك به شيئاً وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة وتصل الرحم) "اے اللہ کے رسول مجھے ایسا کوئی عمل بتا دیجئے جس کے سبب میں جنت میں داخل ہو جاؤں، تو لوگوں نے کہا کہ اس شخص کو کیا ہو گیا ہے، اس شخص کو کیا ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اچھے طریقے سے صلوٰۃ قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے اقارب سے صلہ رحمی کرو"۔ چنانچہ اقارب سے صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے تاہم اس حدیث میں اور اس موضوع پر دیگر احادیث میں یہ متعین نہیں کیا گیا کہ کیا صلہ رحم میں صرف اولوالارحام ہی داخل ہوں گے یا ہر وہ شخص جس سے رشتہ ہے۔ بہر حال اِن احادیث کی عمومیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس حکم میں تمام اقارب داخل ہیں خواہ وہ اولوالارحام میں سے ہوں، محرم رشتہ دار ہوں، غیر محرم رشتہ دار ہوں، والد کی طرف سے ہوں یا والدہ کی جانب سے، اِن سب پر اسی خوش سلوکی کا اطلاق ہوتا ہے۔ صلہ رحمی کے حوالے سے متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ مسلم میں مطعم ابن جبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (لا يدخل الجنة قاطع رحم) "خون کا رشتہ توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا"۔ بخاری و مسلم میں انس ابن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأ له في أثره فليصل رحمه) "جو شخص یہ خواہش رکھتا ہو کہ اُس کے رزق میں کشادگی ہو اور اُس کی عمر بڑھا دی جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے"۔ ابو ہریرہ سے بخاری و مسلم میں روایت ہے، (یہاں بخاری کے الفاظ ہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ قَالَتْ الرَّحِمُ هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنْ الْقَطِيعَةِ قَالَ نَعَمْ أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلَى يَا رَبِّ قَالَ فَهُوَ لَكِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ) "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور جب یہ کام

کر چکا تو تو رحم مادر (کوکھ) نے اُٹھ کر کہا کہ اے اللہ میں اُس شخص سے تیری پناہ چاہتی ہوں جو مجھ سے رشتہ توڑے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ میرا انعام اُس شخص پر ہو جو تجھ سے رشتہ جوڑے رہے اور اُس شخص سے اپنا انعام روک لوں جو تجھ سے رشتہ توڑے"؟ کوکھ نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بس یہی تیرے لئے ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کہا: اور اگر تم چاہو تو یہ پڑھا کرو "تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو؟" (سورۂ محمد:22)۔ عبداللہ ابن عمرو سے بخاری میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(ليس الواصل بالمكافئ، ولكن الواصل الذي إذا قطعت رحمه وصلها)** "واصل، (یعنی رشتہ جوڑ کر رکھنے والا) وہ نہیں ہے جو اپنے اقارب کی بھلائیوں کا محض صلہ دیتا ہے، بلکہ واصل وہ ہے جو ان رشتے داروں کے ساتھ بھی اچھا تعلق رکھے جو اس سے رشتہ توڑ دیں"۔ یہ تمام احادیث صلۂ رحمی پر زور دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عزیز و اقارب سے رشتہ قائم رکھنے کے حکم سے اشارہ ملتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت میں محبت و ایثار کس قدر اہم ہے، اور رشتے داروں کے درمیان اچھے تعلقات اور تعاون ہونا چاہئے اور یہ کہ شریعت نے مرد و زن کے تعلق کو منظم کرنے اور اس تعلق سے پیدا ہونے والے رشتوں اور دیگر مضمرات کو استوار کرنے پر کتنا زور دیا ہے۔ لہٰذا شریعتِ اسلامی نے معاشرے کے اجتماعی پہلو کے لیے جو احکام متعین کئے ہیں یہی انسانیت کیلئے بہترین معاشرتی نظام ہے۔